بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 1

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانفال



تالیف
شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 1

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانفال



تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد:24)

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر انہی کے تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 1

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانفال

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

نام کتاب: نقوشِ قرآن جلد 1

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

اشاعت اوّل: شعبان 1443ھ

ناشر: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، ملتان، پاکستان

ملنے کا پتہ: جامعہ فاروقیہ، پرانا ملتان روڈ، شجاع آباد، ضلع ملتان

رابطہ نمبرز: 0322-6102570, 061-4396067,

0300-4396067, 0301-6361990

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے، قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ درستگی ہوسکتی ہے۔ (ادارہ)

اللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ
بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم الله الرحمن الرحيم

فاذكروني أذكركم

١٤٢٢

واشكروا لي ولا تكفرون

MUFTI MUHAMMAD TAQI USMANI
Vice President Jamia Darul-Uloom Karachi - Pakistan

المفتي محمد تقي العثماني
نائب رئيس جامعة دار العلوم كراتشي۔ باكستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی شجاع آبادی حفظہ اللہ کو باری تعالیٰ نے بڑی توفیق سے نوازا ہے۔ قرآن کریم کی خدمت سے بھی انکو حظ وافر عطا فرمایا ہے۔ ہر سال مدارس کی چھٹیوں میں وہ دورۂ تفسیر کراتے رہے ہیں، اور تراویح میں مقتدیوں کو تلاوت کی گئی آیات کا خلاصہ بھی بیان فرماتے رہے ہیں۔ اب یہ خلاصہ تین جلدوں میں شائع ہو رہا ہے۔ اسمیں قرآن کریم کی تمام سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان اور عام فہم مطلب بیان فرمایا گیا ہے۔ بندہ نے اسکی ورق گردانی کے دوران متعدد جگہوں کو دیکھا، تو نظر آیا کہ ماشاء اللہ نہایت دلنشین اور واضح انداز میں منتخب آیات کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو ان آیات کا مفہوم، انکا پس منظر اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بہ آسانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

خاص طور پر وہ حضرات جو مختصر وقت میں قرآن کریم کے پیغامات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ انکے لئے یہ نہایت مفید تحفہ ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسکو نافع خلائق بنائیں، اور یہ فاضل مؤلف کے لئے بہترین ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔ آمین۔

بندہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۶؍ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

وارد حال دفتر وفاق المدارس العربیہ
ملتان

Jamia Darul-Uloom Karachi
Korangi Industrial Area,
Karachi - Pakistan, Post Code : 75180
Phone: (92) (21) 5043192, Fax : (92) (21) 5040234

جامعة دار العلوم كراتشي
كورنجي انڈسٹريل ايريا، الرمز البريدي ۷۵۱۸۰
كراتشي - باكستان
هاتف: ۵۰۴۳۱۹۲ (۲۱) (۹۲) فاكس: ۵۰۴۰۲۳۴ (۲۱) (۹۲)

رائے گرامی

شیخ الاسلام حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

دامت برکاتہم العالیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زُبیر احمد صدیقی شجاع آبادی حفظہ اللہ کو باری تعالیٰ نے بڑی توفیق سے نوازا ہے۔ قرآنِ کریم کی خدمت سے بھی ان کو حظِ وافر عطا فرمایا ہے۔ ہر سال مدارس کی چھٹیوں میں وہ دورۂ تفسیر کراتے رہے ہیں، اور تراویح میں مقتدیوں کو تلاوت کی گئی آیات کا خلاصہ بھی بیان فرماتے رہے ہیں۔ اب یہ خلاصہ تین جلدوں میں شائع ہو رہا ہے۔ اس میں قرآنِ کریم کی تمام سورتوں، رُکوعات اور منتخب آیات کا آسان اور عام فہم مطلب بیان فرمایا گیا ہے۔ بندہ نے اس کی ورق گردانی کے دوران متعدّد جگہوں کو دیکھا تو نظر آیا کہ ماشاء اللہ نہایت دِلنشین اور واضح انداز میں منتخب آیات کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو اِن آیات کا مفہوم، ان کا پس منظر اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بہ آسانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

خاص طور پر وہ حضرات جو مختصر وقت میں قُرآنِ کریم کے پیغامات کو سمجھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ نہایت مفید تحفہ ہے۔ دِل سے دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو نافعِ خلائق بنائیں، اور یہ فاضل مؤلف کے لئے بہترین ذخیرۂ آخرت ثابت ہو، آمین۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۶ر شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ

وارِدِ حال دفتر وفاق المدارس العربیہ

ملتان

اجمالی فہرست


اقرأ باسم ربك الذي خلق
خلق الإنسان من علق
اقرأ وربك الأكرم الذي
علم بالقلم علم الإنسان ما لم يعلم
١٤٢١

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قرآنِ کریم حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی جانب آخری پیغام اور زندگی گزارنے کا بہترین دستور ہے، دُنیا وآخرت کی جملہ فوز وفلاح اسی سے وابستہ ہیں۔قرآنِ کریم ہی آئین وقانون، دستور ومنشور، علم وعمل، موعظت وہدایت، شفا اور سکون ہے۔عقیدہ وفکر سے لے کر عمل وآداب اور حُسنِ معاشرت تک سبھی کچھ قرآنِ کریم میں ہے۔اسی سے عبادات، معاملات، اخلاق وآداب، انفرادی، گھریلو اور اجتماعی زندگی وابستہ ہے۔ نظامِ مملکت، نظامِ عدل، نظامِ معیشت، نظامِ معاشرت، نظامِ اُسرَۃ (خاندانی نظام)، قوموں کا عروج وزوال، تاریخِ عالم، انسانیت کا ماضی، حال اور مستقبل، دُنیا، برزخ، آخرت، حیوانات، نباتات، جمادات، نُوری، خاکی، ناری، جنّت، جہنّم، خوفِ خدا، تقویٰ، پرہیزگاری، انبیاء ورُسل علیہم السلام کے حالات، صالحین وابرار، سیئین وفجار، اسبابِ ترقّی اور اَسبابِ تنزّلی وغیرہ کے تذکرے بھی اسی میں موجود ہیں۔

قرآنِ کریم وحیِ الٰہی بھی ہے اور کلامِ الٰہی بھی۔ یہ حق تعالیٰ کی شانِ جلال اور شانِ جمال کا مظہر ہے۔ بصورتِ قرآن، اللہ تعالیٰ بندوں سے ہم کلام بھی ہے اور تنبیہ وتسلی کناں بھی۔قرآن ذِکر، فکر، لذّت آشنائی، معرفتِ الٰہی، حقوق العباد، باعثِ رحمِ انسانیت اور اِطمینانِ قلب ہے، تبھی تو حق تعالیٰ نے جابجا اس کتاب کو پڑھنے، سمجھنے، وابستہ ہونے، عمل کرنے اور اس کتاب کو اَپنانے کا حکم دیا۔اسی کے ساتھ عزّتوں اور علم وعمل کے نُور کو وابستہ کیا، جبکہ اس سے اِنحراف کی صورت میں ذِلتیں اور جہالت کے اندھیرے مقدر فرمائے۔ اسی سے علم کے موتی اور عمل کے سانچے نمودار ہوتے ہیں۔اسی سے مفلوک الحال طبقات کی ڈھارس اور خوش حال لوگوں کی خوش حالی جڑی ہوئی ہے۔اسی لیے اس کا حق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے، سمجھا جائے، اس کی گہرائیوں میں اُترا جائے، عمل کیا جائے، اپنایا جائے، اس وفادار کلام سے دوستی کر کے قبر وحشر میں اسی کی رفاقت حاصل کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآنِ کریم کے ساتھ حریص تھے، ہر مَرد وزَن نے قرآنِ کریم کو اَپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا۔ان کا سب سے بڑا مشغلہ اِشتغال بالقرآن تھا۔حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب گھروں کو لوٹ کر آتے تو ان کی اَزاوج واَولاد ان سے یہ سوال کرتی کہ آج وحی کا کون سا حصّہ اُترا ہے؟ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تفصیلی قصہ ’’صحیح بخاری‘‘ میں مذکور ہے:

آپ نے ایک انصاری صحابی سے یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ جب کسی وجہ سے وہ انصاری خدمتِ نبوی میں

نہ جاسکتا تو حضرت عمرؓ اس دن حاضرِ خدمت ہوتے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں حاضری سے معذور ہوتے تو انصاری دوست مجلسِ رسول میں حاضر ہوتے اور پھر دونوں ایک دوسرے کو اس دن اُترنے والا قرآنِ کریم کا حصّہ سکھاتے۔ (صحیح بخاری: ۵۱۹۱)

اسی قرآنِ کریم کو سُن کر عتبہ بن ربیعہ جیسا متعصب کافر کا دل بھی اسلام کی جانب مائل ہونے لگا تھا۔ لیکن ابوجہل اس کے اسلام کے راستے میں رُکاوٹ بن گیا تھا۔ سیّدنا اصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ پر قرآنِ کریم کی تلاوت سُن کر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول مبارک تھا کہ وہ قرآنِ کریم سے راہنمائی کے حصول کے لیے میدانِ جہاد میں آیاتِ جہاد بالخصوص سورتِ اَنفال کی تلاوت کرتے، کاروبار میں آیاتِ تجارت، عبادت میں آیاتِ خشوع وخضوع، عدالتوں میں آیاتِ عدل وانصاف، موعظت میں آیاتِ خوف ورجاء، اور اسی طرح ہر موقع پر اس کی مناسبت سے آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرماتے، ان کا عمومی مزاج گھروں میں تلاوتِ قرآنِ کریم اور تفکر وتدبرِ قرآنِ کریم کا تھا۔

رات بھر میں ختمِ قرآنِ کریم ان کا محبوب مشغلہ ہوتا۔ قرآنِ کریم سے اس گہرے تعلق کی وجہ سے ان کی زندگیاں مبارک ہوگئیں۔ اس زمانے کا عمومی ماحول خیر وبرکت کا تھا، وہ حضرات ایک دوسرے سے ملاقات میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی مقدار کا سوال کرتے۔ جُوں جُوں زمانہ بدلتا گیا، اہلِ ایمان کا قرآنِ کریم سے تعلق بھی کمزور ہوتا گیا، جس کی وجہ سے آج نہ تو عمل بالقرآن رہا اور نہ ہی مسلمانوں کی عزّت وعظمت باقی رہی!

اہلِ سلام کو اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کے لیے پھر سے اِنفرادی واِجتماعی طور پر قرآنِ کریم کو اَپنانا ہوگا، اپنے اِنفرادی وجود سے لے کر اپنی ریاست تک کو قرآنِ کریم کی برکات سے آراستہ کرنا ہوگا۔ قرآنِ کریم سے صحیح معنوں میں استفادہ تبھی ممکن ہے، جب اسے خوب سمجھا جائے، اس میں تدبر کیا جائے، اس کے علوم ومعارف تک رسائی حاصل کی جائے۔

"نقوشِ قرآن" اسی اہم مقصد کی جانب ایک قدم ہے۔ یہ کتاب نہ تو باقاعدہ تفسیر ہے، اور نہ ہی نکات سے لبریز کوئی علمی تحقیق، بلکہ عوام الناس میں بیان کیے گئے دُروس کا مجموعہ ہے۔ ۴۲-۱۴۴۱ھ بمطابق 2020-21ء کرونا کی صورتِ حال اور اپنی علالت کی وجہ سے مسلسل دو سال رمضان المبارک میں گھر میں قیام کا موقع ملا تو اسی فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے مسجد الرشید، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد میں عوام الناس کے سامنے، رمضان المبارک کی راتوں میں روزانہ کی تلاوت کی گئی منزل کا خلاصہ بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوتی۔

عزیزم مولانا محمد عمیر صدیقی زِید شرفہٗ اور ان کے رُفقاء نے حد درجہ محنت کرتے ہوئے ان دُروس کی نہ صرف ریکارڈنگ کروائی، بلکہ آن لائن نشر بھی کیا۔ شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ میں کرونا کی وجہ سے تعلیم وتدریس کا سلسلہ موقوف تھا، اَحباب کو ریکارڈنگ سے کاغذ پر منتقل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ جامعہ کے بعض طلبہ واساتذۂ کرام نے یہ کام شروع کیا۔ اس تحریری کام کا ایک حصّہ مولانا مفتی محمد عامر شعیب زِید مجدہٗ، اور دوسرا حصّہ حضرت مولانا مفتی محمد وقاص زِید مجدہٗ نے دیکھنا شروع کیا۔ یہ حضرات تحریر کو دُرست کرتے، عناوین دیتے اور حوالہ وغیرہ کی تخریج کر کے عاجز کو پیش کرتے، عاجز

نظر ثانی کرتا۔ یوں رفتہ رفتہ کام جاری رہا۔ عید الاضحیٰ ۱۴۴۱ھ کے بعد تعلیم کا آغاز ہوا تو کام میں تعطل آ گیا۔ شوال المکرم ۱۴۴۲ھ سے جامعہ کے فاضل مولانا مفتی محمد ہارون خان سلّمہٗ کی صرف اسی کام کے لیے تقرّری کی گئی۔ انہوں نے ماشاء اللہ آخری حصے کا بقیہ کام مکمل کیا، اور عاجز نے اسے حرف بہ حرف دیکھا، اور مناسب ترامیم و اضافے کیے۔ پہلے حصے پر بھی دوبارہ کام شروع کیا گیا تاکہ دونوں حصوں میں موافقت پیدا ہو جائے۔ یہ کام بحمد اللہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

شروع میں کتاب ایک جلد میں لانے کا خیال تھا، لیکن بڑھتے ہوئے صفحات کے ساتھ خیال ہوا کہ دو جلدوں میں کتاب کی طباعت کرائی جائے۔ لیکن جب کام مکمل ہوا تو اندازہ ہوا کہ کتاب تین جلدوں میں طبع کی جائے تو مناسب ہوگا۔

چنانچہ کتاب کی **پہلی جلد "سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانفال"**

دوسری جلد "سورۃ التوبہ تا سورۃ القصص"

اور **تیسری جلد "سورۃ العنکبوت تا آخرِ قرآنِ کریم"** طبع کی جا رہی ہے۔

"نقوشِ قُرآن" عام آدمی کو پیشِ نظر رکھ کر مرتّب کی گئی ہے۔ کتاب کا اُسلوب سادہ لیکن علمی رکھا گیا ہے۔ ہر سورت کا نمبر، ضروری تعارف، فضائل اور سابقہ سورت کے ساتھ ربط ذکر کرنے کا اِلتزام کیا گیا ہے۔ سورت کا مرکزی خیال اور عمومی مضامین چند سطروں میں اس طرح ذکر کیے گئے ہیں کہ چند منٹوں میں سورت کا اِجمالی خلاصہ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اِجمالی خلاصہ کے بعد تفصیلی خلاصہ آیاتِ قرآنیہ کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ بالاستیعاب تو مذکور نہیں، تاہم سورت کی بیشتر اور اہم و مقصودی مضامین پر مشتمل آیات اور ان کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ آیات کے شانِ نزول، فضائل، عبر و حکم، قصصِ قرآنیہ، علمی لطائف، بعض تحقیقی مباحث وغیرہ بھی شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر سورت کے آخر میں سورت سے حاصل ہونے والے "اہم دُروس" کے عنوان سے پوری سورت کے اہم مضامین کو ایک بار پھر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اِن شاء اللہ! عوام الناس کے ساتھ علمائے کرام و مدرّسینِ عظام کے لیے بھی دُروسِ قرآن میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اُس کی بارگاہ میں یہ کتاب قبول اور عوام الناس کے لیے نافع ہو۔ حق تعالیٰ عاجز اور عاجز کے رُفقاء کے لیے اس خدمت کو باعثِ عمل، باعثِ نجات اور آخرت کا ذخیرہ فرمائیں۔

والسلام

زُبیر احمد صدیقی عفی اللہ عنہ

خادم جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

مدیر ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" شجاع آباد

۹ ررجب المرجب ۱۴۴۳ھ

بمطابق 11 فروری 2022ء

محمد رسول الله

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْفَاتِحَة

نزول: پانچ ترتیب: ایک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۲ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۵

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۝۶

تعارف

یہ سورت جمہور علماء کے مطابق مکی (ہجرت سے پہلے نازل ہوئی) ہے اور یہ سب سے پہلی سورت ہے جو ایک ہی وقت میں مکمل نازل ہوئی۔ البتہ بعض اہل علم کے مطابق سورتِ فاتحہ کا نزول دو مرتبہ ہوا۔ پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، جبکہ دوسری مرتبہ ہجرتِ مدینہ کے بعد جب بیت اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا گیا، اس وقت یہ سورت دوبارہ نازل کی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

سورۂ فاتحہ کے کلمات کی تعداد ستائیس، حروف کی تعداد ایک سو چالیس اور آیات کی تعداد بہ اتفاق علمائے کرام سات ہے، البتہ آیات کی تعیین میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم کے نزدیک تسمیہ جزو فاتحہ نہیں، اس لیے سات آیات یوں ہوں گی، کہ "اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۝" مستقل آیت ہے۔ امام شافعیؒ اور بعض اہل علم، تسمیہ کو مستقل آیت قرار دے کر جزو فاتحہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان حضرات کے نزدیک "اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۝" الگ آیت نہیں ہے۔ مصحفِ مکی اور مصحفِ کوفی میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق، تسمیہ کو مستقل آیت قرار دیا گیا ہے۔

ترتیبِ نزولی میں سورتِ فاتحہ پانچویں جبکہ موجودہ قرآنی ترتیب میں پہلے نمبر پر ہے۔اس میں ایک رکوع اور سات(۷) آیات ہیں۔

مکی اور مدنی سورتوں میں فرق

قرآنِ کریم کی بعض سورتیں مکی ہیں اور بعض مدنی، راجح قول کے مطابق ان میں فرق یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں (خواہ وہ کہیں بھی نازل ہوئی ہوں) وہ سورتیں ''مکی'' کہلاتی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں (خواہ وہ بدر، اُحد، اَحزاب، حدیبیہ، یا فتحِ مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں) وہ سب سورتیں مدنی کہلاتی ہیں۔(مناہل العرفان، ج:۱،ص:۱۹۴)

سورتِ فاتحہ کے نام

حضرات مفسرین نے سورتِ فاتحہ کے بیس(۲۰) سے زیادہ نام بیان فرمائے ہیں، ناموں کی کثرت سے بھی مسمّٰی کی شرافت وعظمت کا پتہ چلتا ہے۔چند معروف نام درج ذیل ہیں:

۱-**الفاتحۃ**: (قرآنِ پاک کا آغاز اور افتتاح اسی سورت سے ہورہا ہے)

۲-**اُمّ الکتاب**: ''اُمّ'' کسی چیز کی اصل اور بنیاد کو کہتے ہیں۔سورۂ فاتحہ کو ''اُمّ الکتاب'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت تمام دینی مقاصد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مقاصدِ دین کے لیے اصل اور بنیاد ہے۔

۳-**سورۃ الحمد**: اس سورت کا آغاز ''الحمد'' سے ہورہا ہے۔

۴-**السبع المثانی**: یعنی سات دُہرائی ہوئی آیات۔فاتحہ کی یہ سات آیات ہر رکعت میں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔

۵-**القرآن العظیم**: سورتِ فاتحہ پورے قرآنِ کریم کے مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے، قرآن عظیم بھی کہلاتی ہے۔

۶-**سورۃ الرقیۃ**: ''رقیۃ'' کا معنی پناہ مانگنے کا ہے، جمع ''رُقٰی'' دم کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اس سورت کے ساتھ کیونکہ مریضوں کو دم کیا جاتا ہے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے یہ سورت پڑھ کر مریضوں کو دم فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید فرمائی۔

۷-**شفاء، شافیہ، واقیہ**: سورتِ فاتحہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے شفاء اور حفاظت طلب کی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورتِ فاتحہ، ہر بیماری کی شفاء ہے، اس لیے اسے سورتِ شافیہ، شفا اور واقیہ کہا جاتا ہے۔

۸-**سورۃ الصلوٰۃ**: یہ سورت نماز کا اہم جزو اور واجب ہے۔بعض اہل علم کے نزدیک نماز کا رکن ہے۔

۹-**سورۃ الاساس**: یہ سورت قرآنِ کریم کی بنیاد اور اصل ہے۔

۱۰-**سورۃ الکافیہ**: یہ سورت اپنے ماسوا سے کفایت کرجاتی ہے۔

۱۱۔سورۃ الکنز: ''کنز'' خزانہ کو کہتے ہیں، اس سورت کے مضامین قیمتی خزانے اور گوہر یکتا کی طرح ہیں، نیز اس سورت کو حق تعالیٰ نے عرش کے خزانوں میں سے نازل فرمایا ہے۔

۱۲۔سورۃ الشکر: یہ سورت شکر کے مضمون پر مشتمل ہے۔

۱۳۔سورۃ الثناء: یہ سورت اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد وثناء بیان کرتی ہے۔

۱۴۔سورۃ المناجاۃ: اس سورت کے ذریعے بندہ اپنے رَبّ کے ساتھ مناجات اور راز و نیاز کرتا ہے۔

۱۵۔سورۃ الدعاء: اس سورت میں ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝'' دُعا مذکور ہے۔

۱۶۔سورۃ السوال/ تعلیم المسئلہ: یہ سورت اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے اور مانگنے کا سلیقہ بتلاتی ہے۔

سورت فاتحہ کے فضائل

سورتِ فاتحہ کثیر الفضائل سورت ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اس سورت سے متعلق مذکور احادیث کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

الف:۔سب سے بڑی سورت

سیّدنا ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز ادا کر رہا تھا، اس دوران مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا۔ میں نے (بوجہ نماز) کوئی جواب نہ دیا، نماز پڑھنے کے بعد میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے طلب کرنے کے باوجود آنے سے کیا چیز مانع بنی؟ میں نے عرض کیا: میں ادائیگی نماز میں مشغول تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: ''اللہ و رسول جب تمہیں بلائیں تو کہا مانو، وہ تمہاری زندگی کا ذریعہ ہیں، پھر ارشاد فرمایا: میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے قبل، قرآنِ کریم کی سب سے بڑی سورت کی تعلیم دوں گا، پھر میرا ہاتھ تھام لیا۔ جب آپ نے مسجد سے باہر جانے کا ارادہ فرمایا، تو میں نے عرض کیا کہ، یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں مسجد سے نکلنے سے قبل، قرآنِ کریم کی سب سے بڑی سورت کی تعلیم دوں گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝'' یہ سورت ''السبع المثانی'' یعنی سات دہرائی ہوئی آیات اور مجھے عطاء کیا گیا قرآن عظیم ہے۔ (الصحیح البخاری: ۴۴۷۴)

ب:۔آسمان کے خاص دروازے اور خاص فرشتے کے ذریعے یہ نازل ہوئی

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، جبرائیل امین علیہ السلام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف فرما تھے کہ انہوں نے اپنے اوپر سے آواز سنی۔ جبرائیل علیہ السلام نے سر اوپر اٹھایا اور ارشاد فرمایا: یہ آسمان کا ایسا دروازہ ہے جو آج پہلی مرتبہ کھلا ہے، اس سے قبل کبھی نہیں کھلا۔ اس مخصوص دروازے سے ایک ایسا فرشتہ نازل ہوا ہے جو

اس سے پہلے کبھی زمین پر نازل نہیں ہوا۔ اس فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا: آپ کو دو نُور مبارک ہوں جو صرف آپ ہی کو عطا کیے گئے، یہ نور آپ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ وہ نُور یہ ہیں:

۱......سورتِ فاتحہ۔ ۲......سورتِ بقرہ کا آخری حصّہ۔

آپ جو حرف بھی تلاوت کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو نُور عطا فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم:۸۰۶، نسائی وترمذی)

ج:۔نادر و نایاب سورت

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم بخدا! تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ کریم میں "سورتِ فاتحہ" جیسی کوئی سورت نہیں اُتری، یہ "سبع من المثانی" اور قرآنِ عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا۔ (سنن ترمذی:۲۳۰۷)

د:۔اللہ تعالیٰ سے مناجات کی سورت

سیّدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ نماز (فاتحہ) میرے اور میرے بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کی گئی اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا۔ بندہ جب "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد کی۔ بندہ "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری ثناء کی۔ بندہ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ اور ایک موقع پر ارشاد فرمایا، میرے بندے نے اپنے آپ کو مجھے سونپ دیا۔ بندہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہی ہے جو اس نے (مجھ سے) طلب کیا۔ پھر جب بندہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو اس کی طلب عنایت ہوئی۔ (صحیح مسلم:۳۹۵)

ہ:۔قرآن کا افضل ترین حصّہ

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، رستہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے تو اپنے قریب موجود شخص کی طرف متوجہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں قرآنِ کریم کے افضل حصہ کی خبر نہ دوں؟ انہوں نے کہا: ضرور! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" تلاوت فرمائی۔ (الترغیب والترہیب:۱۴۵۴)

و:- بیماریوں سے شفا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورتِ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے۔(سنن بیہقی) اہلِ علم حضرات، بیماریوں سے شفایابی کے لیے سورتِ فاتحہ کا ایک وظیفہ یہ بتاتے ہیں کہ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اگر ۴۱ بار سورتِ فاتحہ اس طرح پڑھی جائے کہ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝" (یعنی الرحیم کی میم اور الحمد کے لام کو ملا کر پڑھا جائے) تو نہ ختم ہونے والی بیماریاں بھی سورتِ فاتحہ کی برکت سے ختم ہو جاتی ہیں۔

ز:- باب القرآن

فاتحہ، قرآنِ کریم کی پہلی سورت، قرآنِ کریم کا دیباچہ اور خلاصہ ہے، قرآنِ کریم اس سے شروع ہوتا ہے، یہ باب القرآن ہے، اس کو آپ قرآنِ کریم کا چھوٹا سا نسخہ بھی کہہ سکتے ہیں، پورے قرآنِ کریم کے مضامین اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں جمع فرما دیے، یہ گٹھلی کی طرح ہے، گٹھلی کا اثر پورے درخت کے پتوں، شاخوں، ٹہنیوں اور پھلوں میں ہوتا ہے، سورۂ فاتحہ کا اثر بھی قرآن پاک کی بقیہ ایک سو تیرہ سورتوں میں ہے، ایک سو تیرہ سورتوں کو سمیٹو تو سورتِ فاتحہ بنتی ہے، اور سورتِ فاتحہ کو کھولو تو قرآن کی ایک سو چودہ سورتیں ظاہر ہو جاتی ہیں، قرآن کے تیس پارے ظاہر ہو جاتے ہیں۔

سورتِ فاتحہ سے آغازِ قرآن کی وجہ؟

سورۃ الفاتحہ سے قرآن کا آغاز کیا گیا اور ہر نماز میں فاتحہ پڑھوائی گئی، اکیلے نماز پڑھ رہے ہو یا امام ہو تو ہر رکعت میں فاتحہ پڑھو، اور اگر مقتدی ہو تو "من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة" (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۸۵۰) امام نے فاتحہ پڑھی تو اس نے تمہاری طرف سے بھی پڑھی، لیکن فاتحہ بہر صورت پڑھی گئی، اگر صرف فرض نماز اور وتر دیکھیں تو ایک دِن میں بیس مرتبہ ہم نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، یہ کیا وجہ ہے کہ نماز میں فاتحہ، ہر رکعت میں فاتحہ، قرآن کے آغاز میں فاتحہ، یاد رکھیے! اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃ الفاتحہ، قرآن کے تمام مضامین کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اگر فاتحہ سمجھ میں آئی تو قرآن سمجھ میں آ گیا، اگر فاتحہ پر عمل ہوا تو نماز کا نور آپ کو نصیب ہو گیا، فاتحہ سے نماز کی بھی تکمیل ہو گئی، اور اگر فاتحہ نہ ہو تو حضور فرماتے ہیں کہ جس نماز میں فاتحہ نہ ہو وہ نماز ناقص ہے۔(صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۰۶، رحمانیہ)

نیز اس سے ابتدا کرنے کی بظاہر یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص قرآنِ کریم سے ہدایت حاصل کرنے کا خواہش مند ہو، اسے سب سے پہلے اپنے خالق و مالک کی صفات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور حق کے ایک سچے طلب گار کی طرح اسی اللہ سے سیدھے رستے اور ہدایت کی دُعا مانگنی چاہیے، اسی لیے فاتحہ میں "صراطِ مستقیم" کی جو دُعا سکھائی گئی ہے، آگے مکمل قرآنِ مجید اسی سیدھے رستے کی تشریح ہی ہے۔(آسان ترجمۂ قرآن ۱/۳۶)

خصوصیاتِ سورت فاتحہ

سورت فاتحہ، قرآنِ کریم کے آغاز میں قرآنِ کریم کے لیے دروازے کی حیثیت رکھتی ہے، قرآنِ کریم کے مضامین کو اپنے اندر سمونے کی وجہ سے نہ صرف یہ سورت قرآنِ کریم کے مختصر نسخہ کی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ تمام آسمانی کتابوں کی تلخیص کہلانے کی مستحق ہے۔ اس سورت میں مذکور بعض جملے کسی بھی دوسری سورت میں مذکور نہیں، مثلاً: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝“ اسمِ جلالت کی مذکور صفات: ”رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ“ کسی بھی دوسری سورت میں نہیں ہیں۔

”اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝“ کا جملہ بھی کسی دوسرے مقام پر نہیں، ان جملوں کا کمال یہ ہے کہ ان میں مفعول بہ کو مقدم رکھا گیا ہے۔ نیز سورت میں ہدایت، توفیق، صراطِ مستقیم یا اِستقامت صراطِ مستقیم کی طلب سکھائی گئی ہے، پھر بطور بدل کے مبہم انداز میں منعم علیہم کے راستے کو ”صراطِ مستقیم“ قرار دے کر اس ابہام کی تفصیل سورتِ نساء میں:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء:۶۹)

اور سورۃ مریم میں:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۙ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ (مریم:۵۸)

بیان کی گئی ہے۔

اسی طرح ”غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝“ کا ذِکر کر کے ان کی راہ سے بچنے کی دُعا تلقین کی گئی ہے۔ ان کے ذکر کو بھی مبہم انداز میں بیان کیا گیا، اس کی تفصیل سورۂ مائدہ میں:

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

میں کی گئی ہے۔ مغضوب علیہم یہود کا ذِکر تو آیت مذکورہ میں ہے، جبکہ نصاریٰ کا ذکر بھی سورت مائدہ میں:

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ (المائدۃ:۷۷)

میں فرمایا۔

”سورتِ فاتحہ“ قرآنِ کریم کے موضوعات کا خلاصہ ہے

قرآنِ کریم کے تین بڑے اور بنیادی موضوع یہ ہیں:

۱......اعتقادات

یہ قرآن کا بڑا موضوع ہے، قرآن نے ہمارے عقائد ٹھیک کیے، عقیدوں میں توحید کا عقیدہ، رسالت کا عقیدہ اور قیامت کا عقیدہ، یہ تین بڑے اور بنیادی عقیدے ہیں، قرآنِ کریم کی ساری مکی سورتیں یہی عقیدے سکھا رہی ہیں کہ اللہ کو ایک جانو، ایک مانو، وحدہٗ لاشریک جانو، وہ ذات وصفات میں یکتا ہے، رسالت کا عقیدہ پہچانو، حضور علیہ السلام کو اللہ کا نبی مانو، آخری نبی مانو، ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش نبیوں کو اللہ کا نبی مانو، اور قیامت کا عقیدہ تسلیم کرو۔

۲......عبادات

اللہ کے قرب کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو، قرآنِ کریم کی تلاوت کرو، اللہ کا ذکر کرو، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھو، وغیرذالک۔

۳......معاملات ومعاشرت

تم اسلام کے طریقے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنے معاملات کرو۔ یہ سارے قرآنِ کریم کے مضامین ہیں۔ اور قرآن کا خلاصہ ہیں، یہ تینوں چیزیں سورت فاتحہ میں موجود ہیں۔

''سورتِ فاتحہ'' میں بنیادی عقائد کا بیان

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۱﴾'' سے ''مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴿۳﴾'' تک عقائد بتائے ہیں۔

عقیدۂ توحید

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۱﴾'' ''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پوری کائنات کو پالنے والے ہیں، اس سے توحید کا عقیدہ دو طرح سے سمجھ میں آیا:

۱۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کا معنی یہ بھی ہے کہ سب تعریفیں خالق کے لیے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سب کے خالق ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کے پروردگار ہیں۔

عالمین، عالم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ماسواء کو عالم کہتے ہیں۔ عالم بے شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر عالم کی مخلوقات کی ضرورتیں پوری فرما رہے ہیں۔ سب کو کھلا رہے ہیں، پلا رہے ہیں، پہنا رہے ہیں، ضرورتوں کی تکمیل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو ان مخلوقات کے تقاضوں کو پورا کر سکے؟

عقیدۂ رسالت

"الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" "بہت رحمت والے ہیں اور سب پر رحمت کرنے والے ہیں، اس سے ذات وصفات میں جیسے "توحید باری" سمجھ آتی ہے، ویسے ہی "رسالت کا عقیدہ" بھی واضح ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر سب سے بڑی رحمت، انبیائے کرام کی بعثت ہے، اس سے رسالت کا عقیدہ خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔

عقیدۂ آخرت

"مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" "قیامت کے دن کے مالک ہیں، جزا کے دن کے مالک ہیں۔ اس سے قیامت کا عقیدہ سمجھ میں آیا۔

دِین کے معانی

قرآنِ کریم میں "دِین" چار معانی میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ شریعت: یعنی احکام، جیسے: "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ" (آل عمران: ۸۵) میں یہی معنی مراد ہے۔

۲۔ جزاءوسزا: جیسے: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" (الفاتحہ: ۴) میں یہی معنی مراد ہے۔

۳۔ توحید: جیسے: "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ" (یوسف: ۴۰) میں یہی معنی مراد ہے۔

۴۔ عبادت وپکار: جیسے: "فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" (غافر: ۱۴) میں یہی معنی مراد ہے۔

عبادات کا اِجمالی بیان

"اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" "ہم آپ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے ہی مدد مانگتے ہیں، یہ قرآن کا دوسرا موضوع "عبادات" ہے جو یہاں اجمالی طور پر بیان ہوا۔ عبادت، انتہا درجہ کی عاجزی اور حد درجہ تعظیم کو کہتے ہیں، یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ لہٰذا اسی کی عبادت کی جائے، اور اسی سے مدد مانگی جائے۔

معاشرت کا اِجمالی تذکرہ

قرآنِ کریم کا تیسرا موضوع ہے: "زندگی کیسے گزاریں؟" تو سورتِ فاتحہ میں اس بارے میں بھی فرمایا: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" "ہمیں سیدھے رستے کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر آپ نے انعام کیا، یا اللہ! ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جنہیں آپ نے "پروٹوکول" عطا فرمایا ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے، یہی کامیاب زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔

اِنعام یافتہ کون ہیں؟

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝ (النساء:۶۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ وہ چار جماعتیں ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا۔ لہٰذا اگر تمہیں کامیابی چاہیے تو تم بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلو، وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور اللہ کے ولی یعنی صالحین ہیں۔

اللہ کے غضب اور گمراہی سے پناہ کی تلقین

آخر میں فرمایا: "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝" ان لوگوں کے راستوں پر نہ چلا، جن پر غضب نازل ہوا (یہودی) اور نہ ان لوگوں کے راستے پر چلا جو بھٹکے ہوئے اور گمراہ ہیں (عیسائی)۔

مفسرین کرام کے نزدیک "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" سے مراد یہود اور "الضَّالِّينَ" سے مراد عیسائی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ نیک لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو، غیر اقوام کی نقالی نہ کرو، اس لیے کہ وہ گمراہ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہیں۔

دیکھیے کہ زندگی گزارنے کا جامع اور کامیاب طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے سورتِ فاتحہ میں بتادیا، اس لیے نماز کی ہر رکعت میں فاتحہ ہے اور قرآنِ کریم کا آغاز بھی فاتحہ سے ہے۔

"آمین" کہنے کا حکم

سورتِ فاتحہ کے آخر میں "آمین" سے قبولیتِ دُعا کی درخواست پیش کی جاتی ہے، مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتِ فاتحہ پڑھائی، جب "وَلَا الضَّالِّينَ ۝" کہا تو جبرئیل امین نے آپ سے فرمایا: آمین کہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا۔ (مصنف ابن أبي شيبة۔ ترقیم عوامة، ۴۲۵/۲)

"آمین" کا معنیٰ

آمین کا معنیٰ ہے: اے اللہ! میری دُعا کو قبول فرمالیجیے۔ سورتِ فاتحہ کے اختتام پر معمولی سے سکتہ کے ساتھ آمین پڑھی جائے، اس لیے کہ آمین، بالاتفاق قرآنِ کریم کا حصہ نہیں ہے۔ بعض روایات میں آمین اس امت کی خصوصیت قرار دی گئی ہے، البتہ سیّدنا ہارون علیہ السلام نے بھی حضرت موسیٰ کی دُعا میں "آمین" کہی تھی۔

سنن ابن ماجہ میں ہے، یہودی لوگ، تمہاری آمین پر جتنا حسد کرتے ہیں، اور کسی چیز پر نہیں کرتے، اس لیے کثرت سے آمین کہا کرو۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۸/۱)

سورۂ فاتحہ، قرآنِ کریم کا خلاصہ بھی ہے اور دیباچہ بھی، اسی سے آغاز قرآن ہو رہا ہے۔ اس لیے پورے قرآنِ کریم میں سورت فاتحہ کے مضامین مذکور ہیں۔ سورۂ فاتحہ گٹھلی کی طرح ہے، گٹھلی کا اثر درخت کی ہر ٹہنی، پتّے اور پھل میں ہوتا ہے۔ سورتِ فاتحہ کے مضامین بھی پورے قرآنِ کریم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

''سورتِ فاتحہ'' سے حاصل شُدہ دُروس

۱۔ پوری کائنات کا خالق، مالک، رحمٰن و رحیم، روزِ جزا میں انصاف کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اسی کی عبادت کی جائے، اسی سے مدد طلب کی جائے، وہی تمام کامل صفات وخوبیوں کا مستحق اور حق دار ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ہدایت واستعانت کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

۳۔ حصول ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں کی صفات اختیار کرنا، عذاب خداوندی کے مستحق اور گمراہوں کی صحبت سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۴۔ اس سورت میں ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ'' سے اِخلاص، اور ''إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' سے توکّل علی اللہ کا درس حاصل ہوا ہے۔

۵۔ جمع کے صیغے ''نعبد، نستعین، اھدنا'' ذکر کر کے اُمّت کو وحدت کا پیغام دیا گیا ہے۔

۶۔ یہ سورت پورے قرآنی مضامین کا خلاصہ ہے، عقائد، عبادات اور معاشرت کے بارے میں مکمل راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

تمت هذه السورة بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْبَقَرَة

ترتیب قرآنی: ۲ ترتیب نزولی: ۸۷

تعارف

سورۃ البقرۃ بالاتفاق مدنی اور قرآنِ کریم کی سب سے لمبی سورت ہے، اس کی دوسو چھیاسی (۲۸۶) آیات اور چالیس (۴۰) رکوع ہیں۔

یاد رکھیے کہ قرآنی سورتوں کی دو طرح سے ترتیب بیان کی جاتی ہے:

۱۔ **ترتیب نزولی:** یعنی کونسی سورت اور آیت، کب کہاں اور کس ترتیب سے نازل ہوئی۔ گویا جس ترتیب سے سورتیں نازل ہوئی ہیں، اس ترتیب کو "ترتیب نزولی" کہا جاتا ہے۔

۲۔ **ترتیب توقیفی:** قرآنِ کریم نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی جو ترتیب صحابہ کرامؓ کو سمجھائی کہ کس آیت کو کس سورت میں رکھا جائے؟ اور آیات کو کیسے ترتیب دیا جائے؟ اسے "ترتیب توقیفی" کہتے ہیں، اسے "ترتیب عثمانی" بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا نزول کے اعتبار سے تو یہ سورت ۸۷ نمبر پر نازل ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق اسے دوسرے نمبر پر درج کیا گیا۔

نزول کا زمانہ اور خصوصیت

ہجرت کے بعد اس کا نزول شروع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخرِ حیات تک جاری رہا، اسی سورت میں قرآنِ کریم کی سب سے بڑی آیت یعنی "آیت دَین/مداینة" ہے، نیز اسی سورت میں آیت الکرسی بھی ہے، جو اجر و ثواب کے لحاظ سے تمام قرآنی آیات سے افضل آیت ہے، قرآنِ کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (آیت: ۲۸۱)

بھی اسی سورت میں ہے۔ اس سورت کا کمال یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے لوگوں کا ذکر کیا ہے، انسانوں کی جتنی اقسام ہیں، مومن، کافر، منافق، نیک و بد وغیرہ سب کا ذکر اللہ نے سورۃ البقرہ میں کیا ہے۔

''سورۃ البقرۃ'' کے اسماء

اس سورت کے کئی نام ہیں جنہیں وجہ تسمیہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

۱-البقرۃ: گائے یا بیل کے معنی میں ہے، اس سورت کی آیت نمبر ۶۷ تا ۷۳ میں ایک گائے کا واقعہ مذکور ہے جس کے ذبح کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، گائے کے اسی واقعہ کی وجہ سے اس کا نام ''سورۃ البقرۃ'' رکھ دیا گیا۔ یہ نام احادیث میں مذکور ہے، گائے کے اس واقعہ میں بندوں کے لیے سامان عبرت ہے کہ حکم خداوندی پر سر تسلیم خم کر دیں، چوں چراں نہ کریں، ورنہ نقصان عظیم سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کو ذبح بقرہ کا حکم ملا، لیکن ان کے خواہ مخواہ کے حیلے بہانوں کے نتیجہ میں انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

۲-الزھراء: پررونق اور روشن کے معنی میں ہے، اس سورت کے ذریعے چونکہ دنیا و آخرت میں راہ ہدایت روشن ہو جاتی ہے۔، اس لیے اس کا ایک نام ''الزھراء'' بھی ہے۔

۳-السّنام: سنام کی معنی کوہان اور بلندی ہے، اس سورت میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے زندگی گزارنے کا طرز و طریق بکثرت مذکور ہے، اسی لیے یہ سورت باقی قرآنِ کریم کی سب سورتوں سے بلند و بالا اور ممتاز ہے۔

۴-الفُسطاط: فسطاط عربی میں ''خیمہ'' کو کہتے ہیں، میدانِ جنگ میں لشکر کے سربراہ کا قیام خیمہ میں ہوتا ہے اور وہیں سے احکام جاری ہوتے ہیں، اس لیے جنگ میں سردار اور امیر کا ''خیمہ'' مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اس سورت سے بھی تشریعات اور معرفت کی راہیں پھوٹتی ہیں۔ اہل علم کہتے ہیں کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار احکام ہیں، ایک ہزار اوامر ہیں، ایک ہزار نواہی ہیں، ایک ہزار حکمتیں ہیں، اسی مرکزی حیثیت کی وجہ سے اس سورت کا نام ''فسطاط'' بھی ہے۔

فضائل

یہ سورت کثیر الفضائل ہے، سورت کے بعض فضائل منفرد اور اسی کے ساتھ خاص ہیں اور بعض فضائل دیگر سورتوں کے ساتھ مذکور ہیں، مکمل سورت کے فضائل بھی مذکور ہیں اور اس سورت کی بعض آیات کے فضائل بھی روایات میں وارد ہیں۔ یہاں کچھ انفرادی فضائل اور پھر دیگر فضائل کا ذکر کیا جائے گا۔

''سورۃ البقرۃ'' کے مخصوص فضائل

الف:-قبر کی ساتھی ہے

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت بقرہ اپنے تلاوت کرنے والے کا قبر میں دفاع کرتی ہے اور اسے مانوس رکھتی ہے۔ یہ ایک بڑے بادل کی طرح سایہ فگن رہتی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۲۹۰۸، مصنف ابن ابی شیبۃ: ۳۳۵۷۲)

ب:- شیاطین کا علاج

سیّدنا ابو ہریرہؓ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ۔

ترجمہ:- اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، بلاشبہ شیطان ایسے گھر سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں، جس میں سورت بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/۵۳۹)

دوسری روایت میں ہے کہ: جس نے اپنے گھر میں دن کو سورت بقرۃ کی تلاوت کی، تین دن تک شیاطین اس گھر میں داخل نہیں ہوں گے اور جس نے رات کو اس سورت کی تلاوت کی تو تین راتوں تک سرکش شیاطین اس گھر سے دور رہیں گے۔ (صحیح ابن حبان: ۳/۵۹)

ج:- جادو کا توڑ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عليكم بسورة البقرة فإن أخذها بركة وتركها حسرة ولا يستطيعها البطلة۔

(صحیح ابن حبان: ۱/۳۲۲)

یعنی سورۃ البقرۃ کی تلاوت کو اپنے اُوپر لازم کرلو: کیونکہ اس کا پڑھنا برکت اور چھوڑنا حسرت ہے اور اہلِ باطل (جادوگر) اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔

آج کل ہر دوسرے شخص کو یہی شکایت ہوتی ہے کہ مجھ پر یا میرے گھر والوں پر جادو ہوگیا ہے، اسی جادو کے توڑ کے لیے سورہ البقرہ موجود ہے، سورۃ بقرہ کی تلاوت کا اپنے گھروں میں اہتمام کرو، ان شاء اللہ جادو بے اثر ہوگا، اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہوگی کہ کسی کے جادو کا کوئی زور آپ پر نہیں چل سکے گا۔

د:- فرشتوں کا نزول

سیّدنا اُسید بن حضیرؓ فرماتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ رات کو سورت بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا قریب میں بندھا ہوا تھا، وہ بدکنے لگا، انہوں نے قراءت روک دی تو گھوڑا بھی رک گیا، پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑا بدکنے لگا، خاموش ہوئے تو گھوڑا رک گیا، پھر قراءت شروع کی تو ایسا ہی ہوا، ان کا بیٹا قریب تھا، انہیں خطرہ لاحق ہوا کہ گھوڑا انہیں نقصان نہ پہنچادے، جب بیٹے کو اٹھایا تو آسمان کی جانب نظر اٹھائی، دیکھا کہ بادل کی طرح کوئی چیز تھی، جس میں روشنیاں جگمگا رہیں تھیں، میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اُٹھ گئیں اور پھر نظر نہ آئیں۔ صبح کو یہ ماجرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کیا، تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو یہ کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں، ارشاد فرمایا: یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز پر قریب آگئے تھے، اگر آپ تلاوت جاری رکھتے تو صبح سب کو نظر آتے، کسی سے مخفی نہ ہوتے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۱۸، صحیح مسلم: ۷۹۶)

ہ:۔سورت بقرۃ کا حافظ، سرداری کے لائق ہے

سیّدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند افراد پر ایک لشکر کی تشکیل فرمائی، پھر ان کے قرآنِ کریم کا جائزہ لیا، ان میں ایک نوجوان تھا آپ نے اس سے سوال فرمایا: کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے بتایا فلاں فلاں اور سورت بقرہ بھی مجھے یاد ہے، آپ نے (تاکیداً) پوچھا کہ سورت بقرہ بھی یاد ہے؟ اس نوجوان نے جواب دیا کہ جی ہاں! آپ نے فرمایا جاؤ تم ہی ان کے امیر ہو۔ (صحیح ابن حبان: ۵/۴۹۹)

و:۔تمام ارکانِ اسلام کی جامع سورت

سورۃ البقرہ، قرآنِ کریم کی وہ واحد سورت ہے جس میں سارے ارکینِ اسلام (شہادتین، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) کا ذکر موجود ہے۔

سورتِ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

حدیث گرامی ہے کہ جس شخص نے سورت بقرہ کی آخری دو آیات رات کو تلاوت کیں، اسے کافی ہو جائیں گی (صحیح البخاری، ص: ۴۱۴) کافی ہو جانے کا معنی یہ ہے کہ ہر شر سے کافی ہو جائیں گی یا قیام اللیل کی جگہ کفایت کریں گی یا اجر و ثواب میں کافی ہوں گی، واللہ تعالیٰ اعلم!

’’سبع طوال‘‘ میں سے ہونا

سورت بقرہ قرآنِ کریم کی سبع طوال (سات طویل) سورتوں میں سے ایک ہے، قرآنِ کریم کی سات لمبی سورتیں یہ ہیں:

۱۔البقرۃ ۲۔آل عمران ۳۔النساء ۴۔المائدہ
۵۔الانعام ۶۔أعراف ۷۔أنفال و توبہ

بعض حضرات نے سورت یونس کو بھی ان سورتوں میں شامل کیا ہے۔ سیّدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے قرآن کی سات سہل اور آسان سورتیں سیکھ لیں، وہ عالم ہے۔ (مستدرک حاکم: ۲۰۷۰، مسند احمد: ۶/۷۲)

سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کے درمیان ربط

سورۃ البقرۃ کا سورۃ الفاتحہ سے درج ذیل امور میں ربط پایا جاتا ہے:

ا۔سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دُعا کی تلقین کی کہ دُعا کرو: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" یا اللہ! ہمیں سیدھا راستہ عطا فرما، سورۃ البقرہ میں اس دُعا کی قبولیت ہے کہ جس "صراطِ مستقیم" کو تم ڈھونڈ رہے ہو، وہ یہ کتاب ہے: "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ ۚ" ہدایت کے طور پر یہ قرآن ہم نے تمہیں عطا کر دیا ہے، اس پر چلو تمہیں ہدایت نصیب ہو جائے گی۔

۲۔سورتِ فاتحہ میں تین جماعتوں کا بیان ہے:

ا....."مُنعَم علیہم": جن کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی۔

۲....."غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ": جن کی صحبت سے اجتناب کی تاکید کی گئی۔

۳....."الضَّآلِّيْنَ": جن کی صحبت سے اجتناب کی تلقین کی گئی۔

سورۃ البقرہ میں "اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" تک "منعم علیہم" کا تذکرہ کیا گیا کہ قرآنی تعلیمات کو تسلیم کرنے والے ہی ہدایت پر ہیں، جبکہ "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۚ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" تک "کافرین"، اور "يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۚ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۚ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" تک "منافقین" کا ذکر کر کے یہ وضاحت فرما دی کہ قرآنی ہدایت سے انحراف اور انکار کرنے والے (کافر اور منافق) وہ لوگ ہیں جن کے راستے سے "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" میں پناہ مانگی گئی ہے۔

۳۔سورتِ فاتحہ میں اِقرارِ رُبوبیت اور تعلق باللہ، نیز بُرے لوگوں کی راہ سے اجتناب کا بیان ہے، سورتِ بقرہ میں تعلق باللہ کو بصورتِ اِنذار بیان کیا گیا ہے اور آلِ عمران میں اس مضمون کی تکمیل ہے، بقرۃ میں دلائل پیش کیے گئے ہیں اور آلِ عمران میں مخالفین کے شبہات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

سورۃ البقرۃ کا مرکزی موضوع

سورۃ البقرۃ چونکہ ہجرت کے فوراً بعد نازل ہوئی اور ہجرت کے بعد ایک ریاست کا قیام ہوا، اور زمین میں مسلمانوں کو خلافت عطا ہوئی، اس لیے اس سورت کا مرکزی موضوع "خدا کی زمین پر خدائی نظام کا قیام" ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اس خلافت کے طریقے اور منہج کو واضح کیا ہے کہ تم زمین میں اللہ کے خلیفہ اور نائب کے طور پر کس طرح کامیاب خلافت قائم کر سکتے ہو۔

عمومی مضامین

اس سورت میں درج ذیل اہم مضامین بیان کیے گئے ہیں:

ا۔سورت کی ابتدا میں انسانوں کی تین اقسام (مومن، کافر اور منافق) بیان کر کے ان میں سے ہر ایک کی صفات بتائی گئی ہیں تاکہ ہر شخص اپنے آپ کو اس کسوٹی پر جانچ سکے کہ وہ ان میں سے کس قسم کے اوصاف کا حامل ہے۔

۲-اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ''ارضی خلافت'' کے تین نمونہ جات بیان فرمائے ہیں:

''خلافت'' کا پہلا نمونہ

سورت کی ابتدا میں بتایا گیا کہ اس زمین کا سب سے پہلا خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا گیا، لیکن شیطان نے جیسے اُن سے دُشمنی نکالی، اسی طرح وہ تم سے بھی دُشمنی رکھتا ہے، اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق خلافت کا حق ادا کرنا ہے تو ابلیس اور اس کے لاؤ لشکر کے مکر وفریب سے بچ کر اللہ سے تعلق مضبوط رکھنا ہوگا۔

دوسرا نمونہ

ارضی خلافت کے دوسرے نمونے کے طور پر ''بنی اسرائیل'' کا تذکرہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر کیسے کیسے انعامات واحسانات کیے لیکن انہوں نے کُفر، نافرمانی اور سرکشی کر کے اس خلافت کی امانت کو ضائع کیا اور خود کو اس ''خلافت'' کے لیے نااہل ثابت کیا۔

تیسرا نمونہ

پہلے پارے کے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ''خلافت'' کا ذکر کیا گیا کہ انہوں نے خدائی خلافت ونیابت کا حق ادا کر دیا۔ یہ اس اُمّت کے لیے ''خلافت'' کا بہترین نمونہ ہے۔

یہ تینوں نمونے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اگر ''خدائی خلافت'' کا قیام چاہتے ہیں تو ہمیں ان واقعات کے ضمن میں ہونے والی اُن خطاؤں، غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچنا ہوگا جو انسان کو خلافت سے محروم کر دیتی ہیں۔

۳- دوسرے حصے میں اس اُمّت کو منہج اور دستور دیا گیا کہ اگر خدائی منشا کے مطابق خلافت حاصل کرنی ہے تو مندرجہ ذیل اُمور کی پابندی کرنی ہوگی:

۱: سابقہ اُمتوں سے اس اُمّت کا تشخص الگ اور ممتاز ہے۔ (اسی ضمن میں تحویل قبلہ کا ذکر ہوا)

۲: امتیاز میں توازن اور اعتدال ہے۔

۳: اطاعتِ خداوندی کے لیے عملی امتحانات۔

۴: شرعی قوانین کی تفصیل ارشاد فرمائی گئی، مثلاً:

الف:- محرمات اور مستثنیات کے علاوہ باقی تمام زمینی طیبات مباح کر دی گئی ہیں۔

ب:- جنایات اور جرائم کا بیان ہے۔

ج:- وصیت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

د:- روزوں کی مشروعیت کا بیان ہے۔

ھ:۔ جہاد و قتال کی مشروعیت بیان کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں طالوت و جالوت کا واقعہ ذکر کر کے بتایا گیا کہ خدائی احکامات کی پیروی میں مادی اشیاء پر بھروسہ کی بجائے توکل اور خدا تعالیٰ کی قدرت پر کامل بھروسہ ہی انسان کو "خدائی نیابت" کا اہل قرار دیتا ہے۔

و:۔ حج کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

ز:۔ خاندانی معاملات (نکاح، ایلاء، طلاق، خلع، عدت، نفقہ، رضاعت اور حیض وغیرہ) کے اَحکام تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔

ح:۔ اس سورت کے آخر میں اقتصادی اور مالی معاملات کے شرعی احکام بیان کیے گئے اور ربا کی حُرمت کو خوب واضح فرمایا گیا۔

خدا تعالیٰ کی کامل قُدرت کا تذکرہ

سورۃ البقرہ میں کئی ایسے واقعات بیان کیے گئے جن کا مقصد یہ ہے کہ مومنین اپنے رَبّ پر کامل بھروسہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر مکمل قادر ہے۔ مثلاً:

۱۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ۔ ۲۔ نمرود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ۔ ۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے مختلف پرندے ذبح کرنے اور ان کے دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ۔ ۴۔ اور اُن لوگوں کا واقعہ جنہیں فوت کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا گیا۔ یہ سب واقعات قدرتِ باری تعالیٰ کے اظہار کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

پارہ نمبر ا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ
يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

کچھ ”حروفِ مقطعات“ کے بارے میں

یہ حروف سورتوں کے آغاز میں خاص حکمت کے تحت ذکر کیے گئے ہیں۔ان حروف کا حقیقی معنی اللہ ربّ العزّت ہی جانتے ہیں، تاہم یہ حروف، حروفِ تہجی میں سے ہیں۔ یہاں تین حروف لائے گئے ہیں، بعض سورتوں کے آغاز میں ایک حرف، مثلاً: نٓ، قٓ، صٓ، اور بعض سورتوں کے آغاز میں دو حرف مثلاً: طٰهٰ، طٰسٓ، حٰمٓ، یٰسٓ، بعض سورتوں کے آغاز میں تین حروف مثلاً: الٓمّٓ، الٓرٰ، بعض سورتوں کے آغاز میں چار حروف مثلاً: الٓمّٓصٓ، الٓمّٓرٰ، بعض سورتوں کے آغاز میں پانچ حروف مثلاً: كٓهٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ۔

یہ حروف کل اُنتیس (۲۹) سورتوں کے شروع میں لائے گئے ہیں، ان کے تخمینی معانی علمائے کرام نے نکالنے کی کوشش کی ہے، ایسے معانی بھی متعدد بتائے گئے ہیں۔اس لیے محققین کہتے ہیں کہ ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔

البتہ ان حروف کے لانے سے مقصود اہلِ عرب کو چیلنج دینا ہے کہ قرآنِ کریم انہیں حروفِ تہجی سے مرکب ہے، اگر تمہیں اس کے خدائی کلام ہونے میں شک ہے تو تم بھی انہی حروف کی ترکیب سے ایسا کلام بنا کر دکھاؤ، یہی وجہ ہے کہ جن اُنتیس (۲۹) سورتوں کے آغاز میں یہ حروف لائے گئے ہیں ان میں سے غالباً چھبیس (۲۶) مکی ہیں، چونکہ مکہ کے قریشیوں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا، اس لیے مکہ مکرمہ میں اترنے والی سورتوں کے آغاز میں بکثرت حروفِ مقطعات لائے گئے۔ ان حروفِ مقطعات سے تکرار حذف کر دیں تو یہ کل حروفِ تہجی کا نصف بنتے ہیں، اور ان حروف کی صفات میں سے بھی نصف صفات ان حروف میں استعمال کی گئی ہیں، اہلِ علم نے ان حروف میں بہت سارے حیرت انگیز اعجازِ قرآنی بیان کیے ہیں۔

”حروفِ مقطعات“ کی تعریف

سب سے پہلے ”الٓمّٓ“ فرمایا۔ یہ قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی کچھ سورتوں کے شروع میں ایسے الفاظ اُتارے، جن کو لکھا تو اکٹھے جاتا ہے، لیکن پڑھا الگ الگ کر کے جاتا ہے، ان الفاظ کو حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے۔ جمہور محققینؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان الفاظ کا درست مطلب کسی کو بھی معلوم نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ”کوڈ ورڈز“ اور راز ہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے بھی کبھی ان الفاظ کی تفسیر صحابہ کے سامنے بیان نہیں فرمائی۔ ''سِرٌّ بَيْنَ اللهِ وَبَيْنَ رَسُوْلِهٖ'' لہٰذا اس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی عقیدے یا عمل کا کوئی مسئلہ ان کے معانی سمجھنے پر موقوف ہے۔

''حروفِ مقطعات'' کی حکمت

حروفِ مقطعات لانے کی ظاہری حکمت یہ ہے (واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ أعلم!) کہ دنیا والو! قرآن انہیں حروف سے بنا ہے جو حروف روز مرہ تمہارے استعمال میں رہتے ہیں، جنہیں حروفِ تہجی کہا جاتا ہے، یہ الفاظ بھی انہیں حروف سے مل کر بنے ہیں، ''الٓمّٓ، الٓمّٓرٰ، كٓهٰيٰعٓصٓ''، اگر تم اس قرآن کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تو تم بھی انہیں حروف سے قرآن جیسی کتاب بنا کر لاؤ، گویا یہ حروف، قرآنِ کریم کے اعجاز کو بیان کرنے کے لیے اور مخالفین کی عاجزی کو ظاہر کرنے کے لیے آئے ہیں کہ یہ لوگ ''قرآنِ کریم'' کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

تفسیر ابنِ کثیر میں ''حروفِ مقطعات'' کی حکمت بیان کرتے ہوئے اسی قول کی تائید کی گئی ہے۔ فرمایا:

وقال آخرون: بل إنما ذكرت هذه الحروف في أوائل السور التي ذكرت فيها بيانا لإعجاز القرآن، وأن الخلق عاجزون عن معارضته بمثله هذا مع أنه [تركب] من هذه الحروف المقطعة التي يتخاطبون بها، ولهذا كل سورة افتتحت بالحروف فلا بد أن يذكر فيها الانتصار للقرآن وبيان إعجازه وعظمته، وهذا معلوم بالاستقراء، وهو الواقع في تسع وعشرين سورة...وغير ذلك من الآيات الدالة على صحة ما ذهب إليه هؤلاء لمن أمعن النظر، والله أعلم۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۶۰)

سارا قرآن ''صراطِ مستقیم'' ہے

سورتِ فاتحہ میں جس ''صراطِ مستقیم'' کی دعا مانگی گئی تھی، ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' سے اسی ''صراطِ مستقیم'' کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ یہ سارا قرآن، کتابِ ہدایت ہی ہے، جو بھی ہدایت کا طلب گار ہو، عاملِ قرآن بن جائے۔ دنیا وآخرت کی کامیابی اس کا مقدر ہوگی۔

عقل وشعور میں غلطی ممکن ہے، قرآن میں نہیں

پھر فرمایا: ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' ''اس کتاب میں کوئی شک نہیں، یہ لاریب کتاب ہے، غلطیوں سے پاک کتاب ہے، درست اور کامل عقل والا اس کلام پر انگلی اٹھا ہی نہیں سکتا۔

اگر کوئی اس کلام پر اعتراض کرتا ہے یا اسے کوئی غلطی نظر آتی بھی ہے (جیسا کہ مستشرقین نے قرآنِ پاک پر بے جا اعتراضات کیے ہیں) تو درحقیقت یہ اس کے اپنے فہم کا قصور ہے، کسی کو اگر اس کتاب میں کوئی شک ہے تو وہ اس کی اپنی کمزوری ہے، قرآن لَا رَيْبَ کتاب ہے۔ اس میں لکھی ہوئی ہر بات سو فیصد درست ہے۔

ہدایت اُنہی کو ملتی ہے جو ہدایت کے طلب گار ہوں

قرآن میں بیان کی گئی ''راہِ ہدایت'' اگرچہ سب کے لیے عام ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس ''ہدایت'' سے نفع انہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو خدا خوفی اور تقویٰ رکھنے والے ہوں، جو قرآنی احکامات پر عمل پیرا ہوں، اس لیے فرمایا: ''هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝'' یہ ڈر اور تقویٰ رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ

وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۚ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝

''متقین'' کے اوصاف

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اور ساتھ میں یہ بھی وضاحت فرمادی کہ تمہیں خدائی خلافت کے حقیقی حصول میں کامیابی تب ہوگی، جب تقویٰ والوں کے اوصاف اپناؤ گے، متقین کے اوصاف یہ ہیں:
۱-ایمان بالغیب۔ ۲-نماز کی پابندی۔ ۳-انفاق فی سبیل اللہ۔ ۴-قرآن اور کُتبِ سابقہ پر ایمان۔ ۵-آخرت پر ایمان۔

پہلی صفت: ایمان بالغیب

متقین کا پہلا وصف یہ بیان کیا گیا ہے ''الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ'' بن دیکھے ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ بیان فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہدایات و تعلیمات ارشاد فرمائی ہیں، اُن سب پر دل سے اور قطعیت کے ساتھ ایمان لاؤ، تم نے اللہ کو نہیں دیکھا، فرشتوں کو نہیں دیکھا، نبیوں اور رسولوں کو نہیں دیکھا، لیکن بن دیکھے مانو۔ دیکھے بغیر ایمان لانے ہی میں تو اصل امتحان ہے۔ دیکھی بھالی چیز پر اگر ایمان لایا جائے تو امتحان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری صفت: نماز کی پابندی

دوسرا وصف: ''وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ'' نماز قائم کرتے ہیں۔ ایمان کے بعد بدنی عبادات میں سے سب سے اہم عبادت ''نماز'' ہے، اور ''اقامتِ نماز'' کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اسی طرح ادا کرتے ہیں جیسے نماز کی ادائیگی کا حق ہے۔

تیسری صفت: اِنفاق فی سبیل اللہ

تیسرا وصف: ''وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ ۝'' اپنے مالوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس میں مالی عبادات (زکوٰۃ و صدقات اور نفلی خیرات وغیرہ) داخل ہیں۔

نوٹ:- متقین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ''ایمان'' کے بعد صرف دو اعمال کا ذکر فرمایا: ''نماز اور اِنفاق فی سبیل اللہ۔'' نماز بدنی عبادات میں سے اہم ہے اور ''اِنفاق'' سب مالی عبادات کو شامل ہے۔ گویا معنی یہ بنا کہ مومنین وہ ہیں ''جن کا ایمان بھی کامل ہے اور عمل بھی کامل ہے۔'' اسی ایمان و عمل کے مجموعے کا نام ''اسلام'' ہے۔

چوتھی صفت: قرآن اور کُتبِ سابقہ پر اِیمان

متقین کا چوتھا وصف: ”وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ“ بیان کیا گیا ہے کہ متقی لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی، وہ بھی سچی تھی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام پر خدائی اَحکامات نازل ہوئے تھے، وہ بھی یقیناً سچے تھے (اگرچہ بعد میں ان میں تحریف کر دی گئی)۔ یہ صرف ایمان کی حد تک لازم ہے ورنہ قرآنِ کریم نازل ہونے کے بعد اب عمل صرف قرآنی احکامات پر ہی ہوگا، پچھلی ساری کتابیں اور شریعتیں اب منسوخ سمجھی جائیں گی۔

ختمِ نبوّت کی دلیل

مذکورہ آیت میں انبیائے سابقین علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ پر ایمان لانے کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اگر بالفرض آپ کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو ”وما انزل من بعدك“ بھی کہا جاتا۔

پانچویں صفت: آخرت پر اِیمان

پانچویں صفت: ”وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ“ ہے کہ متقین قیامت اور روزِ آخرت پر صرف ایمان ہی نہیں رکھتے بلکہ ایسا ”یقین“ رکھتے ہیں کہ گویا ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

کامیابی کے لیے انہی اوصاف کو اَپنانا لازم ہے

فرمایا کہ ربّ کے راستے کے راہی اور کامیاب لوگ وہی ہیں جو مذکورہ بالا صفات کے حامل ہوں گے، اس لیے اگر تم دُنیا و آخرت کی فلاح اور ربّ کی رضا چاہتے ہو تو انہی متقین کی صفات اپنے اندر پیدا کرلو، کامیابی تمہارا بھی استقبال کرے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

اِنسانوں کی تین اَقسام ہیں

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تین جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے: ۱۔متقین (جن کا ذکر ہو چکا)۔ ۲۔کافروں کی جماعت۔ ۳۔منافقین کی جماعت۔

مذکورہ بالا آیات میں ان کفّار کا ذکر ہو رہا ہے جنھوں نے ٹھان رکھی تھی کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ لہٰذا

اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ انہیں دعوت دیں یا نہ دیں، حق کے دلائل پیش کریں یا نہ کریں، انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہرگز نہیں ماننی۔

انہی کی ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجے میں اللہ نے بھی ان کے دلوں پر مُہر لگا رکھی ہے اور اب ان میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی ہے۔ ان سے اصلاح کی توقع رکھنا عبث ہے۔

نوٹ:- اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کُفّار کی کیفیت تو بیان فرمائی ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت وتبلیغ سے منع نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ہر مُصلح اور داعی کو اپنے حصہ کا کام کرتے ہی رہنا چاہیے، اسے اپنی محنت کا اجر و ثواب ضرور ملے گا۔ البتہ ہدایت کس کے نصیب میں ہے اور کس کے نصیب میں نہیں، یہ معاملہ اللہ کے علم میں ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا
يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۹ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ
بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۱۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۱۱ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۱۲ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ
السُّفَهَآءُ ۗ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۱۳ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى
شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۱۶

''منافقین'' اور ان کی پانچ بیماریاں

ان آیات میں انسانوں کی تیسری جماعت کا بیان ہو رہا ہے جنہیں ''منافق'' کہا جاتا ہے۔

''کافر'' اور ''منافق'' کے درمیان فرق

شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں سے کسی بھی چیز کا انکار کرنا کُفر ہے۔ لہٰذا کافر اس کو کہتے ہیں جو دل اور زبان دونوں سے توحید و رسالت اور دیگر ضروریاتِ دین کا منکر ہو، جبکہ منافق اسے کہتے ہیں جو دل سے توحید و رسالت اور ضروریاتِ دین کا منکر ہو، لیکن مصلحت یا کسی مفاد کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہو۔

''منافقین'' کی پہلی بیماری: ''جھوٹا دعویٰ''

فرمایا: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸'' کہ کچھ لوگ (منافقین) جھوٹے دعوے کرتے ہیں، جھوٹے نعرے لگاتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، حالانکہ درحقیقت مومن نہیں ہیں۔

جھوٹے نعروں سے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے شاید وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم خدائی گرفت سے بچ گئے

اور ہم نے اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دے دیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اس دھوکے کا انجام خود انہی کے حق میں بہت برا ہوگا۔

”منافقین“ کی دوسری بیماری: ”اَمراضِ رُوحانی“

ارشاد فرمایا: ”فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝“ یہ منافق لوگ روحانی طور پر بیمار ہیں، اپنے اختیار سے ایمان نہیں لاتے، ان کی اسی باطنی ضد کے نتیجے میں اللہ نے بھی ان کو ایمان کی توفیق سے محروم کر دیا ہے۔ ایمان اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کا باطنی بُغض اور نفاق کی یہ بیماری بڑھتی جا رہی ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ
وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ۝

تیسری بیماری: ”اُلٹے دماغ ہیں“

منافقین کی تیسری بیماری یہ ہے کہ ان کی سمجھ بھی کام نہیں کرتی، ان کی فہم میں انعکاس ہے، ان کی سمجھ اُلٹی ہے، ان سے جب کہا جاتا ہے کہ فساد نہ کرو! تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کر رہے ہیں، جب انہیں کہا جاتا ہے کہ میاں! زمین میں خون ریزی نہ کرو! تو منافقین کہتے ہیں کہ ہم تو دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، قتل بھی کر رہے ہیں اور اُلٹا کہتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، ان کی سمجھ اُلٹی ہے، اپنے عیب کو یہ لوگ ہنر سمجھتے ہیں۔ یہ بھی منافقت ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ
وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ۝

چوتھی بیماری: ”سفاہت و بے ادبی“

ان کی چوتھی بیماری نیک لوگوں کو بُرا بھلا کہنا اور انہیں سب و شتم کرنا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ”اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ“ ”صحابہؓ کی طرح ایمان لاؤ تو یہ کہتے ہیں کہ ”اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ“ ”صحابہؓ تو۔ نعوذ باللہ۔ بے وقوف ہیں، انہیں گالیاں بکتے ہیں، ”اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ۝“ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ خود بے وقوف ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی معیارِ حق ہیں

اس آیتِ مبارکہ میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ صحابہ کا ایمان ایک کسوٹی ہے جس پر ساری اُمت کے ایمان کا پرکھا جائے گا، جو بھی ایمان کا دعویٰ کرے گا، اسے اس ”معیار اور کسوٹی“ پر جانچا جائے گا۔ اس معیار سے ہٹ کر کوئی عقیدہ اور کوئی عمل خواہ وہ جتنا بھی نیک نیتی سے کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر نہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾
اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

پانچویں بیماری: ''دورُخی پالیسی''

منافقین کی پانچویں بیماری ان کی ''دورُخی پالیسی'' ہے کہ جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم تو مومن ہیں، لیکن جب یہ لوگ اپنے گروؤں اور آقاؤں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں:

''اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾'' ہم تمہارے ساتھ ہی ہیں، ہم تو مسلمانوں کے ساتھ مذاق کررہے ہیں۔

فرمایا کہ منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہم مسلمانوں کو بیوقوف بنارہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خود بیوقوف بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے استہزا کا سامان یہ فرمایا کہ انہیں ڈھیل دے دی، اس طرح یہ اپنی سرکشی اور گناہوں میں آگے بڑھتے جارہے ہیں۔ جرم کی سنگینی پر خوب پکڑے جائیں گے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۶﴾

''منافقین'' نے بڑے گھاٹے کا سودا کیا

فرمایا کہ منافقین نے اسلام اور اس کے معاملات کو قریب سے دیکھنے کے باوجود دنیوی مفادات کے لیے اسلام پر کُفر کو ترجیح دی۔ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کر بڑے گھاٹے کا سودا کیا۔ انہیں اپنے نفع نقصان کا بھی ادراک نہ ہوسکا۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا
یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ
اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ
اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾

''منافقین'' کی دو اَقسام اور ان کی مثال

منافقین دو طرح کے تھے، ایک تو وہ لوگ جو اپنے کُفر پر جمے ہوئے تھے، اسلام اور ایمان سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا، تاہم اپنی دُنیوی مفادات کی خاطر اسلام کا راگ الاپتے تھے۔ جب کہ کُچھ ایسے بھی تھے جو کبھی کبھی دل سے ارادہ کرتے تھے کہ مسلمان ہوجانا چاہیے لیکن پھر دُنیوی اغراض کی وجہ سے گومگو اور متذبذب رہتے تھے، دل سے ایمان نہیں لاتے تھے۔

قُرآن نے ان آیات میں پہلی مثال اُن منافقین کی بیان فرمائی جنہوں نے حق دیکھ اور پہچان کر بھی قبول نہ کیا، ان

کی حالت اس شخص جیسی ہے کہ آگ نے اس کے اردگرد ماحول کو خوب روشن کر رکھا ہو لیکن اس کی بینائی سلب کر دی گئی ہو۔ اسلام بھی ہر طرف خوب نور پھیلا رہا ہے لیکن یہ لوگ اپنے کُفر کے اندھیروں پر راضی ہیں۔

دوسری مثال اُن منافقین کی بیان کی گئی جو متردّد ہیں، کبھی دل سے حق قبول کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور کبھی مفادات کی خاطر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو برساتی رات کا مسافر ہو، آسمانی بجلی چمکے تو چل پڑتا ہو اور جب اندھیرا چھا جائے تو رُک جاتا ہو۔ جیسے یہ شخص چلنے میں تذبذب کا شکار ہے، ویسے ہی یہ منافقین ایمان کی روشنی کو مکمل اپنانے میں تردد کا شکار ہیں۔ اسلام کی حقانیت دیکھ کر اسلام کی طرف جھکاؤ کرتے ہیں لیکن اسلامی احکام اور ذمہ داریوں کے خوف سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

اپنی پوزیشن واضح کرو!

منافقین کی ان پانچ کمزوریوں کو سمجھانے اور ان کی حالت پر دو مثالیں دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام دیا کہ تم خلافت کے اہل تب بنو گے جب متقی بنو، اور اپنی حیثیت اور پوزیشن واضح کر لو، اپنے گریبان میں ہر بندہ جھانک لے کہ تمہارا تعلق ان تین جماعتوں میں سے کس کے ساتھ ہے، تم متقین میں سے ہو، کافرین میں سے ہو یا منافقین میں سے ہو، اگر کافرین میں سے نہیں ہو تو شکر کرو، پھر دیکھو کہ منافقین میں سے تو نہیں ہو، کیا منافقین کی مذکورہ بالا بیماریاں تمہارے اندر تو نہیں ہیں؟ اس لیے اپنے آپ میں متقین والے اوصاف پیدا کرو، کافرین اور منافقین جیسی عادات اور اوصاف سے اپنے آپ کو بچا کر رکھو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

”خلافت“ کا اہم اُصول

اللہ تعالیٰ نے تیسرے رکوع کے اندر خلافت کے لیے ایک اہم اصول کو بیان کیا اور وہ ہے توحید کو اختیار کرنا، عقیدہ ٹھیک کرنا، اور اسی میں سورتِ فاتحہ سے ربط بھی ہے، اس سورت میں چار دفعہ توحید کا دعویٰ ذکر کیا گیا ہے۔

عقیدۂ توحید

ابتدائی بیس آیات میں قرآنی ہدایت ماننے اور نہ ماننے کے لحاظ سے انسانوں کی تین اقسام بیان کی گئی تھیں، اب ان سب اقسام سے خطاب کر کے انہیں توحید کی دعوت اس انداز میں دی جارہی ہے جس میں توحید کے واضح دلائل بھی موجود ہیں۔

ان میں پہلا دعویٰ: ”يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ“ ہے، ایک ربّ کی عبادت

کرو، اللہ کو ایک جانو، پھر دلائل بھی دیے، اس لیے کہ وہی سب کا خالق ہے، اس لیے کہ زمین و آسمان اسی نے بنایا ہے، کوئی اور بنا سکتا ہے تو بنا کر دکھائے! اس لیے کہ بارشیں وہی اتارتا ہے، بارشوں سے پھل اور پھول وہی اُگاتا ہے، یہ بنیادی عقیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کے استحقاق کے لیے مُوَحِّد ہونا ضروری ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۝

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان

توحید کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ایمان ضروری ہے، اس لیے ان آیات میں صداقتِ قرآن اور رسالت کا ذکر کیا کہ یہ قرآن سچی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے، اگر کوئی اسے اللہ کی کتاب نہیں مانتا بلکہ انسانی کلام مانتا ہے تو پھر پوری دُنیا کو چیلنج ہے کہ قرآن جیسی کوئی کتاب تو بنا کر پیش کرو، عربی نظم و نثر پر مکمل قدرت کے باوجود، دُنیا جہاں کا تعاون لینے کے بعد بھی، یہ لوگ اُلٹے لٹک جائیں گے لیکن قرآن جیسی مکمل کتاب تو دور کی بات، یہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی سورت جیسی سورت بھی بنا کر پیش نہیں کر سکیں گے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝

عقیدۂ آخرت

فرمایا کہ مرنے کے بعد ہر ایک کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا، لہٰذا جو لوگ مومن ہیں اور اچھے اچھے اعمال کرنے والے ہیں، انہیں اللہ کی طرف سے انعام ملے گا، اور وہ انعام ہے: "اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ" "تمہیں جنّت ملے گی، جنّت میں نہریں ہوں گی، بے بہا رزق ہوگا، جب رزق کھائیں گے تو خوش ہو جائیں گے، "كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۖ" "اور وہ جنّت کی نعمتیں اور پھل ایسے ہوں گے کہ ان کی شکلیں تو جنتیوں کی دیکھی بھالی ہوں گی، لیکن ان جیسے ذائقے اور جسامتیں نہیں دیکھی ہوں گی، "وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝" "جنّت میں اُنہیں ایسی پاکیزہ بیویاں ملیں گی جو ہر قسمی ظاہری و باطنی عیوب سے پاک ہوں گی، جنّتی لوگ، جنّت کی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ
وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝

قرآنی مثالوں میں حکمت

کافروں کو اس بات پر اعتراض تھا کہ قرآن اگر خدا کا کلام ہے تو اس میں مکھی، مچھر، مکڑی وغیرہ جیسے حقیر جانداروں کی مثالیں کیوں دی گئی ہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے خلاف ہے۔

فرمایا کہ قرآن جو مثالیں دیتا ہے وہ دراصل حقیقی بات کو سمجھانے کے لیے دیتا ہے، حقیر اور ادنیٰ چیز کی مثال میں ادنیٰ مخلوق، مکھی اور مچھر کی مثال ہی دی جائے گی۔ کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ مثالوں کے ذریعے بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، لیکن یہ بات انہی کو سمجھ آتی ہے جو مومن ہوں، جنھوں نے کُفر کی قسم کھا رکھی ہو، ان کے لیے مزید گمراہی کا باعث بن جاتی ہے۔ یاد رکھو! قرآنِ کریم پر ایمان لاؤ، اور قرآنِ کریم کی مثالوں پر بھی ایمان لاؤ ورنہ فاسق بن جاؤ گے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

”فاسق“ کی تین نشانیاں

”فاسق“ کون ہوتے ہیں؟ فرمایا: فاسق وہ ہوتے ہیں جن میں تین نشانیاں پائی جائیں۔

پہلی نشانی: ”عہد شکنی“

فرمایا کہ: ”الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠“ فاسق عہد شکن ہوتا ہے، اللہ سے کیا گیا وعدہ (وعدۂ اَلَسْت) بھی پورا نہیں کرتا، اسی وعدہ کی یاددہانی کے لیے آنے والے پیغمبروں اور اُترنے والی کُتب پر بھی ایمان نہیں لاتا۔

دوسری نشانی: ”قطع تعلق“

فاسقین کی دوسری نشانی یہ ہے کہ ”وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ“ وہ قطع رحمی کرتا ہے، ان تمام تعلقات کو توڑ دیتا ہے جنھیں جوڑے رکھنے کا خود اللہ نے حکم دیا۔ چاہے وہ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق ہو، خاندان کے افراد سے تعلق ہو یا عام انسانوں سے، فاسق شخص ان حقوق کی ادائیگی نہیں کرتا۔

تیسری نشانی: ”فسادی طبیعت“

فاسق کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ”وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ“ وہ زمین میں فساد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی نہیں کرتا تو اس کا لازمی نتیجہ ”فساد فی الارض“ ہی نکلتا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

رَبِّ کریم کے اتنے احسانات کے باوجود شرک کی ''ہمت'' کیسے کر لیتے ہو؟

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید اختیار کرنے پر زور دیا اور ان لوگوں کو ڈانٹا جو شرک کرتے ہیں، دنیا کا اُصول ہے کہ جو شخص جس ملک میں پیدا ہوتا ہے، پیدائش ہی سے اس ملک کا شہری اور اس کے قوانین کا پابند ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی اس کائنات میں پیدا ہو رہا ہے، خود بخود اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے خالق کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارے گا۔

اس لیے فرمایا کہ جب تم اللہ ہی کے پیدا کردہ ہو، کائنات کی جن چیزوں سے تم فائدہ اُٹھاتے ہو، وہ بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ اور توحید کی گواہ ہیں، اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کُفر کا رویہ کتنی بڑی ناشکری ہے! یہ کون سا انصاف ہے کہ تمہیں پیدا تو رَبّ تعالیٰ کرے اور تم فرمانبرداری کسی اور کی کرو!

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

''خلافت'' کا پہلا نمونہ

اس تمہید کے بعد خلافت کا پہلا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، جس سے زمینی خلافت کا آغاز ہوا اور وہ آدم علیہ السلام ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ مَیں زمین میں ایک خلیفہ بنا رہا ہوں جو خود بھی میرے احکام پر عمل کرے گا اور دوسروں کو بھی حسبِ وسعت میری اطاعت کی طرف دعوت دے گا۔

فرشتوں کی حیرانگی اور اللہ تعالیٰ کا جواب

فرشتوں کو اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ اے اللہ! انسانی ڈھانچے اور فطرت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ فساد اور قتل وغارت گری اس کی سرشت میں ہے، یہ ڈھانچہ نیکی کے ساتھ بدی کی بھی صلاحیت رکھتا ہے، فرشتے چونکہ پہلے سے جنات کی فطرت میں لڑائی اور فتنہ فساد دیکھ چکے تھے، اس لیے انہیں اندازہ ہوا کہ شاید وہی سب کچھ یہ حضرت انسان بھی کرے گا، اس لیے عرض کیا کہ اسے بنانے کی اور دنیا کو فساد کی آماجگاہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ خصوصاً جب اس نئی مخلوق بارے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ آپ کی نافرمانی کریں گے جس سے آپ ناخوش ہوں گے۔ ہم نیاز مند ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں، آپ کی تسبیح وتحمید کے لیے بہت کافی ہیں۔ لہٰذا ایک معصوم اور مکمل تابعدار مخلوق کے ہوتے ہوئے غیر معصوم اور سرکشی کا مادہ رکھنے والی مخلوق پیدا کر کے اپنی نیابت ان کے حوالے کرنے میں حکمت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس پر حاکمانہ جواب ارشاد فرمایا کہ "اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" یعنی خلافتِ الٰہیہ کی حقیقت اور اس کی ضروریات سے تم واقف نہیں ہو، جس چیز کو تم نیابت کے منافی سمجھ رہے ہو، درحقیقت وہی چیز ہی اہلیتِ نیابت کا بنیادی سبب ہے، نائب کی ضرورت ہی تبھی ہوتی ہے جب فتنہ فساد ہو، اگر فتنہ فساد ہی نہ ہو تو پھر خلیفہ اور نائب بھیجنے کی کیا ضرورت! لہٰذا اس "نیابت" کی پوری حقیقت کو ہم ہی جانتے ہیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

آدم اور فرشتے آمنے سامنے

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام، ان کے خواص اور انسانی کیفیات، بھوک پیاس، راحت و تکلیف وغیرہ فرشتوں کے سامنے سکھا دیے، لیکن ظاہر ہے کہ فرشتے کیا جانیں کہ بھوک پیاس کیا ہوتی ہے اور نفسانی جذبات کیسے ہوتے ہیں، اس لیے جب فرشتوں سے کہا گیا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ، تو چونکہ فرشتوں میں ان اُمور کو سمجھنے اور یاد رکھنے کی صلاحیت ہی نہ تھی، اس لیے فرشتے جواب نہ دے سکے اور صرف یہی کہا کہ "سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝" ہمیں تو صرف وہی علم حاصل ہو سکتا ہے جو آپ ہمیں دینا چاہیں اور جس کی صلاحیت ہمارے اندر پیدا کر دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا "اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ" فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتاؤ تو حضرت آدم علیہ السلام نے یہ نام بتا دیے، اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام فطری طور پر ان سب چیزوں سے مانوس اور انہیں جاننے والے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام معلّمِ ملائک تھے

اس طرزِ گفتگو سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو فرشتوں کا معلّم اور استاد بنایا جبکہ فرشتوں کو متعلّم اور شاگرد کا مقام دیا۔

کامیاب خلافت

خلافت کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے ہم نے آدم کو خلافت عطا کی، کامیاب حکومت اور خلافت کے اہل لوگ وہ ہوں گے جو صاحبِ علم ہوں گے، علمِ دین کا بھی حاصل کرو، علمِ دنیا کا بھی حاصل کرو، اگر جاہلوں کو حکومت مل جائے تو وہ ناکام ہوا کرتے ہیں، چونکہ آدم علیہ السلام کا علم کامل تھا اس لیے آدم علیہ السلام کو فضیلت بھی ملی اور اسی فضیلت کا احساس

دِلانے کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ بھی کروایا، یہ تعظیمی سجدہ تھا، سجدہ کا یہ حکم جنات کو بھی تھا، اس لیے کہ جب سب سے افضل مخلوق فرشتوں پر سجدہ لازم ہے تو جنات اس میں بدرجۂ اَولیٰ داخل تھے۔ چنانچہ ابلیس کے علاوہ سب نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ پھر انہیں جنّت میں ٹھہرایا، یہ پہلا نمونۂ خلافت ہے۔ اس میں اشارہ ہوا کہ بنی آدم، ابلیس و شیطان سے دور رہیں، اس لیے کہ یہ انسان کا دشمن ہے۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝

جنّت کی مہمانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پہلو سے حضرت حوّا کو پیدا فرمایا اور پھر دونوں کو جنّت میں ٹھہرایا۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنّت کی نعمتوں سے خوب لطف اندوز ہونے کی اجازت دی البتہ ایک مخصوص درخت (مفسرین کی آراء اس درخت کی تعیین بارے مختلف ہیں، کوئی گندم، کوئی انگور اور کوئی انجیر کا درخت کہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی مستند روایت سے اس درخت کی تعیین نہ ثابت ہے اور نہ ہی اس کے جاننے کی کوئی ضرورت!) کے قریب نہ جانے اور اسے استعمال نہ کرنے کا حکم فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام اپنی زوجہ کے ہمراہ جنّت میں عرصہ دراز تک مقیم رہے۔

شیطان کا بہکاوا اور زمین پر نزول

اس دوران شیطان جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کر کے راندۂ درگاہ بنا دیا گیا تھا اور حسد و عداوت کی آگ میں جل رہا تھا، اُس نے کسی ذریعے سے حضرت آدم علیہ السلام تک رسائی حاصل کی اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتہ بن جانے، جنّت میں ہمیشہ رہنے کا دھوکا دے کر اور اپنی خیر خواہی کی جھوٹی قسمیں کھا کر (''وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝'' الاعراف:۲۱) اس شجرِ ممنوع کے استعمال پر آمادہ کر لیا، حضرت آدم علیہ السلام شیطان کی قسموں اور بہکاوے میں آ کر یہ درخت کھا بیٹھے، اسی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوّا کو جنّت سے اُتار کر زمین پہ الگ الگ کر کے بھیج دیا، اور ساتھ میں یہ بھی پیشین گوئی کی گئی ''بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ'' اولادِ آدم اور شیطان کی دُشمنی تا قیامت چلتی رہے گی اور اولادِ آدم کے درمیان بھی باہمی عداوت اور دُشمنیاں رہیں گی، ظاہر ہے کہ اولاد میں لڑائیوں سے والدین کا سکون برباد ہو جاتا ہے، گویا زمین پر اُتارنے کے ساتھ ساتھ، اولاد میں دُشمنی کی پیشین گوئی کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو معنوی طور پر یہ بھی ایک سزا دی گئی تھی۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا

بِاٰيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

''توبہ'' کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائے گئے

زمین پہ اتر کر حضرت آدم و حوا ایک عرصہ تک گریہ وزاری سے اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کرتے رہے، لیکن یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کن الفاظ سے معافی مانگیں، بالآخر حق تعالیٰ نے خود ہی انہیں توبہ کے الفاظ سکھائے، جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ'' (الاعراف: ٢٣) یہ بات بھی واضح رہے کہ غلطی اور گناہ ہونے پر توبہ کے لیے کوئی مخصوص الفاظ کہنا ہرگز ضروری نہیں، کوئی بھی ایسے الفاظ جس میں اپنی خطا پر شرمندگی اور آئندہ ایسا کام نہ کرنے کا عزم ہو، توبہ کے لیے کافی ہے، تاہم یہ الفاظ چونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے خود سکھائے گئے ہیں، اس لیے ان الفاظ سے توبہ کی قبولیت کی زیادہ امید ہے۔ ان شاء اللہ!

بہرکیف! اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں دُنیا میں بھیجتے ہوئے فرمایا کہ میری ہدایت اولادِ آدم کے پاس آتی رہے گی، جو اسے قبول کریں گے وہ بےخوف و خطر رہیں گے، اور جو کافر بنیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

شیطان، اِنسان کا واضح دشمن ہے

اس واقعہ سے ہمیں ایک سبق ملا کہ شیطان نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ انسان سے نعمت چھن جائے، اللہ نے آدم علیہ السلام کو جب جنّت میں ٹھہرایا تو شیطان نے دشمنی کی اور آدم علیہ السلام کو وسوسے اور غلط فہمی میں ڈال کر درخت کھانے پر آمادہ کرلیا، جس کے نتیجے میں انہیں جنّت سے زمین پر آنا پڑا، یہ عداوت ہے شیطان کی، تمہاری شیطان سے دشمنی ابتداء سے چل رہی ہے، آخر تک رہے گی، یہ تمہارے اَبّا آدم اور اَمّاں حوّا کا دشمن تھا تو تم سے کیسے مخلص ہوسکتا ہے! اس لیے اس سے بچ کر رہنا، اس نمونے سے ہمیں سبق حاصل ہوا کہ علم بھی حاصل کرو اور شیطان کے بہکاوے سے بھی بچو!

''عصمتِ انبیاء علیہم السلام'' کا مسئلہ

یاد رکھیے! اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ سیّدنا آدم علیہ السلام سے لے کر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک، جملہ انبیائے کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، حق تعالیٰ ان کی نشوونما اور نگرانی اس طرح کرتے ہیں کہ وہ گناہوں سے محفوظ رہیں، گناہ کی صلاحیت و مادہ ہونے کے باوجود انہیں گناہوں سے دور رکھا جاتا ہے تاکہ امت کا اپنے نبی پر اعتماد مجروح نہ ہو، اگر نبی بھی گناہ کرے تو نبی، اپنی امت کے لیے واجب الاتباع کیسے رہے گا!

حضرت آدم علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ میں شیطان کا سجدہ سے انکار اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی دیدہ و دانستہ اور تکبر کی

بنیاد پر تھی، وہ اپنے جرم پر نادم ہونے کے بجائے اکڑ گیا، جبکہ آدم علیہ السلام سے درخت کھانے کی لغزش بھول کی وجہ سے ہوئی، جس کی حقیقت شیطان کا دھوکا اور یہ بہکاوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں آپ کو اس درخت سے اس لیے منع کیا تھا کہ آپ میں اُس وقت اِس درخت کے استعمال کی قوت نہیں تھی، یہ بہت مقوی غذا ہے، اب آپ چونکہ جنّت کی نعمتوں سے مانوس ہو گئے ہیں اور آپ میں مطلوبہ قوت پیدا ہو گئی ہے، اس لیے اب اس درخت کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، اس درخت کے کھانے سے ہمیشہ کی زندگی ملے گی اور آپ کو جنّت میں رہ کر ہمیشہ عبادت خداوندی کا لطف ملے گا وغیرہ وغیرہ، اُس مردود نے اپنی بات کی یقین دہانی کے لیے قسمیں بھی اُٹھائیں، جیسا کہ گزشتہ سطور میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت آدم نیک دل تھے، نیک نیتی سے درخت کھا بیٹھے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی عارضی ناراضگی کا سبب بن گیا، حضرت آدم علیہ السلام نے پھر آہ وزاری سے توبہ بھی کی، معلوم ہوا کہ یہ کوئی جان بوجھ کا گناہ نہ تھا بلکہ نیکی کی نیت بھی نیکی تھی، نتیجہ غلط ہو گیا، اس لیے معافی مانگنے پر اللہ نے معافی بھی دے دی۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں جن انبیاء کی خطا اور لغزش بیان کی گئی ہے، وہ درحقیقت جان بوجھ کر نافرمانی نہیں تھی بلکہ اجتہادی خطا اور غلط فہمی تھی، نیز وہ غلط فہمی بھی دینی اور تبلیغی معاملات میں نہ تھی بلکہ ذاتی افعال وغیرہ میں تھی، اور ان سے ایسا کرایا گیا تاکہ سب کو معلوم ہو سکے کہ انبیاء بھی درحقیقت انسان ہی ہوتے ہیں اور چونکہ حضرات انبیاء کا مقام بہت بلند ہے، اس لیے قرآن میں ان کے ایسے افعال کو معصیت اور غویٰ جیسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا اور گرفت بھی کی گئی، اگرچہ انہیں حقیقت میں ''گناہ'' نہیں کہا جا سکتا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝

''خلافت'' کا دوسرا نمونہ

یہاں سے اللہ تعالیٰ نے خلافت کا دوسرا نمونہ پیش کیا ہے، بنی اسرائیل اور ان کی اُمتوں کا، ان میں بہت سی اُمتیں تھیں، کئی سو سال تک بنی اسرائیل اس رُوئے ارض کے حاکم رہے۔

''اسرائیل'' کا معنی ومفہوم

اسرائیل سُریانی زبان کا لفظ ہے اور یہ دو الگ الگ الفاظ ہیں ''اسرا'' بمعنی بندہ اور ''ایل'' بمعنی اللہ، تو اس کا معنی ہے: عبداللہ، یعنی اللہ کا بندہ۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، حضرت یعقوبؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

پوتے اور سیدنا اسحاق علیہ السلام کے فرزند تھے، پھر حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے جن سے آگے بارہ خاندان پھیلے، انہی بارہ خاندانوں اور قبائل کو "بنی اسرائیل" کہتے ہیں۔ سارے یہودی اور اکثر عیسائی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

"یہود" کو "یہود" کہنے کی وجوہات

انہیں "یہودی" کہنے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں:

۱- یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے "یہودا" کی طرف منسوب ہیں۔

۲- یہ "ہود" سے مشتق ہے بمعنی حرکت کرنا، یہ لوگ چونکہ ہل ہل کر تورات کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی "دیوارِ گریہ" کے پاس یہ لوگ ہل ہل کر اپنی کتاب پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں "یہودی" کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

"بنی اسرائیل" کے ذکرِ خاص کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو کئی ہزار سال تک زمین میں خلافت دی، بڑے بڑے انعامات و اکرامات سے نوازا جن کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ یہ شکر گزار بنتے، خدائی احکامات کی پاسداری کرتے لیکن یہ بالکل ناکام ہوئے، تورات کے احکامات میں من مانیاں کیں، ایمان اور اعمال کے کچے نکلے، ان میں بڑے بڑے جرائم نے جنم لیا، انہوں نے بڑے بڑے گناہ کیے، اس لیے یہ لوگ "خدائی خلافت" کا استحقاق باقی رکھنے میں ناکام ہوئے، سورہ بقرہ میں ایک سو کے قریب آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان بنی اسرائیلیوں کا ذکر کیا جن میں انہیں اسلام کی دعوت بھی دی گئی اور ساتھ ساتھ انہیں تنبیہ بھی کی گئی کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے بکثرت احسانات کے باوجود ناشکری اور بدعنوانیوں سے باز نہیں آئے، اس لیے ناکام ہوئے۔

يٰبَنِيۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِيۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّايَ فَارۡهَبُوۡنِ۝ وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِيۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۖ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوۡنِ۝

نکتہ:- سورتِ بقرہ میں تین بار "يٰبَنِيۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ" مذکور ہے، پہلا "يٰبَنِيۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ" بطور تمہید ہے، دوسرے میں تفصیل ہے اور تیسرے میں نتیجہ ہے۔ پہلے "يٰبَنِيۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ" سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ان کو آٹھ اوامر اور چار نواہی دیے تھے، مگر انہوں نے ان میں سے کسی کی بھی رعایت اور پروا نہیں کی۔

"بنی اسرائیل" کو دیے گئے احکامات کا خلاصہ

۱- پہلا حکم میں نے بنی اسرائیل کو یہ دیا تھا کہ "اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ" میری نعمتوں کو یاد کرو اور میری

نعمتوں کا شکر ادا کرو، بنی اسرائیل کو پہلا حکم نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا تھا، ہمیں بھی پہلا حکم سورہ فاتحہ میں شکر کا ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" "شکر کرنے سے نعمت بڑھتی ہے۔

۲۔ دوسرا حکم دیا تھا: "وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ" "میرے وعدے کو پورا کرنا۔

۳۔ تیسرا حکم تھا: "وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ" "مجھ ہی سے ڈرنا۔

۴۔ چوتھا حکم تھا: "وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ" "جب قرآن مجید کا نزول ہو تو اس کو کتاب ہدایت ماننا اور اس پر ایمان لے آنا، انکار نہ کرنا۔ اور یہ قُرآن دو طرح سے سابقہ کُتب کی تصدیق کرتا ہے: ا۔ سابقہ کُتبِ سماویہ بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل کردہ تھیں (اگرچہ بعد میں ان میں تحریف کر دی گئی)۔ ۲۔ اُن کُتب میں آخری پیغمبر کی آمد کی جو پیشین گوئی تھی، قُرآن نے اسے سچا ثابت کر دکھایا۔ ان تصدیقات کا لازمی تقاضا تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لاتے لیکن معاملہ اس کے برعکس رہا، دیگر اقوام کے مقابلے میں بنی اسرائیل، اسلام قبول کرنے میں نہ صرف پیچھے پیچھے رہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور دیگر اقوام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرنے میں ان کا بڑا کردار رہا۔

۵۔ پانچواں حکم تھا: "وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" "نماز قائم کرنا۔

۶۔ چھٹا حکم تھا: "وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" "زکوٰۃ دینا۔

۷۔ ساتواں حکم تھا: "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" "جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔ رکوع کا خاص طور پر اس لیے ذکر کیا گیا کیونکہ یہودیوں کی عبادت میں رکوع نہیں ہوتا، یہ اُمّتِ محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

۸۔ آٹھواں حکم تھا: "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" "صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے مدد مانگنا۔

"بنی اسرائیل" کو جن اُمور سے منع کیا گیا

اللہ تعالیٰ نے انہیں جس طرح کچھ امور کے کرنے کا حکم دیا، اسی طرح چند چیزوں سے منع بھی فرمایا تھا۔

ا۔ پہلی چیز "وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ" "قرآن کے پہلے منکر نہ بننا۔ اپنی کُتب میں موجود آخری پیغمبر کی آمد کی بشارتوں کو سمجھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آنا۔

۲۔ دوسرا "وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا" "دِین فروش نہ بننا، لوگوں سے پیسے لے کر تورات کے احکام میں مَن مانی تحریفات و تاویلات ہرگز نہ کرنا (بعض یہودی علمائے سوء کا یہی طرزِ عمل تھا)۔

۳۔ تیسرا "وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ" "حق کو باطل کے ساتھ نہ ملانا۔

۴۔ چوتھا حُبِ جاہ اور حُبِ مال سے بچنا۔

لیکن بنی اسرائیل نے ان میں سے کسی پر بھی عمل نہ کیا تو فرمایا کہ بنی اسرائیل، ارضی خلافت کا استحقاق برقرار رکھنے میں ناکام ہوگئے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

’’بنی اسرائیل‘‘ پر اللہ تعالیٰ کے اِحسانات کا تفصیلی تذکرہ

اس رکوع سے بنی اسرائیل اور ان کے آباء واجداد کے تفصیلی احوال اور ناکامیوں کو پانچ انوع واقسام میں بیان کیا گیا ہے:

’’بنی اسرائیل‘‘ کی پہلی قسم کا بیان

رکوع نمبر ۵ کی آیت نمبر ۷ ۴ سے رکوع نمبر ۶ کی آیت نمبر ۶۱ تک بنی اسرائیل کی پہلی نوع کا بیان ہے جس میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے آٹھ انعامات اور دو عذابوں کا ذکر ہے جب کہ رکوع نمبر ۷ کی پہلی آیت میں اس نوع کا تکملہ ’’قانونِ نجات‘‘ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، ان دونوں رکوعوں میں یہود کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ، دعوتِ ایمان بھی دی گئی ہے اور یہود کی پرانی روش اور ان کی ناکامی کو بھی بیان کیا گیا ہے، بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے آٹھ انعامات واحسانات درج ذیل ہیں:

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

۱- پہلا اِنعام: ’’نسل کُشی اور فرعون کے مظالم سے نجات‘‘

اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک احسان یہ کیا کہ فرعون جو ان کے یہاں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دیا کرتا تھا (کیونکہ فرعون کو کسی نے یہ بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہارے تخت وسلطنت کے لیے خطرہ بنے گا) صرف بچیوں کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا۔ اللہ نے فرعون کے مظالم سے انہیں نجات عطا فرمائی۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

۲- دوسرا اِنعام: ’’آلِ فرعون کی غرقابی اور بنی اسرائیل کی حیرت انگیز حفاظت‘‘

فرعون اور اس کا لاؤ لشکر، بنی اسرائیلیوں کے قریب پہنچ چکا تھا (واقعے کی تفصیل آگے آئے گی) ہم نے بحرِ قلزم (غالباً بحیرۂ اَحمر ’’Red Sea‘‘ اور نہرِ سویز کا درمیانی علاقہ) میں بنی اسرائیل کے لیے راستے بنا دیے، یہ بحفاظت سمندر پار کر گئے جب کہ ان کے دشمن کو ہم نے ان کے سامنے پانی میں غرق کر دیا۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

۳-تیسرا اِنعام: ''بچھڑے کی عبادت جیسے شرک کے باوجود محض اپنے فضل وکرم سے معافی دے دی''

فرعون کی غرقابی کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو موسیٰ بن ظفر (سامری) نامی ایک شخص نے بچھڑا بنایا اور قوم سے کہا کہ یہی بچھڑا ہی تمہارا حقیقی اور اصل خدا ہے، اسی کی پوجا پاٹ کرو۔ موسیٰ پتہ نہیں کس خدا کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں! اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے اتنے بڑے جرم اور شرک کو معاف کیا اور فرمایا کہ یہ معاف کرنا ہمارا بڑا انعام تھا تاکہ تم ربّ تعالیٰ کا شکر کرو۔ (واقعے کی تفصیل سورتِ اَعراف اور سورتِ طٰہٰ میں بیان ہوگی۔ اِن شاء اللہ)۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

۴-چوتھا اِنعام: ''تورات جیسی عظیم الشان کتاب کا عطیہ''

فرمایا کہ ہم نے تمہاری ہدایت کے لیے تورات جیسی کتاب عطا کی اور حق وباطل میں فرق کرنے کا معیار (خود تورات اور اس میں موجود اَحکامات یا پھر حضرت موسیٰ کو عطا کردہ معجزات) دیا تاکہ تم راہِ راست پر رہو، بھٹک کر گمراہ نہ ہو جاؤ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

۵-پانچواں اِنعام: ''شرک جیسے گناہ کی دُنیا میں ہی سزا دے کر تمہیں پاک صاف کر دیا گیا''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اُصولی بات کی تھی کہ تم لوگوں نے ربّ تعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ تمہارے اس شرک کی توبہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے شرک نہیں کیا، وہ شرک کرنے والوں کو قتل کریں گے، اس طرح اللہ نے تم پر رحم کیا اور تمہاری توبہ قبول کر کے تمہیں شرک کے اُخروی عذاب سے نجات دی اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حق دار بن گئے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

۶-چھٹا اِنعام: ''گستاخ ایسے کہ مار دیے جانے کے لائق تھے، لیکن ہم نے پھر بھی زندگی بخشی''

یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ جو ہمارے پاس تورات کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے احکامات لائے ہیں، ہمیں کیا پتہ کہ یہ حقیقت میں اللہ کے احکامات ہیں بھی سہی یا نہیں؟ ہم تو اللہ کو تبھی مانیں گے جب ہم اللہ کو خود اپنی

آنکھوں سے دیکھ لیں، اس گستاخی پر اللہ کی طرف سے ان پر ایک بجلی کڑکی جس سے یہ سب ہلاک ہو گئے (عند البعض بے ہوش ہوئے) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے اللہ نے انہیں دوبارہ زندگی عطا کی تا کہ اللہ کے احسانات کو تسلیم کریں اور شکر ادا کریں۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

۷۔ساتواں اِنعام: ’’تمہاری نافرمانی کے باوجود ہم نے صحرا میں سایہ اور اعلیٰ خوراک مہیا کی‘‘

جب بنی اسرائیل نے جہاد کے خدائی حکم سے منہ موڑا تو سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں صحرائے سینا (وادیٔ تیہ) میں قید کر دیا، لیکن اس سزا کے باوجود خدا تعالیٰ کی مہربانی یہ تھی کہ صحرائی تپش سے بچنے کے لیے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور غذائی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہم نے تمہیں ’’مَنّ‘‘ (تر نجبین قسم کا پھل) اور ’’سَلْویٰ‘‘ (بٹیر) عطا کیے۔

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝

۸۔آٹھواں اِنعام: ’’تمہارے پینے کے لیے پانی کا انتظام بھی نہایت عمدہ کیا گیا‘‘

فرمایا کہ وادیٔ تیہ میں جب تم حیران و سرگرداں پھر رہے تھے اور تمہارے پاس پینے کے لیے پانی نہیں تھا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو، انہوں نے اپنا عصا پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے، اس لیے بارہ ہی قبیلے تھے، ہر قبیلہ کو پانی کا اپنا علیحدہ چشمہ اور گھاٹ مل گیا تا کہ کوئی اُلجھن پیدا نہ ہو۔

یہ آٹھ انعامات اللہ نے بنی اسرائیل پر کیے تھے، لیکن یہ لوگ ناقدرے نکلے اور اس طرح اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کیا۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

نافرمانیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب

اللہ تعالیٰ نے ان کی مسلسل نافرمانیوں اور ناشکریوں کی وجہ سے پھر انہیں دو عذابوں میں مبتلا کیا، پہلا عذاب ان پر یہ آیا کہ جب یہ لوگ مسلسل ’’مَنّ و سلویٰ‘‘ استعمال کرتے ہوئے اُکتا گئے تو کہنے لگے کہ اب ہم زمین کی سبزیاں استعمال

کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کی اور ان سے فرمایا کہ سامنے ایک شہر (راجح قول کے مطابق بیت المقدس ہے۔ "أصح القولين أن هذه البلدة هي بيت المقدس" تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۷۳) ہے، وہاں چلے جاؤ، داخل ہوتے وقت عاجزی سے، جھکتے ہوئے اور اپنے گناہوں پر ندامت کرتے ہوئے اس طرح داخل ہو کہ زبان سے "حِطَّةٌ" (ہمارے گناہ معاف فرما) کہتے جانا، وہاں جا کر اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا استعمال کرنا چاہو، ملے گی۔

لیکن یہ ناقدرے لوگ، اپنی عادتِ بد سے پھر بھی باز نہیں آئے۔ بے ادبی کرتے ہوئے، لغویات بکتے ہوئے گئے، جھکنے کے بجائے، سُرینوں کے بل اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے اور "حنطة" (گندم) جیسا مہمل کلمہ کہتے ہوئے گئے، اللہ نے اس کے نتیجے میں ان پر طاعون کی وبا نازل فرمائی جس کی وجہ سے بعض مفسرین کے بقول ان کے ستر ہزار لوگ ہلاک ہو گئے، یہ طاعون عذاب بن کر ان پر اترا تھا۔

"کرونا وائرس" کی حقیقت

یہ کورونا وائرس بھی طاعون کی طرح کی ایک مصیبت ہے، اور سورۂ بقرہ ہمیں بتا رہی ہے کہ اس طرح کی مصیبتیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی شکلیں ہوا کرتی ہیں، آج کل عجیب باتیں سُننے کو ملتی ہیں کہ "ہم کرونا کو ناکام کریں گے، شکست دیں گے، ڈرنا نہیں، لڑنا ہے" ارے میاں! اللہ کے عذاب کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، اس کا حل صرف یہی ہے کہ اللہ کے حضور توبہ کرو، استغفار کرو!، یوں کہو کہ ہم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر اس مصیبت کو اللہ سے رُکوائیں گے۔ سورتِ بقرہ اور رمضان کا یہ پہلا دِن ہمیں سبق دے رہا ہے کہ اگر کورونا اور اس جیسی آفات سے بچنا ہے تو پھر اللہ کی نافرمانیاں چھوڑ دو۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا
وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا
فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا
يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

"بنی اسرائیل" کو خدائی میزبانی بھی پسند نہ آئی

وادیٔ تیہ میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے لیے آسمان سے کھانا اُتارتے رہے، مَن اور سلویٰ آتا رہا، جس سے وہ معاشی طور پر بے فکر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اُنہیں اس لیے دی تھی تا کہ فکرِ معاش سے فارغ ہو کر جہاد کی تیاری کریں، غلامانہ زندگی سے آزادی کی جدّ وجہد کریں، لیکن یہ لوگ ناشکری کرتے ہوئے کہنے لگے: "لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ" نہیں جی! ہم ہر وقت ایک جیسا کھانا نہیں کھا سکتے، ہم خود کاشت کر کے سبزیاں کھائیں گے، پیاز کھائیں گے، لہسن کھائیں گے، مسور کی دال کھائیں گے، ساگ اور سبزی کھائیں گے۔ ہمیں ہر وقت ایک ہی جیسی خوراک استعمال کرنا پسند نہیں۔

مشقّت کا عذاب

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس احمقانہ مطالبہ پر ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے، اگر تمہیں یہی پسند ہے تو ایسا ہی سہی، ''اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ'' شہر میں جاؤ، وہاں کی خاک چھانو، کاشت کاری کرو، بیل، ہل، بیلچہ سب تیار کرو، یہ خاک چھاننا اور کھیتی باڑی کے آلات سے کام لینا مشقّت اور ذِلّت کا ذریعہ ہوتا ہے، چنانچہ ان پر ذِلّت و مسکنت کا عذاب مسلط کر دیا گیا، ذِلّت دوسروں کی نظر میں اور مسکنت اپنی نظر میں ہوتی ہے، اس کے ساتھ خدا کا عذاب بھی ان پر تھوپ دیا گیا، یہ سب کچھ آیاتِ خداوندی کے انکار اور قتلِ انبیاء کے سبب ان پر مسلط ہوا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

''قانونِ نجات'' سب کے لیے ایک ہے

اس نوع کا تمہ اس آیت میں ''قانونِ نجات'' کی شکل میں بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اہلِ ایمان ہیں اور یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں میں سے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے گا، انہیں ربّ کی جانب سے اجر ملے گا، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کسی غم کا شکار ہوں گے۔

دراصل یہ قانون اس تناظر میں ذکر کیا گیا کہ یہود اپنے آپ کو۔العیاذ باللہ۔اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب گردانتے، خود کو اولادِ انبیاء اور صاحبزادے سمجھ کر بزعمِ خود جنّتی قرار دیتے اور کہتے: ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً'' (البقرۃ:۸۰) اوّل تو ہم تو دوزخ میں جائیں گے ہی نہیں، اگر بالفرض گئے بھی تو محض چند روز کے لیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے رَدّ میں فرمایا کہ میرا قانون سب کے لیے ایک ہے، مدارِ نجات ''ایمان اور عملِ صالح'' ہے، یہی قانون اپنے آپ کو مومن کہنے والوں کے لیے ہے اور یہی قانون یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں (ستارہ پرست) سب کے لیے ہے، کسی کو یہ گھمنڈ نہیں رہنا چاہیے کہ ہم اللہ کے مقرّب ہیں تو ہم مفت میں جنّت کے حق دار ہیں، یہاں اعمال کی بناء پر فیصلے ہوں گے۔

کامیابی چاہیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان لانا ضروری ہے

مذکورہ بالا آیت میں ایمانیات میں سے صرف اول و آخر یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا ذکر ہے، لیکن مُراد جملہ ایمانیات ہیں، یعنی مدارِ نجات، تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ، اللہ کے نبی و رسول جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و ختمِ نبوّت پر ایمان، فرشتوں اور کتابوں پر ایمان وغیرہ سب اس میں شامل ہے۔

اس دور کے بعض ملحدین کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں، اس لیے یہودی، عیسائی وغیرہ سب جنّتی ہو سکتے ہیں، یہ بات جہالت پر مبنی اور دین کی روح سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

قرآنِ کریم کی سورۃ النساء میں ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ (النساء: ۱۵۰-۱۵۲)

''یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ایمان لانے میں تفریق کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، نبیوں پر ایمان نہیں لاتے یا کچھ انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور بقیہ کی تکذیب کرتے ہیں، وہ پکے کافر ہیں۔ نجات کے لیے سب پر ایمان لانا لازم ہے۔''

لہٰذا آج کل کے زمانے میں بعض لوگوں کا یہ دھوکا دینا کہ خاتم النبیین حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نجات ہو جائے گی، نصوصِ قطعیہ کے بالکل برعکس بات ہے۔ ایمان بالرسل کے بغیر نہ ایمان معتبر ہے اور نہ ہی نجات کی اُمید۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ۝

''بنی اسرائیل'' کی دوسری قسم کا بیان

آیت نمبر ۶۳ سے لے کر آیت نمبر ۷۴ تک بنی اسرائیل کی دوسری نوع کا تذکرہ ہوا ہے اور اس میں اس نوع کی تین نالائقیوں کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ اُحکامِ خداوندی سے اِعراض کرنا۔

۲۔ حیلہ سازی اور بہانے بنانا۔

۳۔ بے جا تعمق اور گہرائی، بال کی کھال اُتارنا۔

۱۔ اَحکامِ خداوندی سے اِعراض

بنی اسرائیل نے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کتاب کا مطالبہ کیا، جب تورات عطا کر دی گئی تو پہلے تو اس میں شک کرنے لگے کہ یہ واقعۃً اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے بھی سہی یا نہیں؟ ستر آدمی تورات کی تصدیق کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور گئے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے یقین ہو جانے کے بعد قوم کو آکر یہ تو بتایا کہ واقعی یہ اللہ کی طرف سے ہے لیکن اپنی طرف سے یہ بات بھی بڑھا دی کہ اللہ نے گنجائش دی ہے کہ جس قدر اس کتاب پر عمل ہو سکے کر لینا، بقیہ معاف

ہے۔ اس طرح وہ من چاہے احکام پر عمل کرنے لگے اور بقیہ احکام کو خدائی رعایت پر محمول کر کے گویا عملاً کتاب اللہ سے اعراض کرنے لگے، یہ انکار گویا ارتداد ہی تھا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے بطورِ سزا ان کے سروں پر کوہِ طور کو بلند کر دیا کہ تورات کے سبھی احکام کو تسلیم کرو، نہیں تو پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا، جب اس قوم نے اطاعت اور کتاب پر عمل کا عہد کیا تب کوہِ طور ان سے ہٹا لیا گیا۔ لیکن یہ لوگ پھر سے عہد شکن بن گئے۔

نوٹ:- کوہِ طور بُلند کرنے کی صورت یہ بھی ممکن ہے کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُٹھا کر عملاً ان کے سروں پر لایا گیا ہو، قدرتِ خداوندی سے یہ ہرگز بعید نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہاڑ کو زور زور سے اس طرح ہلایا گیا ہو جس سے قوم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ پہاڑ ہم پر گر ہی نہ پڑے۔ سورۃ الاعراف کی یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے:

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ (الأعراف:۱۷۱) واللہ أعلم بحقیقۃ الحال

نیز پہاڑ بُلند کرنے کا مطلب انہیں زبردستی مومن بنانا نہیں تھا، یہ جائز نہیں ہے۔ بلکہ پہاڑ بُلند کرنے کا مقصد بنی اسرائیل کو ایمان لانے کے بعد اُن کی نافرمانیوں پر سزا دینا تھی جو بلاشبہ درست ہے۔ نیز قانون کا پابند بنانے کے لیے ایسی سختی کی گئی۔

خلاصہ یہ کہ کسی کو جبراً مذہب تبدیل نہیں کرایا جا سکتا، لیکن بخوشی مذہب اختیار کرنے والے کے لیے اس مذہب کے قوانین پر عمل کرنے کے لیے سختی نہ صرف جائز ہے، بلکہ ضروری ہے۔ جیسے ہر ملک اپنے شہریوں کو قانون کا پابند بناتا ہے، بصورتِ دیگر سزا دی جاتی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ۝ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۝

۲- حیلہ سازی اور بہانے بازی کی عادت

غالباً حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے، اللہ ربّ العزّت نے یہودیوں کی عبادت کے لیے ہفتے کا دِن مقرر فرمایا تھا، اور اس دِن دیگر معاشی سرگرمیاں اختیار کرنے پر پابندی لگا دی تھی۔ فرمایا کہ ہفتہ کے دن تم نے شکار نہیں کرنا، مچھلی نہیں پکڑنی، جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، وہ کسی سمندر کنارے آباد تھے جن کا ذریعہ معاش ہی عموماً ماہی گیری ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے حیلوں کے ذریعے مچھلی کا شکار شروع کر دیا، اللہ کی طرف سے امتحان یہ تھا کہ پورا ہفتہ مچھلیاں نظر نہیں آتی تھیں، لیکن ہفتہ کے دن مچھلیاں وافر اور صاف تیرتی دکھائی دیتیں، تو یہ لوگ حیلہ یوں کرتے کہ ہفتہ کو براہِ راست مچھلی پکڑنے

کے بجائے دریا اور سمندر سے نالیوں کے ذریعے اپنے تالابوں میں پانی لاتے، مچھلیاں ان نالیوں کے ذریعے سے تالابوں میں آجاتیں، اتوار کو یہ لوگ جاتے اور اپنے تالابوں سے وہ مچھلیاں پکڑ لیتے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کو حیلے بہانوں سے توڑنے اور باطل کرنے والوں کا عبرتناک انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر بنا دیا، یوں ان کی پوری ایک قوم ہلاک ہوگئی، ایک قوم نے انہیں منع بھی کیا اور خود بھی اس کام سے اجتناب کیا تو وہ بچ گئی اور ایک قوم اس طرح عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئی۔ جبکہ تیسری قوم جو نہ تو مبتلائے گناہ ہوئی اور نہ ہی دوسروں کو منع کیا، ان سے متعلق قرآن خاموش ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۚ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

۳- خدائی اَحکام میں بے جا سوالات اور قیل وقال کرنا

بنی اسرائیل کی تیسری نالائقی یہ تھی کہ ان میں ایک آدمی قتل ہوگیا، جس کا قصہ تاریخی روایات میں یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں "عامیل" نامی ایک بے اولاد آدمی تھا، دولت اس کے پاس بڑی تھی، لیکن تھا بخیل، اس کا ایک بھتیجا تھا جو بہت غریب اور محتاج تھا، بھتیجا اس انتظار میں تھا کہ میرا چچا مرے اور مجھے کچھ جائیداد ملے، اللہ نے اس کی زندگی لمبی کر دی تو بھتیجے نے لالچ میں آکر اپنے چچا کو قتل کیا اور مظلوم بن کر روتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوا کہ میں لٹ گیا، میں مر گیا، میرا چچا قتل ہوگیا۔

"عالم الغیب" صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے!

اب دیکھو عالم الغیب اللہ کی ذات ہوتی ہے، نبی بھی غیب دان نہیں ہوتے، موسیٰ علیہ السلام کو نہیں پتہ چلا کہ اس شخص کا قاتل کون ہے؟ بہرکیف! جن لوگوں پر اس بھتیجے نے قتل کا الزام لگایا تھا، انہوں نے عرض کی کہ اے موسیٰ! مقتول کی دِیت ادا کرنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں، لیکن ہمیں بلاوجہ قاتل سمجھا جا رہا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ ہمیں اس شخص کا حقیقی قاتل بتادیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌ
بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝

قاتل کی تلاش کا طریقہ بھی درحقیقت امتحان ہی تھا

حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا: جاؤ ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اس میّت کو

لگا دو، اللہ میت کو زندہ کریں گے، وہ میت خود بتائے گی کہ اس کو کس نے قتل کیا۔ سیدھا سادہ مسئلہ تھا، گائے ذبح کرتے، عمل کرتے، قاتل کا پتہ چل جاتا، لیکن انہوں نے کیا کیا؟

بنی اسرائیل کا ''خودساختہ'' تقویٰ

پہلے تو کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ''اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ'' آپ نبی ہو کر ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں! کیا اس طرح سے بھی کبھی قاتل کا پتہ لگتا ہے! موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نعوذ باللہ! میں مذاق نہیں کر رہا، مذاق میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت بہت بڑی جہالت ہے، اللہ کی پناہ اگر میں ایسی نادانی کا کام کروں۔

جانور کی تعیین میں بلاوجہ کھود کُرید اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جوابات

پھر کہنے لگے: ''ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ'' اچھا! ذرا اللہ سے یہ تو پوچھو کہ وہ گائے جو ذبح کرنی ہے، وہ کیسی ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ وہ گائے ایسی ہو کہ ''لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ'' نہ زیادہ بوڑھی ہو اور نہ جوان ہو، درمیانی عمر کی ہو، جو تمہیں حکم دیا گیا ہے، بس اسے پورا کرو۔ پھر کہنے لگے کہ ''ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ'' اب اس گائے کا رنگ بھی اللہ سے پوچھ کر بتاؤ، اللہ نے رنگ بھی بتادیا کہ ''اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾'' تیز زرد رنگ ہو جو خوش کُن ہو، پھر کہنے لگے کہ اس گائے کے اوصاف بھی اللہ سے پوچھ کر بتاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ وہ گائے بے عیب ہو، اس سے کوئی کام وغیرہ بھی نہ لیا گیا ہو۔

الغرض! ایک گائے ذبح کرنے کا حکم مطلق تھا، کوئی سی بھی گائے ذبح کر دیتے، حکم پورا ہو جاتا، لیکن ان کی بلاوجہ کی کھود کُرید کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سختیاں آتی چلی گئیں، نتیجہ یہ نکلا کہ گائے کی تعیین میں اتنی سختی ہوگئی کہ اب مطلوبہ عمر اور اوصاف کی حامل گائے کے ڈھونڈنے میں دشواری لگنے لگی۔

اس واقعہ سے یہ سبق دیا گیا کہ بلاوجہ کی اور غیر ضروری تحقیقات میں پڑنا ٹھیک نہیں، جو بات جتنی سادہ ہو، اتنی ہی سادگی میں اس پر عمل کر لینا بہت کافی ہے۔

بہرکیف! مطلوبہ اوصاف کی حامل گائے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک یتیم کے گھر میں پہنچے، اس کا باپ فوت ہو گیا تھا اور یہ بچہ اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا، اس بچے کے پاس وہ گائے تھی جس میں وہ ساری خوبیاں پائی جاتی تھیں، جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بتلائی تھیں۔

انہوں نے اس بچے سے کہا کہ یہ گائے ہمیں دے دو، ہم نے ذبح کرنی ہے، اس نے کہا کہ میں نہیں بیچتا، وہ قیمت بڑھاتے گئے، بڑھاتے گئے، پیشکش دیتے گئے، پیشکش پر پیشکش، آخری پیشکش یہ دی کہ یہ گائے ہمیں دے دو ہم اسے ذبح کریں گے، اس کا چمڑا اُتاریں گے، اس کے چمڑے میں جتنا سونا آئے گا، وہ سب سونا ہم آپ کو اس گائے کی قیمت کے طور پر دے دیں گے، اس نے کہا چلو ٹھیک ہے، اللہ نے اس بچہ کو بھی ماں کی فرمانبرداری کا بدلہ دینا تھا، رزق دینا تھا، اب یہ گائے

انہوں نے ذبح کی، اللہ فرماتے ہیں کہ گائے تو انہوں نے ذبح کر دی اور اللہ نے میت کو بھی زندہ کر دیا اور اس نے بتلا دیا کہ میرا قاتل فلاں ہے، لیکن خدائی احکام میں بے جا باریکیاں نکالنے اور بلا وجہ حیلے بہانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دل سخت ہو گئے، پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝

جمادات میں بھی ایک حد تک "شعور" ہوتا ہے

فرمایا کہ پتھروں کی کئی اقسام ہوتی ہیں، کچھ پتھروں سے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں، جیسا کہ بنی اسرائیل نے خود وادیٔ تیہ میں مشاہدہ بھی کیا، کچھ پتھروں کے پھٹنے سے چشمے تو نہیں نکلتے لیکن پانی کے سوتے اور معمولی مقدار ظاہر ہو جاتی ہے، کچھ پتھر ربّ تعالیٰ کی خشیت میں اپنی جگہ سے لڑھک بھی جاتے ہیں، لیکن یہ بنی اسرائیلی اس قدر سخت دل ہیں کہ جس خدا کی خشیت، پتھروں کو متاثر کرتی ہے، اس کے احکام ان کے دِلوں پر اثر نہیں کرتے، یہ لوگ پتھروں سے بھی زیادہ سخت دِل ہو چکے ہیں۔

ان آیات میں جس طرح بنی اسرائیل کی سنگ دِلی بتائی گئی ہے، اسی طرح یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ پتھروں اور جمادات میں بھی ایک گونہ شعور اور احساس ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورتِ مریم میں اسی کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ "تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۝" (مریم:۹۰،۹۱) آج کی سائنس بھی اب اس بات کو آہستہ آہستہ تسلیم کر رہی ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۝ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ۝ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝

یہود کی پانچ گمراہ جماعتیں

مذکورہ بالا پانچ قرآنی آیات میں یہود کی پانچ جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱.....محرّفین۔

۲.....منافقین۔

۳.....جاہل مُرید۔

۴.....مفترین علی اللہ (اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے)۔

۵.....صاحبزادگان۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان یہود سے ایمان کی امید لگائے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کے حالات تو یہ ہیں کہ:

۱.....ان کی ایک جماعت اللہ کے کلام یعنی تورات کو سُن کر اور سمجھ کر بھی جانتے بوجھتے اس میں تحریف کرتی ہے، اس کے الفاظ و معانی تک بدل دیتی ہے۔

۲.....ایک جماعت کا یہ عالم ہے کہ وہ منافق ہیں، دورُخی پالیسی اپناتے ہیں، اہل ایمان سے ملاقات میں کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں سے جا کر کہتے ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تورات میں جو خبریں آئی ہیں، انہیں کسی پر ظاہر نہ کرنا، کہیں لوگ تمہارے خلاف ہو کر تم پر حجت قائم کرنے نہ لگ جائیں۔ حالانکہ ان بیوقوفوں کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ مسلمانوں سے یہ حقائق چھپا لینے سے اللہ تعالیٰ کے یہاں تو حقائق نہیں چھپ سکتے، قیامت کے دن پیغمبروں کی تکذیب کے ساتھ ساتھ حقائق چھپانے کی گرفت الگ ہوگی۔

۳.....ان کی ایک جماعت ان پڑھ لوگوں کی ہے، جو کتاب اللہ کا ذرا بھی علم نہیں رکھتے، بس اپنے "علمائے سوء" کے کہنے پر امیدوں، آرزوؤں اور گمانوں پر مطمئن ہیں کہ ہم خدا کے پیارے نبیوں کی اولاد ہیں، ہم دوزخ میں نہیں جا سکتے، یہی حال آج کل بہت سے جاہلوں کا ہے۔

۴.....ان میں ایسے بد بخت لوگ بھی ہیں جو "دین فروش" ہیں۔ اپنے ہاتھ سے من گھڑت مسائل لکھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول دیتے ہیں کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اس طرح یہ لوگوں سے مال و نذرانے بٹورتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت ہے، جن کے ہاتھ غلط مسائل لکھتے ہیں اور ان کی کمائی پر بھی ہلاکت و خرابی ہے۔ دین فروشی پر جتنی بھی رقم لے لی جائے آخرت کے مقابلے میں یہ ثمنِ قلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں پوری دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔

۵.....یہ لوگ یہ نظریہ اور سوچ بھی رکھتے ہیں کہ ہم بڑوں کی اولاد ہیں، امیر زادے، نبی زادے اور صاحبزادگان ہیں، لہٰذا ہمیں تو دوزخ کی آگ مس نہیں کرے گی، اگر دوزخ گئے بھی تو بس چند دن، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم سے اللہ نے اس کا عہد و پیمان کر رکھا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ بول رہے ہو!

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

آخرت میں ذات اور نسب نہیں، اعمال کام آئیں گے

فرمایا کہ یہودیوں کے قائم کردہ خود ساختہ نظریات کی قطعاً کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان اور عملِ صالح ہی مدارِ نجات ہے۔ اگر کوئی شخص بدعمل یا بدعقیدہ ہے تو محض ذات پات اور حسب نسب اسے کبھی بھی ربّ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔ اس لیے محض خاندانوں اور قومیت کے غرور میں مبتلا ہو کر عقیدے اور عمل کی اصلاح نہ کرنا بہت بڑا شیطانی دھوکا ہے۔ اس فتنہ سے بچ کر رہو۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْـنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۗءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

بنی اسرائیل کی تیسری نوع

مذکورہ بالا آیات میں بنی اسرائیل کی تیسری نوع کا بیان ہے، اس نوع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود بنی اسرائیل کی عہد شکنیوں کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ:

۱...... ''لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ'' شرک نہیں کرو گے۔

۲...... ''وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا'' والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو گے۔

۳...... ''وَذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ'' رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو گے۔

۴...... ''وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْـنًا'' لوگوں سے اچھے اخلاق سے بات کرو گے۔

۵...... ''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' نماز قائم کرو گے۔

۶...... ''وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' زکوٰۃ دو گے۔

لیکن ان میں سے اکثر نے اس عہد و پیمان سے اعرض کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ بھی عہد لیا تھا کہ:

۱...... ''لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۗءَكُمْ'' آپس میں خون ریزی اور باہمی خانہ جنگی نہیں کرو گے۔

۲...... ''وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ'' ایک دوسرے کو جلاوطن نہیں کرو گے۔

۳...... ''وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْھُمْ'' اگر تم میں سے کوئی اسیر ہو جائے تو اسے رہائی دلاؤ گے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ
وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ
اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

مدینہ میں آباد یہودی قبائل اور ان کی عہد شکنی

مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے:

الف:۔بنوقریظہ ب:۔بنونضیر ج:۔بنوقینقاع

ان میں سے بنونضیر، مقامی مشرک قبیلہ خزرج کے جبکہ بنوقریظہ، قبیلہ اوس کے حلیف تھے، اوس وخزرج کی باہمی جنگوں میں یہ لوگ بھی اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ ایک دوسرے کے مدِّ مقابل آتے اور جہاں دوسرے لوگ مارے جاتے، کچھ یہودی بھی ساتھ مارے جاتے اور جلاوطنی پر مجبور ہوتے، اس طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد میں سے درجِ ذیل دو عہدوں کی خلاف ورزی کرتے کہ:

۱......ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے۔

۲......ایک دوسرے کو جلاوطن بھی کرتے۔

لیکن اگر کوئی یہودی گرفتار ہو جاتا تو فدیہ دے کر رہائی دلاتے اور کہتے ''ہمیں تورات نے یہ حکم دیا ہے اگر کوئی یہودی دشمن کی قید میں چلا جائے تو اسے چھڑائیں''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس تورات نے تمہیں یہ حکم دیا کہ قیدیوں کو چھڑاؤ، اسی تورات نے تمہیں ایک دوسرے کو قتل کرنے اور جلاوطن کرنے سے بھی تو منع کیا تھا! کتاب اللہ کے کچھ حصے کو مانتے ہو اور کچھ کی تکذیب کرتے ہو!

اس عہد شکنی پر دُنیا وآخرت میں گرفت مقدر ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝''

اللہ تمہاری بدعہدیوں سے ہرگز غافل نہیں ہے۔ ایسے بدعہد لوگوں کے لیے دُنیا کی رسوائی مقدر ہے اور آخرت میں سخت ترین عذاب کی طرف ایسے لوگوں کو بھیجا جائے گا۔ ان لوگوں نے آخرت کے بدلے دُنیا کو ترجیح دی، اس لیے نہ تو یہ اللہ کے عذاب سے بچ پائیں گے اور نہ ہی ان کی آخرت میں کوئی مدد کی جائے گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝

بنی اسرائیل کی چوتھی نوع

اس آیت میں بنی اسرائیل کی چوتھی نوع کا بیان ہے، جس میں موجودہ بنی اسرائیل کے آباء واجداد کا حضرات انبیائے کرام کے ساتھ سلوک کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تورات کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے بعد لگاتار رسول مبعوث فرمائے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے:

وكانوا إلى زمن عيسى عليه السلام أربعة آلاف، وقيل: سبعين ألفًا وكلهم على شريعته عليه السلام منهم يوشع وشمويل وشمعون. وداود وسليمان وشعياء وارمياء وعزير وحزقيل والياس واليسع ويونس وزكريا ويحيى وغيرهم عليهم الصلاة والسلام۔

(تفسير الألوسي:١/٣٠٠،بترقيم الشاملة)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی واضح معجزات دیے گئے (ان کے اُولوالعزم ہونے یا شریعتِ موسوی سے کچھ مختلف احکام لانے کی وجہ سے ان کا انفرادی تذکرہ کیا گیا۔ واللہ اعلم) جبرئیل علیہ السلام کی نصرت کے ساتھ انہیں مبعوث کیا، لیکن بنی اسرائیل نے تکبّر کرتے ہوئے کچھ انبیاء کو قتل کیا اور کچھ کو جھٹلا دیا، تقریباً ایک سو ستر انبیاء کے مقدس خون سے ان ظالموں نے اپنے ہاتھ رنگین کیے۔

بُرے افعال پر رضامندی بھی خود بُرائی کرنے کی طرح ہے

اگرچہ گزشتہ انبیائے کرام کو قتل، موجودہ یہودیوں کے آباء واجداد نے کیا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ موجودہ یہودی اپنے آباء کے ان مکروہ افعال کو درست اور حق سمجھتے تھے، اس لیے قتل کی نسبت ان کی طرف کردی گئی کہ "فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ" ویسے بھی ان موجودہ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر اپنے آباء کی عادت پورا کرنے کی یقیناً کوشش کی تھی، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان کا یہ فریب کارگر نہ ہوا۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

یہود کا عذرِ لنگ اور اس کا منہ توڑ جواب

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا یہ عذر بیان کیا ہے کہ جب انہیں دینِ اسلام کی دعوت دی جاتی تو وہ مسلمانوں سے طنزاً کہتے کہ بس یوں سمجھ لو کہ ہمارے دلوں پر غلاف اور پردہ ہے۔ ہم سے اسلام قبول کرنے کی امید مت رکھو۔ نیز اس جملہ کا یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ ہمارے دِلوں پر اللہ کی طرف سے حفاظتی غلاف اور پردہ پڑا ہوا ہے، اس لیے کسی اور مذہب کی دعوت اور غلط بات ہم پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ (آسان ترجمہ قرآن:١/٧٧)

اللہ تعالیٰ نے اس عذر اور بہانے کے جواب میں فرمایا کہ یہ حفاظتی غلاف نہیں بلکہ "لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ" اللہ نے ان کے کُفر کی وجہ سے ان پر لعنت اور پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس وجہ سے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝

بنی اسرائیل کی پانچویں نوع اور ان کی تکذیب کا بیان

اس آیت میں بنی اسرائیل کی پانچویں نوع کا بیان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدسلوکی کو بیان فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہیں ہوئی تھی تو یہ یہودی اس انتظار میں تھے کہ آخری پیغمبر آئیں گے اور ہم ان پر ایمان لائیں گے۔ حتیٰ کہ یہ دعائیں کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! جو تو نے نبی آخرالزمان بھیجنا ہے اس کے طفیل ہمیں دُشمنوں پر فتح نصیب فرما، ہمارے دشمنوں پر ہمیں کامیابی عطا کر۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو یہ یہودی صرف اس وجہ سے پیروی کرنے سے رُک گئے کہ آخری پیغمبر، بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل سے کیوں آئے! حالانکہ اس بات سے وہ خوب اچھی طرح واقف تھے کہ یہی آخری پیغمبر ہیں۔

اللہ نے فرمایا: "فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝" اللہ کی ان کافروں پر لعنت ہے، فرمایا یہ جو یہودی ہیں یہ ہر لحاظ سے ناکام ہیں، علمی لحاظ سے بھی اور عملی لحاظ سے بھی یہ ناکام ہوئے اور یہ کسی طریقے سے بھی اس قابل نہیں رہے کہ اللہ کو ان پر اعتماد ہو اور ان کو خلافت ملے۔ نہ یہ از خود کام کرتے ہیں اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۝

حسد، ضد اور کُفر انہیں لے ڈُوبا

فرمایا کہ بنی اسرائیل نے اپنے آپ کو وحیِ اِلٰہی کی تکذیب کرتے ہوئے دُنیوی جاہ و منصب کے عوض فروخت کر دیا، ان کے کذب کی وجہ حسد اور بغض ہے کہ نبوّت بنی اسرائیل سے بنو اسماعیل میں کیوں منتقل ہوئی، خاندانی عصبیت کی وجہ سے یہ حسد اور کُفر کے مرتکب ہوئے اور اسی وجہ سے مستحق عذاب ٹھہرے، نبوّت تو فضلِ خداوندی ہے، اللہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۤ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝

''تورات'' پر عمل کا دعویٰ بھی دھوکا ہے

فرمایا کہ جب یہودیوں کو قرآن کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو بس اسی کلام پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا، یعنی کہ تورات، اس کے علاوہ ہم کسی کلام کو نہیں مانتے۔

''آئینہ جو اُن کو دِکھایا تو بُرا مان گئے''

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بے ہودہ دعویٰ کو تین طرح سے باطل قرار دیا:

١۔ فرمایا: ''وَهُوَ الْحَقُّ'' جب تورات کے علاوہ بقیہ کُتب کا ''منزل من اللہ'' ہونا دلیلِ قطعی سے ثابت اور برحق ہے تو پھر ان کے انکار کرنے کی وجہ کیا ہے!

٢۔ ''مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ'' قُرآنِ مجید اور دیگر سماوی کُتب، تورات کی تصدیق کرتی ہیں۔ اب اگر تم تصدیق کرنے والی کُتب ہی کی تکذیب کرتے ہو تو درحقیقت تم ''تورات'' کی تکذیب کرتے ہو۔

٣۔ فرمایا کہ ''فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' درحقیقت تم لوگ ''تورات'' کو مانتے ہی نہیں ہو۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہ السلام کا قتل تو تمام کتبِ سماویہ کے لحاظ سے جُرم ہے۔ اگر تم تورات کو مانتے ہوتے تو سابقہ انبیاء کا قتلِ عام نہ کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لائے گئے معجزات کا انکار نہ کرتے اور خدائے واحد کو چھوڑ کر بچھڑے کی عبادت جیسے شرک میں مبتلا نہ ہوتے۔ کیا یہی ایمان ہے اور کیا ایمان نے یہی تمہیں سکھایا ہے! حقیقت یہ ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ ''تورات'' کی جھوٹی آڑ لے کر، اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۝

''یہود'' کے ''مُقرّب اور جنّتی'' ہونے کی قلعی بھی کھول دی جاتی ہے

فرمایا کہ یہودی جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور آخرت میں جنّت کا مستحق سمجھتے ہیں، اگر اُن کے اس دعویٰ میں ذرا بھی حقیقت ہے تو انہیں کہیے کہ ''موت کی تمنا کریں''۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے موت کی تمنا کرتے تاکہ مرتے ہی جنّت میں پہنچ جاتے لیکن اللہ فرماتے ہیں کہ ''وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ'' یہ

لوگ مر جائیں گے لیکن موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ کیونکہ انہیں اپنے کرتوتوں کا اچھی طرح علم ہے۔ نہ زبان سے مرنے کا اظہار کریں گے اور نہ ہی دل میں سوچیں گے۔ انہیں ڈر ہے کہ تمنا کرنے سے کہیں موت آ ہی نہ جائے۔ خدائی چیلنج کا جواب دینا ان کے بس میں نہیں ہے۔

جنّت کے اِستحقاق کا دعویٰ اور پھر بھی طولِ عمر کی حرص!

فرمایا کہ "وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا" "اگر مشرکینِ عرب جن کا یومِ آخرت پر ایمان ہی نہیں، وہ اگر دُنیا میں لمبی زندگی کی تمنا کریں تو پھر بھی سمجھ آتا ہے کہ ان کے عقیدے کے مطابق سب کچھ دُنیا ہی ہے، لیکن یہود جو آخرت کے قائل اور خود کو جنّت کا مستحق سمجھتے ہیں، اگر لمبی زندگی کی تمنا کریں تو باعثِ تعجب اور حیرت ہے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ یہودی نہ صرف لمبی عمر کی حرص رکھتے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ہر فرد یہ خواہش رکھتا ہے کہ ہزار ہزار سال زندگی پائے۔ ظاہر ہے کہ لمبی زندگی کسی کو اللہ کی گرفت سے بچا نہیں سکتی۔

ان کی اس حرص سے معلوم ہوا کہ جنّت کے استحقاق بارے ان کا یہ دعویٰ بھی محض باطل ہے۔ حقیقت یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے، اس لیے جہنّم سے بچنے کے لیے یہ یہودی زیادہ سے زیادہ اسی دُنیا میں وقت گزاری کے خواہش مند ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

یہودیوں کی جبریلِ امین سے دشمنی

ان آیات میں یہودیوں کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام پر ایک اعتراض منقول ہے، دراصل انہوں نے اپنی سرداری انا کے زائل ہونے کے خوف سے ایمان قبول نہ کرنے کا یہ بہانہ تراشا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر قرآن کون لاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبرئیل علیہ السلام لاتے ہیں۔ اس پر یہودی کہنے لگے یہ تو ہمارا دشمن ہے، ہمارے بڑوں پر سخت احکام اور عذاب لاتا رہا، اگر میکائیل یا کوئی اور فرشتہ قرآن لاتا تو ہم ضرور مان لیتے۔ اب تو ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

"جبریل دشمنی" پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

اللہ نے پانچ وجوہ سے ان کے لغو اعتراض کا جواب ارشاد فرمایا:

ا...... "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" پہلی بات یہ ہے کہ جبرائیل اپنی طرف سے نہیں، بلکہ اللہ کے حکم سے قرآنِ پاک لے کر آئے ہیں، لہٰذا خواہ مخواہ جبرئیل سے ضد باندھنا فضول ہے۔

۲......"مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ" اس قرآن کی صداقت کی نشانی یہ بھی ہے کہ یہ تورات کی تصدیق کر رہا ہے۔

۳......"وَهُدًى" تیسری بات یہ ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے۔

۴......"وَبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ" چوتھی بات یہ ہے کہ یہ مومنین کے لیے خوشخبری ہے۔

۵......"مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ" پانچویں بات یہ ہے کہ جو اللہ، اس کے رسولوں، اس کے فرشتوں، جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہے، وہ اللہ کا دشمن اور اللہ اُس کا دشمن ہے، لہٰذا جو کچھ جبرئیل لائے ہیں، اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لائے ہیں۔لہٰذا جبرئیل سے دشمنی بھی لغو ہے اور اسی بہانے سے کلام اللہ کی تردید بھی فضول عذر ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

"یہود" عہد شکن قوم ہے

مذکورہ بالا آیات میں یہودیوں کی عہد شکنی بتائی گئی ہے کہ تورات میں یہودیوں سے عہد لیا گیا تھا کہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی ہے، ان میں سے بعض نے تو سرے سے اس عہد ہی کا انکار کر دیا اور بعض نے تورات کے اُس حصے کا عملاً انکار کر دیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نشانیوں کے ساتھ ساتھ اُن پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی تھی۔ان یہودیوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کی، کتاب اللہ کو پسِ پشت ایسے پھینکا جیسے اسے کتاب اللہ سمجھتے اور جانتے ہی نہ ہوں۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۝

یہود کی طرف سے حضراتِ انبیاء علیہم السلام پر بہتان

ان آیات میں یہود کی ایک عظیم حماقت اور بدعملی کو بیان کیا گیا ہے، حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تورات جیسی کتاب عطا فرمائی، جس میں ہدایت، نور اور نظامِ حیات موجود تھا، لیکن ان لوگوں نے کتاب اللہ کو نظر انداز کرتے ہوئے جادو ٹونے کی پیروی شروع کر دی، کیونکہ انہیں شیاطین نے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی محیر العقول سلطنت، جادو کے زور پر چلتی تھی اور حضرت سلیمانؑ خود بھی بڑے جادوگر تھے اور زندگی کے آخر میں دین سے بھی ہٹ گئے

تھے۔معاذ اللہ۔اس لیے یہ لوگ بھی جادو سیکھنے کے دَر پے ہو گئے کہ ہمیں بھی اس طرح عجیب وغریب طاقت حاصل ہو جائے گی۔اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں نہ صرف جادو ٹونے کی مذمت فرمائی بلکہ حضرت سلیمان کی طرف جادو اور شرک وکفر کی نسبت کرنے کی بھی پُرزور نفی فرمائی۔

کتاب اللہ کے مقابلے میں جادو جیسے منحوس عمل کو اختیار کرنا انحطاط فکر وعمل کا آخری نتیجہ ہے،حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب کسی قوم پر انحطاط آتا ہے تو وہ تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے کا سہارا لیتی ہے، یہودی بھی جادو ٹونے میں لگ گئے۔اس سلسلے میں دو حوالے دیے گئے:

ا......سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جنات بھی انسانوں کے ساتھ کام کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان کے تابع کیا ہوا تھا،ان جنات میں سے شیطان قسم کے جنات یہ جادو ٹونا لوگوں کو سکھاتے،خود بھی عمل کرتے اور تاثر یہ دیتے کہ حضرت سلیمان جس کی حکومت انسانوں،جنوں،ہواؤں،پرندوں وغیرہ پر ہے جادو کی وجہ سے ہے،نعوذ باللہ!

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی صفائی دی کہ ''وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا'' حضرت سلیمان ایسا کفریہ عمل نہیں کرتے تھے،وہ تو وقت کے پیغمبر تھے، جبکہ جادو ٹونہ شیطانوں کا عمل تھا۔

۲......ایک زمانے میں پوری دُنیا بالخصوص عراق کے شہر بابل میں جادوگری کا بڑا چرچا تھا،لوگ جادو اور معجزات کو ایک جیسا سمجھنے لگے تھے حتیٰ کہ بعض لوگ ان جادوگروں کو مقدس اور واجب الاتباع سمجھنا شروع ہو گئے تھے اور جادو کو ''کارِ خیر'' سمجھ کر سیکھنے لگے تھے۔

ہاروت وماروت کی آمد کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے ''ہاروت وماروت'' اسی مقصد کے لیے نازل فرمائے کہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت بتا کر حضراتِ انبیاءؑ کے معجزات اور جادو میں فرق سمجھا سکیں تا کہ لوگ شعبدہ بازی اور جادوگری کی اتباع کے بجائے اس خبیث عمل کی حقیقت سے واقف ہوں اور جادو کا توڑ کر سکیں۔نیز اس کے ساتھ ساتھ معجزہ کی عظمت بھی سمجھ پائیں،کسی دھوکے میں مبتلا نہ ہوں۔

چنانچہ یہ فرشتے بابل میں آ کر لوگوں کو پہلے یہ سمجھاتے کہ دیکھو! ہماری آمد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان اور آزمائش ہے کہ کون شخص جادو کے اُصول سیکھ کر خود کو اس کے شر سے بچاتا ہے اور کون اس شر کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔اس لیے اچھی نیت اور مقصد سے جادو کی معلومات لینا۔ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ وہ فرشتے لوگوں کی خیر خواہی اور کر ہی کیا سکتے تھے۔

جو شخص ان سے خیر کے مقصد سے سیکھنے کا وعدہ کرتا تو وہ اس کے تقاضے پر اُسے جادو کی حقیقت اور اس کے

اصول سکھا دیتے اور مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کے سامنے جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو سکے کہ جادو سبب کا محتاج ہوتا ہے جب کہ معجزہ کسی سبب اور ذریعہ کا محتاج نہیں ہوتا۔اب ان میں سے کچھ لوگ وعدہ خلافی کرتے اور جادو کو مخلوق کی ایذا رسانی کا ذریعہ بنا لیتے جس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جاتی جو فسق و فجور تو تھا ہی، اس کی بعض صورتیں تو کفر تک پہنچ جاتی تھیں۔

لوگوں کی اپنی وعدہ خلافی سے ان پاکباز فرشتوں پر کوئی حرف نہیں آسکتا کیونکہ ان کی آمد اور جادو کی تعلیم ہی امتحان کے لیے تھی، یہ تو ان کی احتیاط تھی کہ لوگوں کو پہلے سے آزمائش کا بتا بھی دیتے تھے اور صحیح نیت کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ بعد میں اگر کوئی شاگرد نالائق نکلے تو اس سے قابل اور خیر خواہ استاد پر حرف نہیں آیا کرتا۔

جادو کی حقیقت اور حکم

جادو کہتے ہیں کسی شخص پر ایسے طریقے سے اثر ڈالنا جس کا سبب ظاہر نہ ہو۔اس کی کئی صورتیں بن سکتی ہیں تاہم عرفِ عام میں جادو اُسے کہا جاتا ہے جس میں ارواحِ خبیثہ سے مدد مانگی جاتی ہو، خلافِ شرع امور کا ارتکاب کیا جاتا ہو، بعض اوقات کفریہ و شرکیہ کلام پڑھا جاتا ہے تاکہ شیطان کو خوش کر کے اس سے کام لیا جا سکے، اس لیے اہلِ علم نے جادو کو حرام اور اس کی بعض صورتوں کو کفر قرار دیا ہے، احادیثِ مبارکہ میں جادو کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، (جادو سے متعلقہ مسائل واحکام کے لیے معارف القرآن، جلد اوّل، صفحہ: ۲۷۴ تا ۲۸۰، ملاحظہ فرمائیں)۔

جادو کی حقیقت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس کے انکار کا کوئی معنٰی نہیں، قرآن و سنّت سے اس کا وجود ثابت ہے، البتہ جادوگر اور شیاطین و جنات کی قوت، اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے زیادہ نہیں ہے، معوذتین (قرآن کی آخری دو سورتیں) جادو کے علاج کے لیے نازل ہوئیں، آج کل ہر معاملہ اور بیماری کو لوگ جادو اور سحر سمجھ لیتے ہیں، یہ توہم اور خام خیالی ہے۔

''تعویذ'' کا حکم

شریعت میں افضل اور بہتر طریقہ ''جھاڑ پھونک'' ہے یعنی قرآنی آیات اور احادیث میں موجود دعائیں پڑھ کر دم کر دیا جائے، تاہم اگر دُعائیں اور آیات کسی کاغذ پر لکھ کر تعویذ بنا لیا جائے جس کا مقصد جائز ہو، جائز کلام اور جائز طریقے سے ہو، غیر اللہ سے مدد نہ مانگی گئی ہو اور نہ ہی شرکیہ یا مبہم کلمات ہوں، نیز تعویذ کو بھی صرف علاج کا ایک مباح سبب سمجھا جائے، شفاء کا یقینی ذریعہ نہ سمجھا جائے تو تعویذ بھی جائز اور صحابہ کے عمل سے ثابت ہے۔جس حدیث شریف میں ''تمیمہ'' سے منع کیا گیا ہے وہ شرکیہ اور کفریہ اعتقادات والفاظ پر مشتمل ہوتا تھا۔شروحِ حدیث میں اس پر مفصل گفتگو موجود ہے۔

خالی خولی علم بے فائدہ ہے!

فرمایا کہ یہود کو یہ بات خوب معلوم تھی کہ شرکیہ جادو کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں لیکن اس کے باوجود وہ یہ کام کیا کرتے تھے، ایسا علم کس کام کا جس پر عمل ہی نہ ہو۔ کاش کہ وہ علم کی حقیقت اور مقصد کو جان لیتے تو اس کام سے باز آجاتے۔

حاصلِ بحث

یہود کے تفصیلی احوال بیان کرنے کا مقصد واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل کرم نوازیوں اور مہربانیوں کے باوجود ان لوگوں نے کسی طرح بھی اپنے آپ کو ''خلافتِ الٰہیہ'' کا اہل ثابت نہیں کیا، اس لیے اب خلافت بنی اسرائیل سے بنو اسماعیل کی جانب منتقل کی جارہی ہے، لہٰذا اہلِ ایمان ان جملہ خرابیوں اور گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں جو یہود میں پائی جاتی تھیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اپنا تشخص قائم رکھو

ان آیات میں یہ حکم دیا گیا کہ اُمتِ مسلمہ اپنی عبادت اور معاشرت وغیرہ میں اپنا تشخص برقرار رکھے اور یہود ونصاریٰ سے اپنے آپ کو ممتاز رکھے، چنانچہ فرمایا کہ:

گفتگو اور معاشرت میں یہود کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو، اس سے توہین رسول کا بھی اندیشہ ہے۔ یہود غیظ وغضب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''رَاعِنَا'' کا تاثر دے کر ''رَاعِیْنَا'' کہہ جاتے، ''رَاعِنَا'' کا معنی ہے: ''ہماری رعایت کیجیے!'' جبکہ ''رَاعِیْنَا'' کا معنی ''ہمارے چرواہے'' بنتا ہے۔ نیز عبرانی زبان میں اس سے ملتا جلتا لفظ بطورِ گالی بھی استعمال ہوتا تھا، یہود کبھی تو ''راعینا'' کہتے اور کبھی ''راعنا'' کہ کر اپنی عبرانی کا لفظ مراد لیتے تھے۔ اور اس خرابی کی وجہ ان کا صرف یہی حسد تھا کہ نبوّت ''بنی اسماعیل'' میں کیوں چلی گئی! حالانکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں، اس عظیم الشان منصب پر سرفراز فرمادیتے ہیں۔

بہرکیف! ان کی دیکھا دیکھی کچھ مخلص مسلمان بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے وقت ''رَاعِنَا'' کہنے لگے جو اگرچہ مفہوم کے لحاظ سے درست لفظ تھا، لیکن چونکہ اس سے یہود کی شرارت جھلکتی تھی اور تلفظ کے فرق سے غلط مفہوم کا بھی احتمال تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس ذومعنی لفظ کے استعمال سے ہی منع فرمادیا کہ تم لوگ، یہود کی بولی نہ بولو، بلکہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے وقت "اُنْظُرْنَا" کہا کرو یعنی "ہم پر (شفقت کی) نظر فرمایئے!" اس لفظ میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہیں ہیں۔ یہودی "رَاعِنَا" کا لفظ بول کر توہین کے مرتکب اور دھوکا پر خوش ہوتے ہیں، تم ان جیسی گفتگو اور توہین سے بچو۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

نسخ کی مختصر وضاحت

یہ بات سمجھ لی جائے کہ دین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت اور عقیدۂ آخرت ہر دور میں ایک رہے ہیں، ہر پیغمبر نے انہی کی دعوت دی ہے، ان میں کبھی تبدیلی نہیں آئی۔ تاہم امتوں کے حالات اور زمانوں کے فرق سے اللہ تعالیٰ نے عملی اور فروعی احکامات میں تبدیلیاں فرمائی ہیں۔

مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی بہن کا آپس میں نکاح جائز تھا جو بعد کی شریعتوں میں منسوخ ہوگیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو احکامات تھے، حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں اس سے احکامات مختلف تھے۔ اسی طرح شریعتِ محمدی میں بھی ابتدائی زمانہ کے لحاظ سے احکام الگ تھے جو بتدریج تبدیل ہوتے رہے حتیٰ کہ جب شریعت اپنے کمال کو پہنچ گئی تو اعلان ہوا کہ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ" (المائدۃ: ۳) انہی عملی اور فروعی احکام کی وقتی تبدیلیوں کو شریعت میں "نسخ" کہا جاتا ہے جو قطعاً بھی "عیب" نہیں ہے۔

"نسخ" کا اصل مطلب

اس "نسخ" کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پہلے لاعلمی میں ایک حکم دے دیا گیا جسے بعد میں منسوخ کرنا پڑا (یہ تو خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے) بلکہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے جیسے ایک ڈاکٹر، مریض کی موجودہ حالت دیکھ کر ایک نسخہ تجویز کرتا ہے، ڈاکٹر کو پتہ ہوتا ہے کہ اگر مریض یہ نسخہ استعمال کرے گا تو چند دنوں بعد اس کی حالت بہتر ہو جائے گی اور اُس حالت کے مطابق اس کی دوائی تبدیل کرنی ہوگی۔ لیکن وہ ابتداء میں ہی سارا طریقہ علاج نہیں بتا دیتا بلکہ مریض کے حسبِ حال دوائیاں اور نسخے تبدیل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ مریض مکمل صحت یاب ہو جاتا ہے، اُس وقت نسخے تبدیل کرنے کی حاجت بھی نہیں رہتی۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ، لوگوں اور زمانے کے حالات کے مطابق ان فروعی احکامات میں تبدیلیاں پیدا فرماتے رہے جو کہ عینِ حکمت ہے۔ شرعی احکام میں یہی تدریج کا طریقہ ہی ہے جو ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ دینی اَحکام کو کیسے انسانی نفسیات کے مطابق، مزاج کا حصہ بنانا ہے۔

قرآنِ کریم میں "نسخ" کی مثالیں بھی شاید اسی مقصد کے لیے باقی رکھی گئی ہیں تا کہ قیامت تک کے لوگوں کو شرعی

اَحکام میں ''تدریج اور سہولت'' کا پتہ چلتا رہے کہ کیسے حکیم ذات نے لوگوں کے لیے اَحکامات میں نرمی پیدا فرمائی اوران کے
لیے دین پر عمل کوآسان بنایا۔

''نسخ'' کی تعیین میں حضراتِ متقدّمین اور متاخرین کی آرا

حضراتِ متقدمین کے یہاں قُرآنی آیات میں جزوی تبدیلی اور فرق بھی ''نسخ'' کہلاتا ہے، مثلاً اگر پہلے حکم مطلق
تھا، بعد میں مقید حکم آگیا یا پہلے حکم مجمل اور مبہم تھا اور بعد میں مفصل حکم آگیا تو یہ بھی ''نسخ'' کہلائے گا، اس لیے متقدمین کے
نزدیک منسوخ شدہ آیات کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) کے قریب بنتی ہے۔
جب کہ حضراتِ متاخرین صرف انہی آیات کو منسوخ مانتے ہیں جن کی بعد میں نازل ہونے والی آیات کے ساتھ
کسی طرح بھی تطبیق ممکن نہ ہوسکے۔ پھر اس کی تعیین میں کئی اقوال ہیں، بعض کے نزدیک ۲۱، بعض کے نزدیک ۱۹ جب کہ
آخری دَور میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے یہاں صرف پانچ قُرآنی آیات ایسی ہیں جنہیں واقعی ''منسوخ'' کہا جاسکتا ہے۔ (نسخ
کے بارے مزید تفصیل کے لیے معارف القرآن، جلد اوّل، صفحہ: ۲۸۲ تا ۲۸۶، ملاحظہ فرمائیں)۔
بہرکیف! ''نسخ'' کے اوپر غیر مسلموں کا یہ اشکال تھا کہ اگر یہ سب احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو پھر ان
میں یہ تبدیلیاں کیوں ہیں؟ اسی کے جواب میں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق، اور حالات کے تقاضوں کو دیکھتے
ہوئے احکامات نازل فرماتے ہیں اور یہ احکامات ایسے ہوتے ہیں جو موجودہ حالات کے لحاظ سے پہلے والے حکم سے زیادہ
بہتر ہوتے ہیں یا کم سے کم اسی مرتبہ اور مقام کے ہوتے ہیں جیسا پہلے حکم تھا۔
موجودہ زمانے میں بھی مستشرقین، قرآنی متن پر جب اعتراض کرتے ہیں تو عموماً نسخ کی بحث، مصحفِ عثمانی اور صحابہ
کے ذاتی مصاحف (قرات شاذہ) کے درمیان موازنہ اور قراءتِ متواترہ کو لے کر شُبہات پیدا کر کے قُرآن کو تورات وانجیل
کی طرح محرّف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآنِ کریم صرف قرات متواترہ ہی ہے، قراءتِ شاذّہ کا
درجہ تفسیر کا ہوتا ہے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ
سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ښ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ
اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

یہود کی طرح اپنے پیغمبر سے بے جا سوالات نہ کرو

یہ قُرآنی خطاب یہود اور مسلمانوں دونوں سے ہے۔ یہودیوں کو یہ سمجھایا گیا کہ تم لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر

ایمان لانے کی بجائے ان سے طرح طرح کے مطالبے کرتے ہو، یہ طرزِ عمل درست نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی کہا گیا کہ تم یہود کی طرح نہ ہو جانا جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے کے باوجود ان سے طرح طرح کے نامعقول سوالات کرتے رہتے تھے۔ تم نے ایسا ہرگز نہیں کرنا۔

یہود سے خبردار!

ساتھ میں یہ بھی بتایا گیا کہ اہلِ کتاب تمہارے ایمان لانے سے ہرگز راضی نہیں ہیں، ان کی بھرپور کوشش ہے کہ تمہیں کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے پھیر دیں۔ حق واضح ہو جانے کے باوجود بھی یہ بیچارے حسد اور بغض کی آگ میں جل رہے ہیں۔ ان کے ان مکر و فریب کو اللہ پر چھوڑ و اور دینی احکامات کی پیروی کرتے رہو۔ جب اللہ چاہیں گے، ان کے بارے میں احکام (جہاد، جزیہ وغیرہ) نازل فرمائیں گے۔ فی الحال عبادات میں لگے رہو، اس کا تمہیں بہت بہترین اجر ملے گا۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ......الی...... وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

آخر میں یہود سے پانچ شکوے

یہود کے ان شرمناک کارناموں کو واشگاف کرنے کے بعد، اس بحث کو سمیٹتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے یہود سے پانچ شکوے کیے ہیں:

۱...... یہود و نصاریٰ، باہمی ہزار اختلاف کے باوجود، اہلِ اسلام کے خلاف یکجا ہیں، ان کا کہنا ہے کہ "لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى" یہودی صرف اپنی نسل کو جنت کا مستحق سمجھتے ہیں جب کہ عیسائی صرف عیسائیوں کو جنت کا ٹھیکہ دار سمجھتے ہیں۔ جواباً اللہ نے فرمایا یہ تو بس تمہاری خواہش اور تمنا ہی ہو سکتی ہے، اس پر کوئی دلیل ہے تو پیش کرو! جنت میں جانے کا اصل سبب قومیت یا کسی خاص گروہ میں سے ہونا ہرگز نہیں ہے، قانونِ نجات یہ ہے کہ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی (غیر منسوخ احکام میں) فرمانبرداری اخلاص کے ساتھ اور خدائی احکام کے مطابق کرے گا، وہی جنتی ہوگا۔ ظاہر ہے کہ منسوخ احکام اور شریعت پر چپکے رہنا اور نئے پیغمبر کی اتباع نہ کرنا، خواہشِ نفس کی پیروی تو ہو سکتی ہے، خدائی منشاء پر عمل نہیں ہو سکتا۔

۲...... یہود و نصاریٰ اور ان کی دیکھا دیکھی مشرکینِ مکہ بھی اپنی اپنی حقانیت کا نعرہ لگاتے اور دوسروں کے مذہب کی نفی کرتے ہیں، حالانکہ اس کا فیصلہ تو حق تعالیٰ روزِ محشر فرمائیں گے کہ درحقیقت حق مذہب کون سا تھا اور کسے حق سمجھا جاتا رہا۔

۳...... یہود، عیسائی اور مشرکین جو بزعم خود اپنے اپنے عقیدے کو درست اور صرف خود کو ہی جنّت کا حق دار سمجھتے ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی شکل میں خدائی عبادت گاہوں کی بے حُرمتی کی ہے۔ سن چھ ہجری میں مشرکینِ مکہ نے اہل اسلام کو مسجد حرام سے روکا، نیز عیسائیوں کی جانب سے بیت المقدس کی توہین کی گئی، عیسائی حاکم طیطوس نے مسجد اقصیٰ پر حملہ کیا، اس سے پہلے عیسائی گورنر ابرہہ نے بیت اللہ پر حملہ کرنے کی مذموم کوشش کی تھی، یہودیوں نے بھی بیت اللہ کے تقدس کا انکار کرکے گویا لوگوں کو عملاً بیت اللہ سے روکا۔ دعویٰ تو تنہا جنّت کی ملکیت کا ہے اور حالت یہ ہے کہ خدائی عبادت گاہوں کی تباہی اور ویرانی کے درپے ہیں، اس لیے فرمایا: ''وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا'' اس سے بڑا ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو مساجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں رُکاوٹ ڈالے اور مسجدوں کو ویران کرے، حالانکہ مساجد تو وہ مقدّس مقامات ہیں، جہاں ڈرتے ڈرتے اور ادب سے داخل ہونا چاہیے نہ کہ متکبرانہ انداز میں اور ان مقامات کی بے حُرمتی کرتے ہوئے داخلہ ہو۔

اسی دوران یہ بھی واضح فرمادیا کہ ''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ'' کسی خاص سمت عبادت میں کوئی فضیلت نہیں، سب سمتیں اللہ کی ہیں اور اللہ اپنی عبادت کے لیے کسی خاص سمت کا محتاج نہیں۔ بس جدھر رُخ کرنے کا وہ حکم دے دے، بندے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے۔ مقصد صرف اللہ کے حکم کی پیروی ہے، وہ اگر کہے کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے عبادت کرو تو وہی رُخ عبادت کے لیے متعین اور اگر وہ بیت اللہ کی طرف مُنہ کرنے کا کہے تو اسی حکم کی اتباع لازم ہے۔ اصل بات خالق کی پیروی ہے نہ کہ خواہش کی۔

۴...... یہود و نصاریٰ اور مشرکین اللہ تعالیٰ کی اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ کئی وجوہ سے یہ عقیدہ باطل ہے:

الف:...... ''بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ'' آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے، جب ہر چیز کا مالک وہی ہے تو اسے اولاد کی کیا ضرورت! اولاد کی حاجت تو دنیوی امور میں دست و بازو بننے کے لیے پیش آتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہیں۔ نیز اولاد ماں باپ کی ملکیت نہیں ہوتی، جبکہ ساری کائنات حق تعالیٰ کی ملکیت ہے۔

ب:...... ''كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ'' کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا فرماں بردار ہے۔ اسے کسی مددگار اور اولاد کی کیا ضرورت!

ج:...... ''بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ'' اللہ تعالیٰ تو آسمان و زمین کو از سرِ نو پیدا کرنے والا ہے۔

د:...... ''وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ'' تخلیق کی قدرت بھی ایسی ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تو ''کُن'' کہہ کر پیدا کردیتا ہے، تو پھر اسے اولاد اور کسی کی مدد لینے کی کیا ضرورت!

مذکورہ بالا چاروں صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتیں۔ اگر اللہ کی کوئی اولاد ہوتی تو اولاد میں اپنے والد کی کچھ نا کچھ صفات کا عکس دکھائی دینا فطری ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

۵...... جہلاء کہتے ہیں کہ ''لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ'' اللہ تعالیٰ ہم سے خود بات کیوں نہیں کرتا، نیز ہماری کوئی من پسند نشانی کیوں نہیں بھیجتا؟ فرمایا: اس طرح کے جاہلانہ مطالبے پہلے لوگوں نے بھی کیے تھے، لیکن منہ مانگے

معجزات دیے جانے کے باوجود ایمان نہ لائے، جس سے عذابِ خداوندی کا نزول ہوا۔ لہٰذا تم بھی باز آجاؤ، ورنہ تمہارا حشر بھی اُنہی جیسا ہوگا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

یہود و نصاریٰ کی پیروی سراسر نقصان کا سودا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ یہود و نصاریٰ تب تک آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی نہ کر لیں۔ اگر کبھی وہ آپ سے ایسا مطالبہ کریں تو آپ صاف کہہ دیا کریں کہ ہدایت کا حقیقی راستہ وہی ہے جسے اللہ خود تجویز فرمادیں، اور ظاہر ہے کہ اللہ کا تجویز کردہ رستہ اسلام ہے۔ آگے بالفرض والحال یہ فرمایا گیا کہ اے پیغمبر! اگر آپ بھی ان کے منسوخ اور تحریفات سے بھرپور باطل خیالات کی اتباع کرنے لگ گئے تو کوئی بھی آپ کو اللہ کی گرفت سے نہیں بچاسکے گا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے فعل کا صادر ہونا محال تھا تو یہود و نصاریٰ کی اتباع بھی محال ہوئی۔ جب ان کی اتباع محال ہوئی تو یہود و نصاریٰ کا اسلام پر راضی ہونا بھی محال ٹھہرا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہود و نصاریٰ سے کسی قسم کی امید لگانے کا فائدہ کوئی نہیں ہے۔ آپ بس اپنے حصے کا کام خوش اسلوبی سے کرتے رہیے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

تورات پر حقیقی عامل وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاتے ہیں

جس طرح بنی اسرائیل میں سرکش یہودی موجود تھے، اسی طرح کچھ ایسے مخلص لوگ بھی تھے جو کتاب اللہ کو بڑے تدبر سے پڑھنے والے اور اس کے تقاضوں پر عمل کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے، چنانچہ جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوتِ حق ملی تو انہوں نے اسے قبول کرلیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ درحقیقت تورات کو ماننے والے وہی ہیں جنہوں نے تورات کے احکام کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کو قبول کرلیا، باقی تو محض خالی خولی دعویدار ہیں۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْــــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

ان سب واقعات کی یاد دہانی کا مقصد تمہاری ''خیر خواہی'' ہے

بنی اسرائیل پر کی جانے والی خدائی نعمتوں کا ذکر تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ آیت نمبر ۴۷ اور ۴۸ میں ہو چکا ہے،

درمیان میں بنی اسرائیل کے کرتوتوں اور خدائی نافرمانیوں کے تفصیلی تذکرہ کے بعد پھر وہی نصیحت دوہرائی گئی ہے کہ ان سب واقعات اور باتوں کو یاد دِلانے کا مقصد صرف تمہاری خیرخواہی ہے، تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرو، نافرمان بن کر اپنی دُنیا و عاقبت برباد نہ کرو۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

خلافت کا تیسرا نمونہ: ’’سیّدنا ابراہیم علیہ السلام‘‘

بنی اسرائیل کے تفصیلی احوال اور نافرمانیاں بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کامیاب نمونہ ذکر کیا، یہ خلافت کا تیسرا نمونہ ہے۔اس کا ماقبل سے تعلق یوں بھی واضح ہے کہ مشرکین، یہودی اور عیسائی ہر ایک اپنے آپ کو ’’ملّتِ ابراہیمی‘‘ کا پیروکار سمجھتے تھے، اس لیے حضرت ابراہیمؑ کے احوال بیان کیے گئے تاکہ اُنہیں معلوم ہوسکے کہ حضرت ابراہیمؑ کا تم تینوں کے باطل عقائد سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا، ابراہیم توحید پرست تھے اور تم سب توحید بیزار ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کو عقیدۂ توحید کی وجہ سے آگ میں جانا پڑا، گھر چھوڑنا پڑا، ربّ کی خاطر وطن چھوڑا، بیوی اور نومولود بچے کو ویرانے میں تنہا چھوڑنے کا حکم ملا تو بلا تامّل تعمیل کر گزرے، تب اللہ نے انہیں دُنیا بھر کا پیشوا اور امام بنا دیا۔

حضرت ابراہیمؑ ایک متفقہ شخصیت ہیں، یہودی بھی ان کا نام لیتے ہیں، عیسائی بھی خود کو ’’ابراہیمی‘‘ سمجھتے ہیں، مسلمان بھی ان کا نام لیتے ہیں، مشرکین بھی ان کا نام لیتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا، اور فرمایا دیکھو اگر تم اپنی نسبت ’’حضرت ابراہیمؑ‘‘ کی طرف کرتے ہو تو پھر ’’ملّت ابراہیمی‘‘ بھی اختیار کرو، اسلام پر آؤ، پھر اس کعبہ کی بھی مخالفت نہ کرو، ابراہیم بت شکن تھے، تم بھی بت پرست نہ بنو بلکہ ابراہیم کی طرح بُت بیزار اور بت شکن بنو۔

نافرمان لوگ اس عظیم منصب کے اہل نہیں ہیں

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو پیشوائی کا عظیم منصب عطا فرمایا تو انہوں نے اپنی اولاد کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا ’’لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ‘‘ آپ کی جو اولاد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرے گی، وہ اس لائق نہیں ہوگی کہ زمانے بھر کی پیشوائی اور راہ نمائی کا منصب اُن کے حوالے کیا جائے۔ بنی اسرائیل کو صدیوں تک آزمانے کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ لوگ اس عظیم منصب کے ہرگز اہل نہیں ہیں، اس لیے اب نبوت اور پیشوائی کا منصب، حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کی طرف منتقل کیا جارہا ہے۔ امامت کا یہ منصب اب ’’بنی اسماعیل‘‘ میں چلے گا، اس لیے ان کا قبلہ بھی وہی ہوگا جو حضرت اسماعیلؑ اور ان کے عظیم والد حضرت ابراہیمؑ نے مل کر تعمیر کیا تھا۔ اسی مناسبت سے آگے تعمیرِ بیت اللہ کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝

''بیت اللہ'' ہر چیز کو ''امن'' دیتا ہے

فرمایا کہ ہم نے بیت اللہ کو ایسا بنایا جس کی طرف لوگ بار بار لوٹیں، اس میں کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے نہیں دیکھا، وہ بھی مشتاق ہے اور جو دیکھ چکا ہے، اسے بھی کسی پل چین نہیں ہے۔ نیز ہم نے بیت اللہ کو سراپا امن بنا دیا، یہ صرف انسانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ حیوانات اور نباتات کو بھی امن و امان مہیا کرتا ہے، اس لیے ''حدودِ حرم'' میں نہ کسی انسان کو بلا شرعی وجہ کے ستانا جائز ہے اور نہ ہی کسی جانور اور پودے سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی اجازت ہے۔ حرم، سب کے لیے امن کا مقام ہے۔

''مقامِ ابراہیم'' پر نماز اور ''بیت اللہ'' کو پاک صاف رکھنے کا حکم

پھر ہم نے حکم دیا کہ: ''وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى'' جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، اُسے ''مقامِ ابراہیم'' کہتے ہیں، اللہ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب بھی بیت اللہ کا طواف کرو تو اس کے بعد اُس پتھر کے سامنے آ کر قبلہ رُخ ہو جاؤ اور دو رکعت نماز ادا کرو۔ اگر کوئی عذر نہ ہو تو اسی جگہ ہی نماز پڑھنا افضل ہے۔ نیز یہ بھی حکم دیا گیا کہ بیت اللہ کو ہر زائر اور عابد کے لیے پاک صاف رکھا جائے اور زائرین اور عبادت گزار بھی اس کی طہارت کا خاص خیال رکھیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

''بیت اللہ'' کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعائیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی ابتدا ''رَبِّ'' سے فرمائی، یہ بھی دُعا کا ایک سلیقہ ہے اور ربّ تعالیٰ کی رحمت کے متوجہ ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد اس چٹیل میدان کو ''بلد'' اور شہر بنانے کی دُعا کی کہ اسے نہ صرف شہر بنا دیجیے بلکہ اسے ایک پُرامن مقام بھی نصیب فرمایئے۔ یہ شہر قتل و غارت گری، کُفّار کے قبضے اور آفات و مصائب سے محفوظ رہے۔

تیسری دُعا یہ فرمائی کہ "وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ" اس شہر کے باسیوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمایئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی کمالِ حکمت یہ ہے کہ انہوں نے یہ دُعا نہیں کی، اسی بنجر زمین کو کاشت کاری کے قابل بنا دیں، شاید وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی اولاد باغبانی اور کاشت کاری میں مصروف ہو کر اللہ کی عبادت سے غافل ہو جائے۔ بلکہ انہوں نے یہ دُعا کی کہ یہ پھل اور ثمرات جہاں بھی پیدا ہوں لیکن مکہ میں پہنچ جایا کریں۔

"ثمرات" کا مفہوم

واضح رہے کہ "ثمرۃ" کسی بھی چیز سے حاصل شدہ پیداوار کو کہا جاتا ہے، چاہے وہ درختوں کے پھل ہوں یا مشینوں سے حاصل شدہ پیداوار، سب "ثمرۃ" کہلاتی ہے۔ قُرآنِ کریم میں بھی "يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ" (القصص:۵۷) فرمایا گیا ہے "ثمرات کل شجر" نہیں کہا گیا، معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے صرف درختوں کے پھل ہی پہنچنے کی دُعا نہیں فرمائی تھی بلکہ تمام ضروریاتِ زندگی مکہ میں مہیا کرنے کی درخواست کی تھی۔ یہ دُعا ایسی قبول ہوئی کہ دُنیا بھر کی کوئی ایسی ضروری مصنوعات نہیں جو مکہ مکرمہ میں نہ ملتی ہوں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ قید لگا دی کہ یہ دُنیوی خوشحالی اگرچہ مکہ کے سب باسیوں اور آپ کی اولاد کو ملے گی تاہم آخرت کی خوش حالی صرف انہی لوگوں کا نصیب ہوگی جو مومن ہوں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خشیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی کہ "رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" اے اللہ! ہمیں اپنی کامل فرمانبرداری کی توفیق عطا فرما اور ہماری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ پیدا فرما جو ہمیشہ حق کے علَم بردار رہیں۔ اپنی اولاد کے لیے نیک رستے کی دُعا مانگنا بھی اولاد کی خیر خواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا بھی قبول فرمائی اور شرک و کُفر کی جہالتوں کے باوجود عرب میں ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہے جو دینِ حنیف کے پیروکار اور شرک و بُت پرستی سے کوسوں دور تھے۔

نیز یہ دُعا بھی کی کہ "وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا" اے اللہ! ہمیں مناسکِ حج اور مقاماتِ حج بھی اچھی طرح سمجھا دیجیے تا کہ ہم آپ کی عبادت آپ کی منشاء کے مطابق ادا کر سکیں۔ چنانچہ حضرت جبرئیلِ امینؑ کے ذریعے حج کا طریقہ اور مقامات سمجھا دیے گئے تھے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ
أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

"بعثتِ نبویؐ" کی خصوصی دُعا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت اور رسالت بھی ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی مرہونِ منّت ہے، انہوں نے ہی تو دُعا کی تھی کہ اے اللہ! انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایئے گا جو انہیں کتاب کے الفاظ بھی پڑھ کر سنائے اور کتاب کے

معانی ومفہوم کی تعلیم بھی دے، گویا آیات کی تلاوت اور انہیں اصل لب ولہجہ میں پڑھنا بھی فرض ہے اور اس کے معانی ومفہوم کو تعلیماتِ پیغمبری کی روشنی میں سمجھنا ایک مستقل فرض ہے۔

اسی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد ''تزکیہ'' بھی بیان کیا گیا ہے کہ صرف الفاظ اور مفہوم کا سمجھ لینا کافی نہیں بلکہ کسی مربی اور مزکی کی تربیت میں رہ کر ان اعمال کی جب تک عادت نہ ڈالی جائے اور خود کو ظاہری وباطنی گناہوں سے پاک صاف نہ کیا جائے، ایمان کی کامل مٹھاس حاصل نہیں ہوسکتی۔لہٰذا یہ بھی پیغمبر کے فرائضِ منصبی میں سے ہے کہ وہ اُمت کی ظاہری وباطنی تربیت بھی کرے۔

بہرکیف! اس دُعا سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، مُرادِ ابراہیمی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی تعلیمات کو دل وجان سے تسلیم کرنا ہی درحقیقت، ملتِ ابراہیمی کی اتباع ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''ملتِ ابراہیمی'' سے منہ پھیرنے والا احمق ہے!

فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو دُنیا اور آخرت کی بے بہا عزتوں سے سرفراز کیا ہے، ابراہیم ہمارا اِنتخاب تھا، اس کا دِین، عینِ فطرت کے مطابق ہے، لہٰذا جو شخص ابراہیمؑ کی ملّت کی پیروی نہیں کرتا، وہ فطرتِ سلیمہ سے ہٹا ہوا اور احمق ہی ہے۔ ابراہیمؑ تو ایسے تھے کہ جب اس کے رَبّ نے انہیں کہا کہ ''سرِ تسلیم خم کردو!'' تو وہ بولے کہ ''میں نے رَبّ العالمین کے سامنے سر جھکا دیا!'' اس قدر مطیع وفرمانبردار تھے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

اپنی اولاد کی دِینی خیرخواہی کرنا پیغمبرانہ سُنّت ہے

فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بھی اور حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنی اولاد کو یہی وصیت کی تھی کہ حق مذہب کو چھوڑنا مت! زندگی بھر اسی کی پیروی کرتے رہنا۔ان حضرات نے خلافت کی اس امانت کو اپنی نسلوں میں منتقل کیا اور ان کی دِینی خیرخواہی کی۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی اولاد کو وصیت

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کو جمع کیا اور پوچھا کہ میرے بچو! یہ بتاؤ کہ میرے

انتقال کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ سب کی یا صرف ایک ربّ کی؟ تو اُن سب نے کہا کہ صرف اُس ربّ کی عبادت کریں گے جو آپ کا بھی ربّ ہے، اور ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کا بھی ربّ ہے، وہی ایک خدا ہے، ہم اسی کی مان کر چلیں گے۔ حضرت یعقوبؑ کی اس وصیت کو نقل کر کے ان یہودیوں کی تردید کی گئی جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو "یہودیت" پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

ہر ایک نے اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے

یہودی یہ سمجھتے تھے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں، اس لیے ہم بخشے بخشائے اور جنّتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب دیا کہ کبھی بھی اپنے آباء واجداد کے اعمال کو اپنے لیے کافی نہ سمجھو، آباء نے اپنے نیک و بد اعمال کا حساب خود دینا ہے اور تم اپنے اعمال وافعال کے خود ذمہ دار ہو۔ تم سے تمہارے اعمال کا حساب ہوگا، تم سے نہ تو پچھلوں کے اعمال کا حساب ہوگا اور نہ ہی اُن کے اعمال کی وجہ سے تمہیں کوئی رعایت ملے گی۔ لہٰذا اس دھوکے میں ہرگز مت رہنا کہ ہم اولادِ رسول ہیں، اس لیے جو چاہیں کرتے رہیں، ہماری تو بخشش ہو جائے گی۔ اپنے اپنے اعمال کا حساب لازماً دینا ہوگا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

مدارِ نجات، یہودیت یا عیسائیت نہیں بلکہ "ملّتِ ابراہیمی" کی حقیقی اتباع ہے

فرمایا کہ یہ یہودی اور عیسائی اپنے اپنے عقیدے کی طرف دعوت دیتے اور اسے ہی مدارِ نجات سمجھتے ہیں، آپ ان سے صاف کہہ دیجیے کہ ہم تو ملّتِ ابراہیمیؑ کے پیروکار ہیں، اگر تمہیں بھی نجات چاہیے تو اسی ملت کی پیروی کرلو، اس ملّت میں سب انبیاء کا احترام اور ان کا جائز مقام انہیں دینا لازم ہے۔ سب پر ایمان رکھنا ضروری ہے، بعض کو ماننا اور بعض کا انکار کرنے والا "ملّتِ ابراہیمیؑ" کا متبع نہیں ہو سکتا۔ اگر تم بھی یہی راستہ اختیار کرلو تو بہت اچھا ورنہ تمہاری دُشمنی اور بغض ہمیں پہلے سے پتہ ہے، ہمارا اللہ ہی تمہارے شرور سے نمٹنے کے لیے کافی ہے۔ نیز اگر کسی پر رنگ چڑھانا ہے تو خالص توحید کا رنگ چڑھاؤ، عیسائیوں کی طرح بپتسمہ (عیسائی مذہب میں داخل ہونے کے لیے مخصوص پانی میں غسل دیا جاتا ہے،

اسے بپتسمہ کہا جاتا ہے) کے عارضی رنگ میں رنگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ توحید کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ، کیونکہ سب نبیوں کا عقیدہ یہی توحید ہے، جو عقیدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، وہی عقیدے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق۔علیہم السلام۔کے تھے۔

معیارِ حق ''صحابہؓ'' ہیں!

درمیان میں یہ بھی بیان فرمایا کہ ایمان کے لیے صحابہ معیارِ حق ہیں ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا'' اگر صحابہ جیسا ایمان ہوگا تو ہدایت ملے گی، اگر صحابہ جیسا ایمان نہیں ہوگا تو پھر تمہیں ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟

یہودیوں اور عیسائیوں کو بزعمِ خود یہ گمان تھا کہ یہودی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی جبکہ عیسائی، حضرت ابراہیم کو عیسائی سمجھتے تھے، اللہ نے جواب دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی تھے۔ کیونکہ یہودیت تو ابراہیم کے بعد آئی، اس لیے کہ یہودیت تو یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہے اور یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے پوتے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام کہاں سے یہودی ہو گئے!

نیز حضرت ابراہیم کے عیسائی ہونے کا دعویٰ بھی درست نہیں کیونکہ عیسائی مذہب تو حضرت عیسیٰ کے بعد دُنیا میں آیا، حضرت عیسیٰ کا زمانہ حضرت ابراہیم کے زمانے سے ہزاروں سال بعد کا ہے۔

پھر اس کے ضمن میں فرمایا کہ ان سب انبیاء کے متعلق اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کس مذہب کے پیروکار تھے، تم بھی اس حقیقت کو جانتے ہو کہ تمام انبیائے کرام خالص توحید کا درس دیتے آئے ہیں، ان کا تمہارے باطل عقیدوں سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ خود تمہاری کتابوں میں ان باتوں کی حقیقت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارتیں موجود ہیں لیکن تم لوگ ان حقائق کو چھپا کر ظلم کر رہے ہو۔ اللہ تمہارے ان کرتوتوں سے ہرگز بے خبر نہیں ہے۔

بہرکیف! وہ سب گزر گئے ہیں، ان سے انہی کے اعمال کا حساب ہوگا اور تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اگر تم بھی انہی جیسے عقائد اختیار کرو گے تو نجات پا جاؤ گے اور خلافتِ الٰہیہ کے مستحق بن جاؤ گے، ورنہ تباہی سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

پارہ نمبر ۲

یہ پارہ سورۂ بقرہ کے بقیہ حصے پر مشتمل ہے۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

تمہیدی گفتگو

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں یہ مضمون بیان فرمایا کہ خلافت کس طرح قائم کی جاسکتی ہے؟ یہ اُمت اپنے آپ کو خلافت کا اہل اور مستحق کیسے ثابت کرسکتی ہے؟ اس کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا نمونہ پیش فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ پیش فرمایا اور بنی اسرائیل کا ناکام نمونہ بھی پیش فرمایا۔

دوسرے پارے میں اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر آپ لوگوں کو خلافت کا فریضہ سرانجام دینا ہے، تو جو اُحکام اس دوسرے پارے میں، سورۃ البقرہ میں اور پورے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں، تمہیں اس پر مکمل عمل کرنا ہوگا۔

دوسرے پارے کے اہم مضامین

دوسرا پارہ تین اہم مضامین پر مشتمل ہے:

۱- اپنے منفرد تشخص کو برقرار رکھو

پہلا مضمون اس حصے میں یہ بیان ہوا کہ اس امت کا اپنا ایک تشخص ہے، اپنا ایک امتیاز ہے، تم اپنے بول میں، اپنے عقائد واعمال میں، اپنے کردار میں، اپنی شکل وصورت میں، اپنے معاملات میں دوسری امتوں سے جدا ہو، منفرد ہو، تمہاری مستقل ایک تہذیب ہے، تمہارا مستقل ایک تمدن ہے، تمہاری مستقل ایک پہچان ہے، دھیان رہے کہ دوسری امتوں کے ساتھ گڈمڈ نہ ہوجانا۔

دور سے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مسلمان آرہا ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بیٹھا ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جو معاملات ہیں، یہ کسی یہودی کے نہیں، کسی عیسائی کے نہیں، کسی ہندو اور سکھ کے نہیں، کسی بدھ مت کے نہیں، یہ ایک محمدی کے معاملات ہیں، اپنا امتیاز اور اپنا تشخص برقرار رکھو اور اس میں اعتدال سے کام لو، افراط وتفریط کا شکار نہ ہوجانا۔

۲۔تعلق مع اللہ مضبوط کرو

دوسرا مضمون بیان کیا اس پارے میں، کہ دیکھو اپنے اللہ سے تعلق قائم کرو، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو، اطاعت کرو، تبھی تم خلافت کے اہل اور مستحق بنو گے۔

۳۔شریعت کے سب اَحکامات پر عمل کر کے اپنے اندر تقویٰ کی صفت پیدا کرو

تیسرا مضمون اس پارے میں یہ بیان کیا گیا کہ تقویٰ کا وصف اپنے اندر پیدا کرو اور یہ تمام احکام جو اللہ تعالیٰ نے اس پارے میں بیان فرمائے، ان سب سے غرض اسی تقویٰ کے وصف کو اُجاگر کرنا ہے، ان احکام میں نماز کے احکام بھی اللہ نے بیان فرمائے، روزہ کے احکام بھی بیان فرمائے، حج کے احکام بھی بیان فرمائے، اللہ نے طلاق کے احکام بھی بیان فرمائے، بچّے کی رضاعت اور اس کے دودھ پلانے کے احکام بھی بیان فرمائے، میاں بیوی کے حقوق بھی بیان فرمائے۔

اسی پارے میں اللہ تعالیٰ نے طلاق، ایلاء اور عدت کے احکام بھی بیان فرمائے، شراب، جوے اور حرام چیزوں سے اجتناب کے احکام بھی بیان فرمائے، حیض اور خواتین کے ناپاکی کے ایام کے مسائل بھی بیان فرمائے، جہاد کو بھی تفصیل سے بیان فرمایا اور فرمایا کہ ان سب احکام پر عمل کے ذریعے تم نے اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنا ہے، یہ پورے پارے کا مختصر خلاصہ میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیا، اب ہم اسے تھوڑا تفصیل سے دیکھتے ہیں۔

تحویلِ قبلہ اور یہودیوں کے بے بنیاد اِعتراضات

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے عبادت کیا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو تقریباً سولہ یا سترہ ماہ آپ کو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ بیت المقدس وہ قبلہ ہے، جس کی طرف بہت سے انبیاء علیہم السلام نے منہ کر کے نماز پڑھی، یہودیوں کا قبلہ بھی بیت المقدس ہے اور عیسائیوں کا قبلہ بھی بیت المقدس کا ایک مشرقی حصہ ہے۔

اللہ نے اپنی حکمت کے تحت، ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں، حضور علیہ السلام کی اپنی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ ہمارا قبلہ وہ ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے اور وہ کعبۃ اللہ ہے، یہ حضور علیہ السلام کی خواہش تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کی خواہش کی تکمیل کرنی تھی اور قبلہ کو تبدیل کرنا تھا، اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ قبلہ کی اس تبدیلی پر بڑا ہنگامہ بپا ہوگا، یہودی بھی ہنگامہ برپا کریں گے اور مشرکین مکہ بھی، مشرک کہیں گے کہ دیکھو جی! اب تک ان کا قبلہ بیت المقدس رہا، اب یہ ہمارے والے قبلہ کی طرف آرہے ہیں، اس کا معنی یہ ہوا کہ اب یہ ہماری طرف پلٹ رہے ہیں، ہمارے قریب ہو رہے ہیں، یہ ہمارے دین کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

جبکہ یہودی اور مشرک دونوں یہ کہیں گے کہ اگر یہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو کیا روز روز ان کے احکام

اور قبلے بدلتے!! سارے انبیائے کرامؑ کا قبلہ تو بیت المقدس رہا ہے، ان صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انبیاء کا قبلہ کیوں چھوڑا؟ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام والا قبلہ کیوں چھوڑا؟ یہ ہنگامہ بپا ہونا تھا اور ہوا، اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت پیشگوئی فرمادی تھی کہ یہ ہنگامہ بپا ہوگا، اگر ایک چیز ناگہانی طور پر نمودار ہو تو پریشانی ذرا زیادہ ہوتی ہے اور اگر ایک چیز کا پہلے سے علم ہو جائے تو آدمی کے لیے حکمت عملی اختیار کرنا آسان ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو پہلے سے اس بے بنیاد ہنگامے کی اطلاع دے دی اور فرمایا: "سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ" "بے وقوف لوگ یہ کہیں گے کہ آخر کیا چیز ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنا قبلہ بدلا؟ پہلے قبلہ (بیت المقدس) کو چھوڑ کر نیا قبلہ (بیت اللہ) بنانے کی وجہ کیا ہے!

تحویلِ قبلہ کا حاکمانہ جواب

اللہ تعالیٰ نے قبلے کی تبدیلی کی مختلف وجوہ اور حکمتیں بیان فرمائیں، سب سے بنیادی حکمت اللہ تعالیٰ نے بطور حاکمانہ جواب بیان فرمائی کہ تم لوگ کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے؟ "قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝" "مشرق اور مغرب میں کیا رکھا ہے! عبادت کے لیے کوئی خاص سمت مقرر کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ بھی اسی سمت میں محدود ہے، مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی، ساری جہتیں اللہ کی ہیں، وہ ہر سمت اور ہر جگہ موجود ہے، اس کی مرضی کہ وہ اپنی عبادت کے لیے جس سمت کی طرف بھی رُخ کرنے کا حکم دیدے! اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھی ہیں تو یہ اُسی اللہ کا حکم تھا اور اب اگر وہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں تو یہ بھی اسی کا حکم ہے، لہٰذا اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہم اللہ کے بندے ہیں اور بندہ کی کیا مجال کہ وہ سرتابی کرے، وہ اعتراض کرے، غلام کا کام ماننا ہے، غلام کا کام علتیں نکالنا نہیں ہوتا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

تحویلِ قبلہ کا حکیمانہ جواب

اور پھر یہ اُمت، ایک مستقل اُمت ہے، لہٰذا اس کا قبلہ بھی مستقل ہوگا، جیسے یہ اُمت، ایک معتدل اُمت ہے، ایسے اس اُمت کا قبلہ بھی باقی قبلوں سے جدا اور افضل ہوگا "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" ہمارے نبی بھی اعلیٰ، نبی کی یہ اُمت بھی اعلیٰ، نبی بھی معتدل، نبی کی یہ اُمت بھی معتدل، ہمارے اندر افراط و تفریط نہیں ہے، ہمیں احکام بھی ایسے مناسب دیے گئے جو تا قیامت انسانیت کی راہنمائی کے لیے کافی ہیں، اس امت کے افراد، قیامت کے دن انبیائے کرام کے حق میں گواہ بن کر آئیں گے کہ ان انبیاءؑ نے اپنی اپنی اُمت تک حق بات پوری طرح پہنچادی تھی، ہمارے پیغمبر صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ بات ہمیں بتائی تھی اور ہمیں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر کامل بھروسہ واعتماد ہے۔ یہ بھی اس اُمت کی ایک خصوصیت ہے۔

اور قبلہ ہم نے اس لیے بدلا کہ ہم دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں "مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ" کہ کون ہے جو قبلہ کی حقیقت سمجھ کر محض اللہ اور اس کے نبی کی بات مانتا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے اور کون ہے جو قبلے ہی کو مقدس مان کر، اللہ کے حکم کی سرتابی کرتا ہے، اپنے مَن کی مُراد پوری اور اپنی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے!

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۝

قبلہ بدلنے کی دوسری حکمت

قبلہ بدلنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت یہی تھی کہ قبلہ بیت اللہ ہو "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" "میرے حبیب! ہم آپ کے چہرے کو (وحی کے انتظار میں) بار بار آسمان کی طرف اُٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، آپ اسی انتظار میں ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم کب آئے گا! کیونکہ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ تھا کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا حکم، ایک عارضی حکم ہے، دوسرا "بیت اللہ" بیت المقدس کی نسبت قدیم بھی تھا اور اس سے حضرت ابراہیمؑ کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اس لیے طبعی خواہش تھی کہ بیت اللہ ہی کو دوبارہ قبلہ بنا دیا جائے۔

اس لیے فرمایا کہ میرے حبیب! اب ہم آپ کو آپ کی پسند کا قبلہ دے رہے ہیں، لہٰذا "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" "سن دو ہجری میں تبدیلی کا حکم آگیا کہ آج کے بعد نماز میں اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف پھیرلو۔

"بیت اللہ" کو قبلہ بنانے کا حکم نازل ہوتا ہے

حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنوسلمہ کی ایک مسجد میں تشریف لے گئے تھے، نماز ظہر کا وقت ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز ظہر ادا فرمائی، ابھی فرض کی دو رکعتیں ہی پڑھی تھیں کہ نماز کے دوران ہی اللہ نے یہ حکم دے دیا "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" "اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دو رکعتیں تو بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے ادا کیں تھیں، جو مدینہ کے لحاظ سے شمال کی جانب ہے، اور پھر تبدیلی کا حکم آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران رُخ بدلا اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ادا کیں جو مدینہ کے لحاظ سے جنوب میں ہے۔ (تفسیر مظہری، ج:۱، ص:۱۸۶)

چونکہ قبلہ تبدیل ہونے کا واقعہ نماز کے دوران مسجد میں ہی ہوا تھا، اس لیے اس مسجد کو "مسجد ذُو قبلتین" کہا جاتا ہے۔ مدینہ کے شمال مغرب میں، وادی عقیق کے قریب واقع اس مسجد میں، تحویلِ قبلہ کی یادگار کے طور پر، ایک محراب بیت المقدس کی طرف اور دوسرا کعبہ کی جانب ہے۔

اہلِ کتاب بھی "تحویلِ قبلہ" کو برحق جانتے ہیں

فرمایا کہ "وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ" جو اہلِ کتاب ہیں، وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبلے کی تبدیلی کا یہ حکم برحق ہے، کیونکہ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور انہیں یہ خوب معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ہی اللہ کے حکم سے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور اسے اپنا قبلہ بنایا تھا، یہودیوں کو بھی اس کا پتہ ہے اور عیسائیوں کو بھی۔ تورات میں بھی لکھا ہے کہ نبی آخر الزماں کا جو قبلہ ہوگا وہ بیت اللہ ہوگا اس لیے وہ لوگ "بیت اللہ" کے قبلہ ہونے کی حیثیت سے انکار نہیں کر سکتے، بس "ضد" اور تکبر کی وجہ سے حقیقت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اپنے "قبلے" پر ڈٹے رہو، کسی کی بات سننے کی قطعاً ضرورت نہیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ان اہلِ کتاب کے پاس اپنے قبلہ کی حقانیت بارے جتنے دلائل بھی لے آئیں، یہ کبھی بھی آپ کے قبلہ کو تسلیم نہیں کریں گے، ان کا آپس میں بھی ایک قبلہ پر اتفاق نہیں، یہودی بیت المقدس کو اور عیسائی بیت اللحم کو قبلہ مانتے ہیں۔ اس لیے آپ بھی ان کے منسوخ قبلہ کی اتباع نہ کریں، اپنے قبلہ پر مضبوطی سے قائم رہیے۔ اگر کبھی خدانخواستہ اہلِ کتاب کی بات مان کر ان کی اتباع کی کوشش کی تو اس وقت آپ کا شمار بھی اُنہی میں سے ہوگا جو جان بوجھ کر خدائی احکامات کا انکار کر کے اپنی جان کے دُشمن بنتے ہیں۔ لہٰذا حق وہی ہے جو آپ کے ربّ کی طرف سے آپ تک پہنچ چکا ہے، کبھی بھی اُن لوگوں میں نہ ہونا جو اس میں شک کرتے ہیں۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

فرمایا کہ دُنیا میں ہر مذہب والوں نے اپنے الگ الگ قبلے بنا رکھے ہیں، یہ ممکن نہیں ہے کہ تم ان سب کو ایک ہی

قبلہ ماننے پر مجبور کرو، اس لیے اُن سب کی فکر چھوڑو اور اپنے قبلہ پر جمے رہو، کل قیامت کے دن یہ سب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو ان سب کو اپنی اپنی حقیقت اور انجام خوب معلوم ہو جائے گا۔

تم لوگ بس اپنے رَبّ کو راضی کرنے کی فکر میں رہو اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے مقابلہ اور سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

جہاں رہو "قبلہ رُخ" رہو!

فرمایا کہ عبادت کے لیے "عینِ قبلہ" ہونا ضروری نہیں، "سمتِ قبلہ" حاصل ہو جانا بھی کافی ہے، اس لیے اگر تم کہیں باہر بھی جاؤ تو بھی "وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ" تمہارا رُخ اور سمت، بیت اللہ ہی رہے۔ اعتراض کرنے والے تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

حاصلِ کلام

ان سارے احکامات کا حاصل یہ ہے کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں کے پیچھے چلنے والے نہیں، ہمارا اپنا ایک تشخص ہے، اُمت بھی مستقل اور مستقل اُمت کا قبلہ بھی مستقل۔ ہماری اپنی ایک پہچان اور ہمارا اپنا ایک تشخص ہے۔ اس لیے مسلمانو! مسلمان کی شکل بھی یہودیوں سے مختلف، صورت بھی مختلف، لباس بھی، عبادت بھی، معاملات اور ثقافت وتمدن بھی مختلف ہے۔ خلط ملط نہ ہو جاؤ، آج ہمارے اعمال اور شکل وصورت دیکھ کر پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ شخص مشرک ہے یا موحد؟ مسلم ہے یا غیر مسلم؟ ہمارے لباس غیر مسلموں والے ہیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں دُعائیں قبول ہوتی ہیں

کعبہ تعمیر کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے دو دعائیں مانگی تھیں، ایک یہ کہ ہماری نسل سے ایک ایسی اُمت پیدا فرمایئے جو مکمل طور پر آپ کی فرماں بردار ہو، دوسرا یہ ہے کہ اسی اُمت میں سے ایک رسول مبعوث فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں دُعائیں اس طرح قبول فرمائیں کہ اُمتِ محمدیہ کو "اُمتِ وَسط" اور معتدل اُمت بنا کر پیدا فرمایا اور بیت اللہ کو ہمیشہ کے لیے ان کا قبلہ بنا کر دنیا کی راہنمائی کا فریضہ انہیں سونپ دیا گیا۔

دوسری دُعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ نے جن خصوصیات کا حامل پیغمبر مانگا تھا، وہ خصوصیات یہ تھیں "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" (البقرۃ:۱۲۹) بعینہٖ یہی خصوصیات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اوپر ذکر کردہ آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ نیز ان پیغمبرانہ فرائض سے یہ بھی ہے کہ پیغمبر "قرآن" کی تلاوت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات کی تلاوت کرنا بھی براہِ راست نیکی اور شرف ہے، چاہے اس کا مطلب سمجھ نہ آئے، کیونکہ تعلیمِ قرآن کا ذکر الگ فریضے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

بہرکیف! قرآن کی تعلیم ہو یا حکمت ودانائی کی باتیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن کا وہی مفہوم اور حکمت ودانائی وہی معتبر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی حکم کسی کو جتنا بھی خلافِ عقل اور خلافِ حکمت محسوس ہو، ہوتا رہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور حکیمانہ کلام کے مقابلے میں کسی بھی فرد کی عقل اور حکمت کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا موجودہ زمانے کے خودساختہ مفسرین کی طرح اپنے مطلب کا قرآنی مفہوم نکالنا یا اپنی سوچ اور فہم وفکر کو دانائی اور حکمت سمجھ لینا ہرگز کافی نہیں۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ

فرد کی اِصلاح کے قرآنی اُصول

مذکورہ بالا آیت میں فرد کی اصلاح کا مضمون بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اکیلے آدمی کی اصلاح، تربیت اور اُس کی روحانی ترقی کے لیے پانچ اصول بیان فرمائے ہیں۔ فرد کی اصلاح کو "تہذیبِ اخلاق" کہتے ہیں، ان پانچ اُصولوں میں سے دو اُصول اللہ تعالیٰ نے اس رکوع میں بیان کیے:

۱۔ ہر وقت اللہ کو یاد رکھو

فرمایا: "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" یہ فرد کی اصلاح کا پہلا درس ہے کہ اللہ کا ذکر کرو! تم اللہ کا ذکر کرو، اللہ تمہارا ذکر کریں گے، تم خلوت میں اسے یاد کرو، وہ جلوت میں تمہیں یاد کرے گا، تم مجلس میں اُسے یاد کرو، وہ اس مجلس میں یاد کریں گے جو اس سے بہتر مجلس ہے، اور وہ فرشتوں کی اور انبیاء کی ارواح کی مجلس ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک کی موجودگی میں، اللہ اُن لوگوں کا تذکرہ فرماتے ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

ذِکر اللہ کی صورتیں

اللہ تعالیٰ کا ذِکر زبان کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور جسم کے ساتھ بھی، کبھی ذکر ہوتا ہے صرف زبان سے، جیسے ہم سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر پڑھتے ہیں اور اللہ اللہ کی تسبیحات پڑھتے ہیں۔ اور ایک ذکر ہوتا ہے کہ پورا جسم اللہ کی طاعات میں لگ جائے، اسی طرح ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا استحضار اور خدا تعالیٰ کی یاد بھی ذکر اللہ کے حکم میں ہے۔

۲- ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنے کی عادت بنالو!

دوسرا سبق یہ بیان فرمایا کہ ”وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ“ ”میرا شکر ادا کرو، ناشکری نہ کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ
الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ
رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ
شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ
شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

۳- آزمائشوں پر صبر کا مظاہرہ کرو

فرد کی اصلاح بارے تیسرا درس یہ دیا گیا کہ کتنے مشکل حالات ہی کیوں نہ پیش آجائیں، بڑی سے بڑی مصیبت، دُکھ اور پریشانی بھی آجائے، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی اور صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اِستعانت کا غلط مطلب

کچھ لوگ سمجھے ہیں کہ صبر سے مدد طلب کرنی ہے، نماز سے مدد طلب کرنی ہے، لہٰذا غیر اللہ سے مدد طلب کرنا جائز ہے، وہ درحقیقت آیت کا مطلب ہی نہیں سمجھتے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے مدد طلب کرو، لیکن مدد طلب کرنے کے دو (۲) ذرائع ہیں: ایک ذریعہ ہے صبر، اور دوسرا ذریعہ ہے نماز۔

صبر کا مطلب اور صابرین کی عظمت

صبر کے مفہوم میں درج ذیل سب امور شامل ہیں:

۱......صبر کا ایک معنی ہے کہ مشکلات آجائیں تو برداشت کرو۔ صدمے اور تکلیف کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ ہو، البتہ اگر صدمہ یا دُکھ کی وجہ سے بے اختیار رونا آجائے تو وہ ممنوع نہیں، یہ تو انسانی فطرت ہے، البتہ عقلی اور ذہنی طور پر ربّ کی رضا میں راضی رہے۔

۲......صبر کا دوسرا معنی ہے نیکیوں پر جمے رہو، چھوڑو نہیں، آج اگر تراویح پڑھی ہے اور روزہ رکھا ہے تو یہ تمہارا عمل پورا مہینہ رہے، آج اگر تم درسِ قرآن میں شریک ہو تو اسے اُدھورا نہ چھوڑ دینا، جو نیک عمل بھی شروع کرو، اُس پر جمے رہو۔

۳......تیسرا معنی ہے آج رمضان میں گناہوں سے بچے ہوئے ہو تو جن جن گناہوں سے آج بچے ہوئے ہو تو اُن سے ہمیشہ بچتے رہو۔ اس سے تمہاری ترقی ہوگی۔

یہ سب صورتیں "صبر" کے مفہوم میں داخل ہیں اور "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" اللہ تعالیٰ کی معیت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝

شہید کا مقام

سب سے اعلیٰ صبر ان لوگوں کا ہے جو اپنی جان، اللہ کی راہ میں قربان کرا دیتے ہیں، شہید ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کا یہ اتنا بڑا اعزاز ہے، کہ خبردار! باوجود یہ کہ شہید کی گردن کٹی ہے، اُس پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی ہے، اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں، پرخچے اڑ گئے ہیں، جسم کی بوٹیاں بوٹیاں ہو گئی ہیں، لیکن اللہ کے رستے میں یہ شہادت ایسا بلند مقام اور اعزاز رکھتی ہے کہ اس "شہید" کو (دوسرے مُردوں کی طرح) مردہ کہنے کی اجازت نہیں ہے "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ" میں رَبّ خود کہہ رہا ہوں کہ انہیں مُردہ نہ کہو، درحقیقت یہ زندہ ہیں۔

یا اللہ! ان میں زندگی نظر تو نہیں آ رہی! فرمایا: "وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝" تم نہیں جانتے، میں تو جانتا ہوں کہ یہ زندہ ہے، انہیں شعور ہے، تمہیں شعور نہیں، اس لیے قرآن کی اس نص کے مطابق شہداء موت کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، جسم زندہ ہوتے ہیں، چونکہ اللہ نے فرمایا کہ اسے مردہ نہ کہو جو قتل ہوا، قتل روح نہیں ہوئی بلکہ قتل جسم ہوا ہے اور وہ جسم زندہ ہے، لیکن تمہیں محسوس نہیں آئے گا اور اگر تم قبر بھی کھولو گے تو وہ تمہیں خاموش اور ساکن نظر آئے گا۔ ہاں اللہ اس کا جسم محفوظ رکھ لیتے ہیں اور روح کا جسم سے تعلق قائم کر کے زندہ فرما دیتے ہیں، لیکن ہمیں ان کی زندگی عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتی ہے، فرشتے موجود ہیں لیکن دوسرے عالم میں ہونے کی وجہ سے ہمیں نظر نہیں آتے، اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں ظاہر کر دیتے ہیں اور ان جسموں میں زندگی نظر بھی آ جاتی ہے۔

ایک شہید کا حیرت انگیز واقعہ

ہمارے شجاع آباد میں ۱۹۷۷ء کی "تحریک نظامِ مصطفیٰ" میں نصیر الدین نامی ایک نوجوان جو "جمعیت طلبہ اسلام" کے صدر تھے، شہید ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول شجاع آباد کے سامنے ان کی قبر ہے، کبھی کبھی جا کر فاتحہ بھی پڑھ لیا کرو، تین مہینے کے بعد جا کر ان کی قبر کشائی ہوئی، میں عینی شاہد ہوں، میں اس وقت کم عمر تو تھا لیکن باشعور تھا، جبکہ میرے والدِ گرامی حضرت مولانا رشید احمد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ اس عمل کے نگران تھے، تین مہینے بعد جب قبر کھولی گئی تو پوری میت اور اس کا کفن محفوظ تھا۔ اَبا جیؒ فرماتے تھے کہ شہید نے کُرتا پہنا ہوا تھا اور اس میں ایک روپے کا نوٹ جیب میں رہ گیا تھا، چونکہ شہید کو کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے، وہ بھی اسی طرح محفوظ تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ شہید زندہ ہیں، تمہیں شعور نہیں ہے۔

"حیاتِ انبیاء فی القبور" کا ثبوت

جب شہید اپنی قبور میں زندہ ہیں تو شہید تو امتی ہونے کی وجہ سے محض نوکر اور خادم ہے، نبی اور رسول تو مخدوم

اور سردار ہیں، جب شہید زندہ ہے تو دلالۃ النص سے ثابت ہوا کہ نبی بطریق اولیٰ زندہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیائے کرام علیہم السلام کے سردار ہیں، آپ کی حیات تو اعلیٰ، ارفع اور اکمل ہے۔ اس لیے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر جا کر سلام عرض کرو تو حضور خود سنتے اور جواب دیتے ہیں اور اگر دور سے پڑھو تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچایا جاتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

۴- مصائب پر صبر کی آسان تدبیر

تہذیبِ اخلاق اور فرد کی اصلاح کا چوتھا اُصول "دُعا" ہے، جو بھی آزمائش آجائے، بندہ کو دل سے اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور کوئی بھی اپنی ملکیتی اشیاء کا بُرا نہیں چاہتا، اس لیے ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ ہمارے فائدے اور مصلحت ہی کے لیے ہوگا، اگرچہ ظاہری طور پر ہمیں تکلیف اور مصیبت پہنچ رہی ہے، فیصلہ خلافِ مصلحت بھی محسوس ہو رہا ہے، اپنی محبوب اشیاء اور محبوب عزیزوں سے جدائی بھی ہو رہی ہے، لیکن درحقیقت یہ جدائی ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ عارضی ہے، ہم سب نے بھی لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس اسی جگہ جانا ہے جہاں ہمارا عزیز گیا ہے۔ اگر یہ اعتقاد دل میں پیدا ہو جائے تو اسی کا نام "صبر" ہے اور اسی صبر پر ان شاء اللہ اجر و ثواب بھی ملے گا۔ ایسے صبر کے باوجود اگر بے اختیار رونا آجائے اور آنسو نکل آئیں تو وہ شرعاً ممنوع نہیں، فطرت پر جبر نہیں کیا جاسکتا، البتہ اصل جو بات مطلوب ہے، وہ یہ کہ انسان عقلی طور سے ربّ کی رضا میں راضی رہے۔ (ملخص من آسان ترجمہ قرآن)

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

۵- شعائر اللہ کی تعظیم

فرد کی اصلاح کا پانچواں قرآنی اصول ہے: "اللہ کے شعائر کی تعظیم"، "شعائر" شعیرہ کی جمع ہے جس کا معنی علامت ہے، "شعائر اللہ" سے مراد وہ اعمال ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے، لہٰذا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی علامات قرار دیا ہے، اُن کی تعظیم کرو، مسجد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم، کعبۃ اللہ، صفا و مروہ، قرآن وغیرہ، ان سب کی تعظیم کرو۔ یہ سب چیزیں "شعائر اللہ" میں سے ہیں۔ اس لیے فرمایا: "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ" "یہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں" "فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ" جب حج کرو یا عمرہ کرو تو "صفا اور مروہ" نامی دو پہاڑیوں کی سعی کرنی ہے۔

اِسلام میں تعصب رَوا نہیں

اس میں ایک پیغام ہے کہ اپنی شناخت میں بھی تعصب کا مظاہرہ نہ کرو، اعتدال اختیار کرو۔ چونکہ پہلے سے مضمون چلا آ رہا ہے کہ اپنا تشخص اور اپنی پہچان برقرار رکھو، اس میں بھی بسا اوقات تعصب آ جاتا ہے۔ اس لیے تعلیم دی گئی کہ متعصب نہ بنو، اعتدال رکھو۔

صفا مروہ دو پہاڑیاں ہیں، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور دودھ پیتے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑ کر گئے تھے تو حضرت ہاجرہ، پانی کی تلاش میں ان دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں، اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند آئی اور اسے حج و عمرہ کا حصہ بنا دیا۔

اسلام سے پہلے مشرکین نے ان پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے، ایک کا نام ''اساف'' اور دوسرے کا نام ''نائلہ'' تھا، اسلام آیا تو بت پرستی ختم ہوگئی اور یہ بت بھی ہٹا دیے گئے، اب بعض مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ پہلے تو یہاں بت رکھے ہوتے تھے، لہٰذا یہاں ہم جائیں گے ہی نہیں، شاید جاہلیت کی نشانی کی وجہ سے یہاں دوڑنا بھی گناہ ہو! یہ ہوتا ہے اصل ایمان! کئی نسلوں سے شرک میں مبتلا لوگ، قرآن سُن کر ایسے موَحِد بنے کہ اب شرک کی جگہوں سے بھی نفرت ہوگئی، شرک سے نفرت جب تک نہ ہو تو آدمی مومن ہی نہیں بنتا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صفا اور مروہ پر اگرچہ بت رکھے ہوتے تھے، لیکن صفا و مروہ تو مقدس جگہ ہے، ان بتوں کی وجہ سے اس جگہ کی عظمت میں فرق نہیں آیا، جیسے بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے لیکن بیت اللہ کی عظمت اور تقدس میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اب چونکہ بت ٹوٹ گئے، گرا دیے گئے اور ختم ہو گئے، اس لیے اب اطمینان سے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرو، اسے گناہ نہ سمجھو، اعتدال اختیار کرو۔ یہ تہذیبِ اخلاق کے پانچ سبق پورے ہوئے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

حق چُھپانے والوں پر ''لعنت'' ہے

ان آیات میں اُن یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنی اپنی کُتب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بارے بشارتیں دیکھنے کے باوجود انہیں چُھپاتے تھے اور اپنی عوام کے سامنے ''حق'' بیان نہیں کرتے تھے، فرمایا کہ حق کو نہ چھپاؤ، جنہوں نے حق کو چھپایا ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ معلوم ہوا کہ جس علم کا اظہار ضروری ہو، اُسے چھپانا شرعاً جرم اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

ہاں جو اَب تک حق چھپاتے رہے، اب توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کر کے حقیقتِ حال کو کھول کھول کر اور واضح بیان کردیں تو اللہ ان کی توبہ کو ضرور قبول کرلیں گے۔ فرمایا کہ میں تو توبہ کرنے والوں کا قدردان ہوں اور بڑی رحمت والا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝

''کُفر'' پر مرنے والے ہمیشہ کی پھٹکار اور عذاب کے مستحق ہیں

فرمایا کہ جو لوگ زندگی بھر کُفر پر قائم رہے اور کُفر ہی پر انہیں موت آئی تو ایسے نافرمان لوگ، اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور دنیا بھر کے توحید پرست لوگوں کی لعنت کے حقدار ہیں۔ جہنّم ان کا ہمیشہ ہمیشہ کا ٹھکانہ ہے، ہمیشہ کا اور بغیر رعایت دیا ہوا عذاب ان کا مقدر ہے۔

''مشکل کُشا'' صرف اللہ ہی ہے!

رکوع کے آخر میں فرمایا: ''وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝'' دیکھو! پھر توحید کے درس کو یاد رکھو کہ تمہارا معبود ایک، تمہارا مسجود ایک، تمہارا مشکل کُشا اور حاجت روا ایک، تمہارا بگڑی بنانے والا ایک اور تمہارے سجدوں کے لائق ایک، ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ'' بس ایک ہی اِلٰہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ایک لطیف نکتہ

اب آگے ایک عجیب جملہ ارشاد فرمایا: ''الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝'' وہ تمہارا معبود رحمٰن ورحیم ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی دیگر تمام صفات کو چھوڑ کر ''صفتِ رحمٰن ورحیم'' اس لیے بیان کی گئی کہ جب رحمٰن کا تصور دل ودماغ میں آتا ہے تو یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اتنی بڑی ذات ہے کہ وہ آسمان وزمین اور کائنات کا خالق ومالک ہے، وہ اتنا بڑا ہے، تو ہماری اس تک رسائی کیسے ممکن ہوگی؟ اللہ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، عظیم اپنی جگہ، وہ بڑا اپنی جگہ، وہ کائنات پر محیط اپنی جگہ، لیکن وہ رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے، اس کی رحمت سے تم دور نہیں ہو، اس تک پہنچنا کوئی ناممکن نہیں بلکہ بہت ہی آسان ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

''توحید'' کے تکوینی دلائل اور ''خاندان'' کی اِصلاح کے پانچ اُصول

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے تکوینی دلائل بھی بیان فرمائے اور انہی کے ضمن میں ''تدبیرِ منزل'' یعنی خاندان کو سنبھالنے کے اُصول بھی بیان فرمائے ہیں۔ آدمی کی شادی ہوتی ہے، بچے پیدا ہوتے ہیں تو ایک

فیملی اور خاندان بن جاتا ہے، اب اس شخص نے گھر چلانا ہوتا ہے تو گھر کیسے چلائے؟ اللہ تعالیٰ نے گھر چلانے کا طریقہ (تدبیرِ منزل) بھی بتادیا کہ گھر کیسے چلاؤ! اس حوالے سے پانچ درس اور سبق دیے گئے۔

۱۔روزی کے اَسباب اِختیار کرنا ''توکّل'' کے خلاف نہیں

شادی ہوجانے اور فیملی مل جانے کے بعد سب سے پہلے رزق کمانے اور روزی حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں توحید کے دلائل کے ضمن میں کمانے کی طرف بھی اشارہ کیا اور رزق کے اسباب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان ان اسباب اور چیزوں سے تم اپنی روزی کماسکتے ہو۔

اس لیے فرمایا کہ اگر تمہیں سمجھ ہو تو کشتیاں اور بحری جہاز، تجارت کا ذریعہ ہیں اور تجارت روزی کا ذریعہ ہے، بار برداری روزی کا ذریعہ ہے، اللہ نے پانی دیا، اس پانی سے کھیتی باڑی کرو، پانی کے ساتھ اپنے رزق کے وسائل جمع کرو، یہ روزی کے حصول کا ذریعہ ہے، اللہ نے جانور پیدا فرمائے، یہ جانور بھی روزی کے حصول کا ذریعہ ہیں، ہواؤں کا رخ بدلنے سے بھی روزی کے ذرائع جنم لیتے ہیں، انسانوں نے ہوا سے بجلی پیدا کرلی، پرانے زمانے کے بحری جہاز اور موجودہ زمانے کا ہوائی جہاز اگر ہوا کے رُخ کے مطابق جارہا ہو تو سفر مختصر ہوتا ہے، اور اگر مخالف سمت میں ہو تو مشکل ہوتا ہے۔اسی طرح اسٹیم آج کل رزق کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ان سب اسباب سے رزق تمہیں کون دے گا؟ اللہ!

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝

اللہ کے ساتھ کسی کو ''شریک'' ہرگز نہ کرنا

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ رزق اللہ ہی دیتا ہے تو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، غیر اللہ سے روزی نہ مانگنا اور ساتھ ہی شرک پر اللہ نے ڈانٹ بھی پلادی کہ کچھ لوگ غیر اللہ کو خدا بنا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کی جاتی ہے، ایسے ہی ان کے سامنے رکوع کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں اور انہیں ایسے پکارتے ہیں، جیسے اللہ کو پکارا جاتا ہے، فرمایا ایسا نہ کرو ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ'' ایمان والوں کو تو صرف اللہ تعالیٰ سے محبت ہوا کرتی ہے، حالانکہ اگر دُنیا کے معاملات میں ہی یہ ظالم لوگ غور کرلیں تو انہیں سب معلوم ہوجائے کہ اصل طاقت اور اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اگر یہ لوگ پھر بھی نصیحت حاصل نہ کریں تو آخرت میں ان پر اللہ کی بڑی سخت پکڑ ہوگی۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

قیامت میں سب باطل خدا اور اُمیدیں "خاک" میں مل جائیں گی

فرمایا کہ آج لوگ جنہیں بزعمِ خود اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے اور انہی کے احکامات کے مطابق شریعتِ خداوندی سے روگردانی کر کے سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور یہی بزرگ، پیر اور مرشد ہماری سفارش کریں گے، کل قیامت کے دن یہی پیشوا اپنے اپنے متبعین سے لاتعلقی کا اظہار کردیں گے۔ پھر یہ متبعین حسرت کریں گے کہ کاش ہمیں دُنیا میں جانے کا ایک موقع مل جائے تو ہم بھی ان جھوٹے خداؤں سے لاتعلقی کا اظہار کر کے حقیقی خدا کی پیروی کرسکیں، لیکن ظاہر ہے کہ اب مواقع ملنے والے نہیں ہیں۔ اس لیے ابھی سے دُنیا میں ہی خبردار کیا جارہا ہے کہ ان باطل اور من گھڑت پیشواؤں سے خود کو بچاؤ اور ربّ تعالیٰ کے راستے کی پیروی کرلو، ورنہ کل قیامت کے دن پچھتاوا مقدر ہوگا۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

۲۔ معیشت کا اُصول

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے "تدبیرِ منزل" کا دوسرا سبق دیا ہے اور وہ ہے "خرچ کرنا"، آپ لوگ جانتے ہیں کہ معاشیات میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں: ۱۔کمانا کیسے ہے؟ ۲۔اور خرچ کیسے کرنا ہے؟ یعنی کمانے اور خرچ کرنے میں بیلنس کیسے رکھنا ہے؟ ان آیات میں اللہ نے خرچ کرنے کے اصول بیان فرمائے ہیں۔

فرمایا: "يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝"
کمانا بھی حلال ہے اور خرچ بھی حلال اور مباح موقع پر ہے، حرام پر نہیں، حلال کھانا ہے اور حرام سے بچنا ہے۔ حلال وہ ہے جس کے کھانے کی اللہ نے اجازت دی اور حرام وہ ہے جس کے کھانے کی اللہ نے اجازت نہیں دی، فرمایا حلال کھاؤ، نیز طیب کھاؤ۔

"طیبات" سے کیا مُراد ہے؟

طَيِّبْ وہ ہے جسے کھانے کی اللہ نے اجازت دی اور وہ آپ کا اپنا اور پاکیزہ مال ہے، کسی اور کی ملکیت نہیں ہے، خنزیر کھانا حرام ہے اور بکری کھانا حلال ہے، پھر بکری اگر اپنی ہے تو طَيِّب ہے، لیکن اگر وہ بکری کسی اور کی ہے اور آپ اُسے شرعی طریقے سے ذبح کر کے بھی کھاؤ گے تو وہ طَيِّبْ نہیں، میرا ربّ کہتا ہے کھاؤ تو حلال اور طیب کھاؤ، حلال کھاؤ گے تو جسم سے نیکیاں سرزد ہوں گی اور اگر حرام کھاؤ گے تو جسم سے گناہ سرزد ہونگے، اولاد باغی ہوگی، بیوی نافرمان ہوگی۔ حلال کی اپنی برکتیں ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ شیطان کی پیروی نہ کرنا، شیطان کے راستے میں پیسے بھی خرچ نہ کرو۔ جائز خرچ کرو، ناجائز خرچ نہ کرو، اللہ کے رزق کو برباد اور حرام نہ کرو۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

شیطان کہاں خرچ کرواتا ہے؟ شیطان حکم دیتا ہے گناہ اور بے حیائی کا۔ آج لوگ مجروں اور فلموں پر کروڑوں روپے لگاتے ہیں، شراب کی مجلسوں پر لاکھوں خرچ ہوتے ہیں۔ یہ سب شیطانی اُمور ہیں۔

''سُوء'' اور ''فحشاء'' کا معنیٰ

ان گناہوں کی تفسیر میں درج ذیل اقوال ہیں جو سب درست ہیں:

۱......''سوء'' اس گناہ کو کہتے ہیں جس کا تعلق زبان سے ہو، ''فحشاء'' اس گناہ کو کہتے ہیں جس کا تعلق عمل سے ہو۔

۲......''سوء'' وہ گناہ جو آدمی چھپ کر کرے اور ''فحشاء'' وہ گناہ جو آدمی سب کے سامنے کرے۔

۳......بعض حضرات کے نزدیک ''سوء'' مطلق گناہ کو کہتے ہیں جبکہ ''فحشاء'' کبیرہ گناہ کو کہتے ہیں۔

یعنی شیطان تو تم سے اعلانیہ اور چھپ کر گناہ کروانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کی پیروی نہ کرو، بلکہ اللہ کی مانو اور اس اکیلے اللہ کو ہی ہر حالت میں پکارو۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۝

باطل عقائد میں اپنے آباء کی پیروی کرنا ''جہالت'' ہے

فرمایا کہ جب ان لوگوں کو حق کی دعوت دی جاتی ہے تو یہ اپنے آباء واجداد کے عقائد واعمال ہی کو اپنے لیے بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں، یہ کتنی ناسمجھی کی بات ہے کہ اگر تمہارے آباء واجداد جہالت اور ناسمجھی کی زندگی گزار گئے تو تم بھی آنکھیں بند کر کے اور جانتے بوجھتے جہالت اختیار کرو گے!

معلوم ہوا کہ باطل عقیدوں اور اعمال میں اپنے آباء کی تقلید حرام ہے، البتہ درست اور صحیح اعمال وعقائد میں تقلید نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ'' (یوسف: ۳۸)۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝

غیر اللہ کو پکارنے والوں کی مثال

جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی جانور سے مہذب گفتگو کرے جو ہانک پکار کے سوا کچھ سنتا ہی نہ ہو۔ جیسے اُس جانور کو کچھ سمجھ نہیں آتی، ایسے ہی اللہ کو چھوڑ کر جو کوئی کسی بت کو پکارے گا، کسی درخت کو پکارے گا، پانی، سورج اور چاند کو پکارے گا، کسی اور ہستی کو خدا کا مقام اور صفات دے گا تو انہوں نے بھی کوئی جواب

نہیں دینا، یہ کفّار بھی بس ظاہری طور پر گفتگو سُنتے ہیں، کام کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں، ''صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴿﴾'' یہ گونگے بہرے اور اندھے ہیں، یہ کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿﴾

دِین فروشوں کا خطرناک انجام

یہود پیسے لے کر آیات خداوندی میں تحریف کر دیتے تھے، مسئلہ غلط بتاتے تھے، اپنی مرضی سے ''حلال و حرام'' کی تعیین کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں واضح فرمایا کہ جن جانوروں کو تم نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے، وہ تو اللہ نے حرام نہیں کیے، اور جن جانوروں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے (جن کا متن میں بھی ذکر ہے) تم اُنھیں حرام نہیں سمجھتے۔ اصل حرام وہی ہیں جنھیں تم حلال بنائے پھرتے ہو، یہ تمہاری دین فروشی ہے، تم پیسے لے کر شرعی احکام بدلتے اور دین بیچتے ہو، دین فروشوں کا انجام بڑا خطرناک ہے، جو لوگ دین فروش ہیں وہ اپنے پیٹ میں دولت نہیں، بلکہ آگ بھر رہے ہیں، ''أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ'' دُنیا میں تو پیٹ میں دوزخ کے انگارے بھر رہے ہیں، آخرت کا عالم یہ ہوگا کہ ''وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' قیامت کے دِن اللہ ان سے بات بھی نہیں کریں گے ''وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ'' اور اللہ ان کو پاک وصاف بھی نہیں کریں گے، ''وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿﴾'' ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا ہے، یہ جہنّم کا عذاب سہنے کے لیے کس قدر آمادہ اور تیار ہیں! جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کی مخالفت کرے گا، وہ ضد بازی اور مخالفت میں بہت آگے نکلنے والا ہوگا اور ایسے لوگ، بڑی دور کی بدبختی اور ضد بازی کا شکار ہوتے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۚ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۚ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿﴾

فضول مباحث کی بجائے ''مقصدِ اَصلی'' کی طرف توجّہ مطلوب ہے

اس آیت میں اُن اہلِ کتاب کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے ''قبلہ'' بدلنے کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا رکھا تھا اور

بحث و مباحثہ کا بازار گرم کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "تحویلِ قبلہ" کے جھگڑوں میں نہ رہو، اس بارے جتنا وضاحت ضروری تھی، بیان کر دی گئی ہے۔ اب دین کے دوسرے مسائل پر توجہ دو، اصل مقصود کی طرف آؤ، ایمانی صفات اپنے اندر پیدا کرو "لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ" صرف اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف کر لینا ہی نیکی نہیں ہے، اصل نیکی تو یہ ہے کہ لوگ دینی عقائد کو تسلیم کریں اور اُن خدائی احکامات کی اتباع کریں جو ایک ایک کر کے گنوائے گئے ہیں۔

اِسلامی عقائد کے بارے میں جامع آیت

مذکورہ بالا آیت قرآنِ کریم کی جامع آیت ہے، دین کے بنیادی احکامات اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں سمو دیے ہیں، پورا دین اسی آیت میں موجود ہے، اس لیے کہ دین نام ہے تین چیزوں کا:

۱: عقائد۔ ۲: اعمال۔ ۳: اخلاق۔

دین یہی مطالبہ کرتا ہے کہ انسان کے عقائد ٹھیک ہوں، اعمال ٹھیک ہوں اور اخلاق ٹھیک ہوں، اس آیت میں یہی تینوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی ہیں۔

عقائد کا بیان

سب سے پہلے عقائد بیان کیے گئے "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ" اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، مُوحد بنو، "وَالْيَوْمِ الْآخِرِ" قیامت پر ایمان لاؤ، "وَالْمَلٰٓئِكَةِ" فرشتوں پر ایمان لاؤ، "وَالْكِتٰبِ" قرآن اور ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ، "وَالنَّبِيّٖنَ" سارے انبیائے کرامؑ پر اور خاتم النّبیین حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔

اعمال کا تذکرہ

عقائد کے بعد اعمال کا ذکر کیا، کچھ اعمال کا تعلق حقوق العباد سے ہوتا ہے اور کچھ کا حقوق اللہ سے۔ سب سے پہلے "حقوق العباد" کا ذکر کیا کہ نیک اعمال کرو، اور وہ اعمال کیا ہیں؟ فرمایا: "وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ" اپنا محبوب اور پسندیدہ مال رشتہ داروں پر، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کروانے پر خرچ کرو۔

اس کے بعد "حقوق اللہ" سے متعلق فرمایا کہ "وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ" نمازیں قائم کرو، "وَآتَى الزَّكٰوةَ" اور اپنے اموال کی زکوٰۃ بھی ادا کیا کرو۔

اخلاق کا ذکر

تیسری چیز ہے: "اخلاق"، اخلاق کے بارے یہ حکم بیان فرمایا کہ "وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عٰهَدُوْا" جب

کوئی وعدہ اور عہد کریں تو اس عہد کو پورا کرنے کے عادی ہوں، آج کے معاشرے میں وعدہ خلافی ایک رواج اور وعدہ پورا کرنا ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے، ہر بندہ جھوٹا وعدہ کرتا ہے، وعدہ کے مطابق جو وقت دیا گیا ہوتا ہے، اس کی پابندی شاذ و نادر ہی کہیں دِکھائی دیتی ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ خلافی کو منافقت کی علامت بتایا ہے، اس لیے جو بھی جائز وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو۔

اس کے بعد ''اعمالِ باطنہ'' کی اصل روح بیان فرمائی کہ ''وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ'' ہر حالت میں ''صابر'' رہو، صبر کا معنی ہے اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور برائیوں سے روکنا، جسے یہ ملکہ حاصل ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو ہر اچھے اخلاق سے متصف اور ہر بُری عادت سے بچا سکتا ہے، نیز اسی ''صبر'' ہی سے دین کے مذکورہ بالا تمام شعبوں میں مدد لی جاسکتی ہے۔

اس لیے فرمایا کہ ''صبر'' کو اپنی عادت بنالو، جسم میں تکلیف آجائے یا مال کی تنگی آجائے تو صبر کرو، کرونا آگیا بے صبرے نہ بنو، وباء آگئی بے صبرے نہ بنو، معاشی تنگی آگئی، ناشکرے نہ بنو بلکہ صبر کرو، ''اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝'' فرمایا یہی صبر والے اور مذکورہ اوصاف کے حامل لوگ ہی سچے کہلانے کے اصل حق دار ہیں اور یہی لوگ ہی تقویٰ والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اِسلام کا ''فوجداری'' قانون

ان آیات سے سارے وہ احکام بیان ہو رہے ہیں، جن کا اختیار کرنا اور اسلامی خلافت میں نافذ ہونا ضروری ہے۔

''تدبیرِ منزل'' کا تیسرا درس

تدبیرِ منزل کا تیسرا درس ''فوجداری قانون'' ہے، جو جانوں کی حفاظت سے متعلق ہے۔ کسی سے لڑائی جھگڑا ہو جائے تو کیا احکامات ہیں، کوئی قتل ہو جائے تو معاملہ کیسے حل کرو گے؟ انہی معاملات کے بارے فرمایا کہ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ'' اگر کوئی کسی بے قصور کو جان بوجھ کر قتل کر دے اور اس کا قاتل ہونا ثابت ہو جائے تو بدلہ میں اس قاتل کو بھی قتل کر دو، اسی کا نام ''قصاص'' ہے، یعنی ''برابری کا بدلہ'' اور یہ فرض ہے، قاتل کی سزا ''سزائے موت'' ہے اور اسی میں معاشرے کی حیات ہے، اگر قاتل کو قتل نہیں کرو گے تو ملک میں بدامنی ہوگی اور اگر کسی ایک قاتل کو بھی حکومت کی طرف سے شرعی سزا مل گئی تو پورے ملک میں امن قائم ہو جائے گا کوئی بھی جرم کرتے ہوئے ہزار بار سوچے گا کہ اس جرم کے بدلے میرے ساتھ بھی یہی حشر ہوگا۔ یہی اصولی اور شرعی حکم ہے۔

قتل کی مجموعی طور پر پانچ قسمیں ہیں (قتلِ عمد، شبہ عمد، قتلِ خطاء، جاری مجریٰ خطا اور قتل بالسبب، تفصیل کُتبِ فقہ میں موجود ہے) ان میں سے صرف پہلی قسم "قتلِ عمد" میں قصاص ہوتا ہے۔ البتہ اگر مقتول کے وارث، قصاص کے بجائے خون بہا کے طور پر رقم لینا چاہیں تو انہیں اس کا شرعی طور پر حق حاصل ہے۔ ایسی صورت میں "قصاص" ساقط ہو جائے گا اور مال واجب ہوگا، تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، حسبِ ضرورت کُتبِ فقہ سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔

بہرکیف! "قصاص" کا یہ قانون، لوگوں کی جانوں کا محافظ ہے، جب تک شرعی احکام کا درست نفاذ نہیں ہوگا، کسی بھی معاشرے میں امن وامان قائم ہونا محال ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

چوتھا درس: "اسلام کا دِیوانی قانون"

تدبیرِ منزل کا چوتھا قانون، "دیوانی" قانون ہے جو لوگوں کے اموال کی حفاظت سے متعلق ہے، یہ آیت اُس دور میں نازل ہوئی جب ترکے میں سے وارثوں کے حصے متعین نہیں ہوئے تھے، اُس زمانے میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وصیت کر کے جاؤ کہ کس کو کتنا حصہ دیا جائے!

اس کے بعد سورتِ نساء کی آیت نمبر ۱۱ تا ۱۴ میں اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے حصے خود متعین فرمادیے، اب وراثت متعین ہوگئی ہے، تاہم اگر کسی کا کوئی حق دینا ہو تو اس کی وصیت کرنا اب بھی ضروری ہے، نیز وارث کے علاوہ کسی کے لیے کُل مال کے تہائی حصہ کی حد تک وصیت کرنا اب بھی جائز ہے، مثلاً میرا تہائی مال فلاں فلاں کو یا مسجد یا مدرسہ میں دے دینا، یا میرے فلاں فلاں عزیزوں کو دے دینا۔ یہ جائز ہے۔ البتہ ایسا رشتہ دار جس کا وراثت میں حصہ بنتا ہو، اس کے لیے وصیت جائز نہیں۔ اس وصیت میں کوئی تبدیلی کرنا یا کمی بیشی کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ وصیت میں ناانصافی سے کام لیا گیا ہے اور وہ وصیت کرنے والے کو سمجھا کر اس کی زندگی میں ہی اُس وصیت میں تبدیلی کرادے تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

روزے کا مقصد اور اُس کے اَحکام

ان آیات میں "روزہ" کے بارے احکامات دیے گئے ہیں کہ روزے صرف اسی اُمّت پر ہی فرض نہیں بلکہ

پہلی اُمتوں پر بھی فرض کیے گئے تھے، روزہ کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے، اگر بیمار ہو اور فی الحال روزہ نہیں رکھ سکتے تو کوئی حرج نہیں، بعد میں قضا کرو، اگر کوئی شخص شرعی سفر کا مسافر ہے اور سفر کی مشقت کی وجہ سے روزہ رکھنے میں دشواری ہے تو بعد میں قضا کرو۔

اسی طرح شروع شروع میں یہ سہولت بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کی استطاعت کے باوجود روزہ نہیں رکھتا بلکہ روزے کا فدیہ دے دیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے "وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ" تاہم آیت نمبر ۱۸۵ میں یہ سہولت ختم کردی گئی اور واضح حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی اپنی زندگی میں رمضان کا مہینہ پائے، وہ روزہ ضرور رکھے، تاہم فدیہ کی سہولت اُن لوگوں کے لیے اب بھی باقی ہے جو مستقل بیمار رہتے ہیں، یا کوئی بالکل ضعیف اور انتہائی بوڑھا ہے کہ نہ تو فی الحال روزہ رکھنے کی طاقت ہے اور نہ ہی آئندہ روزہ رکھ سکنے کی کوئی امید ہے تو ایسا شخص، روزے کے بدلے فدیہ دے دے، ہر ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو نصف صاع (تقریباً پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت) ادا کیا جائے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

"تدبیرِ منزل" کا پانچواں درس: "اِشاعتِ تعلیم اور اصلاحِ معاملات"

تدبیرِ منزل کا پانچواں درس ہے "اشاعتِ تعلیم اور اصلاحِ معاملات" اپنے معاملات بھی درست کرو، بچوں کو تعلیم بھی دو۔ والدین کے فرائض میں سے ہے کہ اپنی اولاد کو درست تعلیم دیں اور اولاد کی تعلیم میں سب سے بہترین اور ضروری تعلیم، دین اور قرآن کی تعلیم ہے، آپ حضرات بھی "درسِ قرآن" کے ذریعے سے قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

یاد رکھیے! جو شخص بھی قرآن کی ایک آیت سیکھتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے (ابن ماجہ، ص:۱۱۵، رحمانیہ)۔ نیز رمضان المبارک کی راتیں، اس کے دنوں سے زیادہ افضل ہیں، اسی بابرکت مہینے میں قرآن کا (آسمانِ دُنیا پر) نزول ہوا، لہٰذا ان مبارک راتوں میں بیٹھ کر اگر کوئی قرآن سیکھتا ہے، تو وہ بہت بڑا اجر کما رہا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز!

بہرکیف! تعلیم سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ" قرآن تعلیم کا منبع ہے، اسی سے دنیا کی تعلیم بھی نکلتی ہے اور اسی سے دِین کی تعلیم بھی نکلتی ہے۔ تعلیم تو تعلیم ہے، ہر تعلیم کی اصل قرآن ہے، ریاضی بھی قرآن سے نکلتی ہے، تاریخ بھی، جغرافیہ بھی، سائنس کے علم کی بھی قرآن راہنمائی کرتا ہے اور میڈیکل بھی قرآن بتاتا ہے۔ اس لیے فرمایا تعلیم حاصل کرو اور روزہ کی حالت میں قرآنِ کریم کو سمجھو، پھر روزوں کی گنتی ۲۹ / ۳۰ دِن پوری کرو۔

فرمایا رمضان کے مہینہ میں قرآن اترا ہے۔ قرآنِ کریم لوگوں کے لیے ہدایت، کھلے دلائل اور حق و باطل میں امتیاز کا ذریعہ ہے۔ جو شخص رمضان کا مہینہ پائے، اس میں روزے رکھے۔ البتہ مریض اور مسافر روزے نہ رکھ سکیں تو بعد میں قضا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آسانی دی ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

جب بھی اپنے ربّ کو پکارو گے، اسے اپنے قریب پاؤ گے

فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ صرف رمضان ہی میں ہماری دُعائیں سنتے ہیں، اس کے علاوہ نہیں سنتے، ایسا نہیں ہے۔ تم پکارنے والے تو بنو! اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر زمانے میں اپنی مخلوق کی دُعائیں سنتے ہیں، اس لیے مخلوق کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے ربّ کی بات مانیں اور ایک اللہ پر ہی ایمان لائیں، تا کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

رمضان میں ازدواجی تعلقات سے متعلّق حکم

شروع شروع میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شخص روزہ افطار کرنے کے بعد ذرا سا بھی سو گیا تو اب رات کو بھی نہ تو اس کے لیے کھانا پینا جائز ہوتا اور نہ ہی اپنی بیوی سے لطف اندوز ہونے کی اجازت تھی۔ یہ ممانعت حضور علیہ السلام کے حکم سے تھی، چونکہ حضور علیہ السلام کی سنت و حدیث بھی حجت ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی جاتی رہی۔ بعض لوگوں سے اس حوالے سے کچھ کوتاہی سرزد ہوئی جس کی طرف اس آیت میں اشارہ بھی کیا گیا اور اس کوتاہی پر معافی دے کر آئندہ کے لیے یہ پابندی اُٹھالی گئی۔ فرمایا کہ میں نے اب یہ حکم واپس لے لیا، اب راتوں کو کھا پی بھی سکتے ہو اور بیویوں کے پاس بے تکلف جا سکتے ہو اور ان سے جائز طریقے اور جائز نیت سے نفع حاصل کر سکتے ہو۔ سحری کا وقت، صبحِ صادق کے طلوع تک رہتا ہے۔ اُس وقت تک کھا پی سکتے ہو، البتہ روزہ کی حالت میں اور اعتکاف کے دوران اپنی بیوی سے انتفاع شرعاً جائز نہیں۔ جو کوئی اس میں کوتاہی کرے گا تو وہ اپنے ربّ کو خود جوابدہ ہوگا۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

مالِ حرام اور جھوٹے مقدمات سے پرہیز

روزے کی حالت میں بہت سی حلال اشیاء کے استعمال سے بھی منع کردیا گیا تھا، یہ اس بات کی تربیت ہے کہ نفس، حلال چیزوں پر ہی اکتفاء کا عادی ہوجائے اور حرام چھوٹ جائے، لہٰذا فرمایا کہ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ نیز سحر و افطار کے لیے بھی حلال مال کا انتظام کرنا چاہیے، مالِ حرام کے ذریعے روزہ افطار کرکے روزے کو ضائع نہ کرو۔
اسی طرح کسی پر ناحق مقدمات کرکے اس کا مال کھانے کی کوشش ہرگز نہ کرو، یہ بہت بڑا گناہ ہے، تمہیں اللہ کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اہلِ عرب کی ایک ''فضول رسم'' کی مذمت

شروع میں فرمایا کہ قمری ماہ کے نئے چاند کے ذریعے سے شرعی عبادات کے اوقات متعین ہوتے ہیں، اس لیے کہ بعض عبادات کی تاریخیں، چاند پر ہی موقوف ہوتی ہیں۔ چنانچہ زکوٰۃ، روزہ، حج سبھی کا تعلق قمری ماہ سے ہے۔
اس کے بعد عربوں کی ایک جاہلانہ رسم کی تردید فرمائی کہ اہلِ عرب جب احرام باندھ لیتے تھے تو اپنے گھروں میں جانا ممنوع سمجھا کرتے تھے، اگر کسی کو ضرورت بھی ہوتی تو وہ عام دروازے سے جانے کے بجائے گھر کے پچھلے حصے سے گھر میں داخل ہوا کرتے تھے، اس آیت میں اس رسم کو فضول اور بے بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا گھر کے پیچھے سے گھروں میں آنا کوئی نیکی نہیں، نیکی تو تقویٰ کا نام ہے، لہٰذا اگر گھر آنے کی ضرورت ہو تو دروازوں سے گھر آؤ۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ...... تا ...... وَأَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوْا ۛ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

''سیاستِ مدنیہ'' اور اس کے اہم اسباق

آدمی شروع میں اکیلا ہوتا ہے، جب اس کی شادی ہوتی ہے تو اس سے بہت سی فیملیاں بنتی ہیں، جن سے قوم وجود میں آتی ہے اور جب بہت سی قومیں ملتی ہیں تو ان سے ایک ''ریاست'' بنتی ہے۔

ریاست چلانے کا طریقہ

ریاست کے دو شعبے ہیں: ۱- ایک شعبہ ہے ملک بنانا، اور ۲- دوسرا شعبہ ہے ملک چلانا۔ ملک بنانے کے لیے جہاد کا حکم دیا گیا جبکہ ملک چلانے کے لیے بہت سارے احکام دیے گئے۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملک حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرمایا کہ جہاد کرو اور جہاد میں گھبراؤ نہیں جو تم

سے لڑ رہے ہیں تم بھی ان سے لڑو، اگر وہ حدودِ حرم اور حرمت والے مہینوں میں تم سے جنگ کریں تو پھر تمہارے لیے بھی ان سے لڑنا جائز ہے۔ تاہم اتنی بات سب جانتے ہیں کہ جہاد اور دہشت گردی میں فرق ہے، دہشت گردی میں اندھا دھند لوگوں کو مارتے ہیں، جبکہ جہاد میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس کی بڑی سخت شرائط ہیں جن کا یہاں موقع نہیں ہے، کُتبِ فقہ سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

حُرمت کے مہینوں میں لڑائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرامؓ، عمرۃ القضاء کے لیے سات ہجری میں مکہ جارہے تھے، سب نے احرام بھی باندھ رکھا تھا، خطرہ تھا کہ اگر مشرک ہم سے اس حالت میں لڑ پڑے تو ہم کیا کریں گے، کیونکہ احرام کی حالت میں لڑنا جائز نہیں۔ حرم میں لڑنا جائز نہیں پھر محترم مہینوں (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں لڑنا جائز نہیں، یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا۔ اس آیت میں یہ وضاحت کردی گئی کہ اپنی طرف سے تو جنگ شروع نہ کی جائے، لیکن اگر وہ ابتداء کرتے ہیں تو پھر تمہیں بھی لڑنے کی اجازت ہے، اس لیے کہ انہوں نے تقدس پامال کیا، تم نے نہیں کیا۔ مسلمانوں کو ان کے دین اسلام سے روکنے کی ناپاک سازشیں اُنہوں نے کی ہیں، فتنہ، ظلم اور تشدد انہوں نے روا رکھا ہے جو "قتل" سے بھی زیادہ سنگین ہے، اس لیے فتنہ کی روک تھام کے لیے اگر قتل کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو اس کی بھی اجازت ہے۔ وہ اگر "حدودِ حرم" میں تم سے قتال کریں تو تم بھی کرو، اگر تم جہاد میں خرچ کرنے میں بخل کرو گے تو اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مارو گے۔ سورۂ بقرہ میں سات مرتبہ جہاد اور آٹھ مرتبہ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

حج اور جہاد میں مناسبت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج کا ذکر کیا۔ جہاد اور حج میں بھی ایک مناسبت ہے کہ حج میں بھی امیر ہے اور جہاد میں بھی امیر ہے۔ حج میں بھی امیر کی اطاعت لازم ہے اور جہاد میں بھی امیر کی اطاعت لازم ہے۔ حج میں بھی گھر چھوڑنا پڑتا ہے اور جہاد میں بھی گھر چھوڑنا پڑتا ہے اور حج پر جاکر جہاد میں کامیابی کی دعائیں بھی کی جاتی ہیں۔

حج میں رُکاوٹ پیش آجائے تو کیا کریں؟

فرمایا کہ اصل حکم تو یہ ہے کہ جو شخص بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو جب تک حج یا عمرے کے افعال پورے نہ کرلے، احرام نہ کھولے۔ تاہم اگر کسی کو کوئی ایسی مجبوری پیش آ گئی کہ احرام باندھنے کے بعد مکہ پہنچنا ممکن ہی نہ رہے، جیسے کرونا کے ایام میں بہت سے لوگ جہازوں میں احرام کی حالت میں تھے، لیکن کرونا کی وجہ سے فلائٹیں کینسل ہو گئیں تو وہ واپس آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت کا حل بتایا کہ "قربانی" کر کے احرام کھولا جا سکتا ہے اور یہ قربانی حدودِ حرم میں ہو، تم حرم میں کسی کے ذمہ لگاؤ کہ وہ ایک قربانی تمہاری طرف سے کر لیں، جب وہ تمہاری طرف سے قربانی کر لیں تو اب تم سر منڈوالو اور احرام کھول کر حلال ہو جاؤ، تاہم بعد میں اس حج یا عمرہ کی قضا لازم ہو گی جس کا تم نے احرام باندھا تھا۔ اور اگر تم نے حجِ تمتع اور قران کا احرام باندھ رکھا تھا تو افعال کی تکمیل کے بعد، شکرانے کے طور پر جانور کی قربانی کرو، اگر کسی کے پاس یہ استطاعت نہ ہو تو دس روزے اس طرح رکھے کہ پہلے تین روزے ۹/ذی الحجہ تک پورے ہو جائیں، بقیہ روزے حج کے بعد رکھے جائیں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿﴾ ..... تا ..... ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿﴾

حج کے مہینے اور اِحرام کی پابندیاں

فرمایا کہ عمرہ تو پورے سال جب چاہے، کیا جا سکتا ہے، تاہم حج کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اس کے اوقات اور مہینے مخصوص ہیں، شوال سے حج کے مہینے شروع ہوتے ہیں، لہٰذا شوال آنے کے بعد ہی حج کا احرام باندھنا چاہیے۔ نیز جب حج کا احرام باندھ لو تو پھر کسی سے کوئی فحش بات نہ کرو، گناہ کی باتیں (ممنوعاتِ حَرَم) اور لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ کیونکہ یہ مقام ایسا ہے کہ یہاں اس قسم کے مواقع پیدا ہونے کا فطری امکان رہتا ہی ہے، انسان جتنا بھی بچ کر چلے، بھیڑ اور رش کی وجہ سے بات اونچی نیچی ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، پھر گھر سے اتنا عرصہ دوری سے دل میں بُرے خیالات کا پیدا ہو جانا بھی محال نہیں، اس لیے خاص طور پر ان امور سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حج کی تفصیل اور منیٰ اور عرفات کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی فرمایا گیا کہ اپنی ضرورت کے اسباب لے کر جاؤ، وہاں کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ اور اگر تجارت کرنا چاہو تو یہ بھی جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ حج کے امور اس سے متاثر نہ ہوں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿﴾

حاجیوں کی اَقسام

زمانہ جاہلیت میں کچھ قبائل جب حج کے بنیادی ارکان سے فارغ ہوکر منیٰ آتے تو سارا دن اپنے آباؤ اجداد کے فضائل ومناقب بیان کرتے رہتے،شریعت نے اس جاہلانہ رسم کو ختم کردیا کہ اپنے آباء کے بجائے خداتعالیٰ کو کثرت سے یادکیا کرو۔

نیز یہ لوگ چونکہ آخرت کے قائل ہی نہ تھے،اس لیے اگر اللہ تعالیٰ سے دُعائیں بھی مانگتے تو اپنی دنیوی امور کی تکمیل کے لیے دُعائیں مانگا کرتے تھے۔یہی صورتِ حال آج کل بھی پائی جاتی ہے کہ کچھ لوگ صرف دنیا کے لیے حج کرتے ہیں،حج پر جاکر بھی اللہ سے صرف دنیا ہی مانگی کہ یااللہ! روزی دے، بچہ کی ملازمت دے، بچے کا نیک رشتہ دے، نہ تو اپنی مغفرت مانگی اور نہ ہی جنّت اور آخرت مانگی۔

اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی کہ ایک مؤمن کو اپنی دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہیے۔یہی سچے حاجی ہیں، جو کہتے ہیں: ''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝'' اے اللہ! دنیا بھی دے اور آخرت بھی دے۔لفظِ ''حَسَنَةً'' تمام ظاہری وباطنی بھلائیوں اور خوبیوں کو شامل ہے اور یہ ایک ایسی جامع دُعا ہے جس میں انسان کے تمام دینی ودنیوی مقاصد آجاتے ہیں۔نیز یہ حاجی اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا بھی کرتے ہیں کہ ''وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیجیے! اس لیے اِن دو قسم کے حاجیوں میں سے تم سچے حاجی بننا،صرف دُنیا مانگنے پر اکتفا نہ کرنا۔

''نیک بیوی'' کے حصول کی دُعا

ہمارے شیخ حضرت اقدس حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

قرآنِ کریم میں مذکور یہ دُعا ''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝'' پڑھنے سے ہر قسم کی اچھائی نصیب ہوتی ہے اور دُنیا وآخرت میں بھلائی کی ایک تفسیر خوبصورت بیوی بھی ہے، یہ تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔(قرطبی) لہٰذا اگر کوئی شخص مذکورہ دُعا پڑھے تو حق تعالیٰ اسے نیک اور خوبصورت بیوی عطا فرمائیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ۝

ایک فسادی منافق کا ذِکر

جیسے حاجی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایسے ہی لوگ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، کچھ لوگ منافق ہیں اور کچھ مخلص مؤمن۔مذکورہ آیت میں ایک منافق کا ذکر کیا گیا ہے جس کا نام ''اخنس بن شریق'' تھا، یہ مدینہ آیا، بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرنے

والا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیا اور آ کر کہا کہ حضرت! اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں آپ جیسا نبی دیا، آپ کی مجلس میں آتے ہیں تو مزہ آ جاتا ہے، حضرت آپ سے جب جدا ہوتے ہیں تو ہم ایسے تڑپتے ہیں جیسے مچھلی پانی کے بغیر تڑپتی ہے، اس طرح کی چکنی چپڑی باتیں کرتا اور اللہ کو گواہ بنا کر اپنے ایمان کا اظہار کرتا تھا، فرمایا کہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" اس کی باتیں آپ کو اچھی بھی لگتی ہیں، لیکن جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اُٹھا تو راستے میں مسلمانوں کے کھیتوں کو آگ لگا دی اور ان کے مویشیوں کو ذبح کر ڈالا، جیسا کہ آج کل گندم کی فصل تیار ہے تو بہت سے لوگ، حسد اور دشمنی میں آ کر لوگوں کی گندم کو آگ لگا دیتے ہیں یہ نفاق اور منافقت ہے، یہی کام منافق کرتے تھے، "وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ" اللہ نے فرمایا کہ یہ منافق اور فسادی ہے۔ سمجھانے کے باوجود یہ باز نہیں آئے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

کامل مومنین کا ذِکرِ خیر

فرمایا کہ اگر دُنیا میں کچھ لوگ منافق اور بدخواہ ہوتے ہیں تو کچھ لوگ مخلص مومن بھی ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی جانیں تک اسلام کی خاطر کھپا رکھی ہوتی ہیں، مفسرین کرامؒ نے اس ضمن میں بہت سارے صحابہ کرامؓ کے واقعات بیان کیے ہیں، مثلاً حضرت صُہیب رومیؓ جب ہجرت کرنے لگے تو مشرکین نے انہیں ہجرت سے روک لیا تو حضرتؓ اپنی سواری سے اُترے اور کُفار کو للکار کہا کہ اے گروہِ قریش! تم خوب جانتے ہو کہ مجھ سے زیادہ تیر اندازی کا ماہر کوئی نہیں، اللہ کی قسم اگر تم لڑائی چاہتے ہو تو تب تک میرے قریب نہیں پہنچ پاؤ گے جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر باقی ہے اور میرے ہاتھ میں تلوار باقی ہے۔ اگر تمہیں خیر کا راستہ چاہیے تو مکہ میں فلاں جگہ میرا مال اور جائیداد موجود ہے، وہ سب لے لو اور مجھے اپنے نبی کی غلامی کے لیے مدینہ جانے دو۔ میں اپنی ساری دنیا قربان کرتا ہوں، فرمایا کہ تم بھی ایسے ہی مخلص بنو جیسا کہ صحابہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص تھے۔

انہی حضرات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنے آپ کو بھی قربان کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

پکے ٹھکے مسلمان بنو!

بعض یہودی حضرات اسلام قبول کرنے کے باوجود کوشش کرتے تھے کہ شریعتِ موسویہ کے بعض احکام کی پاسداری بھی ہوتی رہے، مثلاً اونٹ شریعت موسوی میں حرام تھا اور اسلام نے بھی اس کے کھانے کو فرض قرار نہیں دیا، لہٰذا

اونٹ کھانا چھوڑ دیا، اونٹ کا دودھ بھی چھوڑ دیا، تاکہ دونوں شریعتوں پر عمل ہو سکے۔ اس لیے عمومی حکم بیان فرمایا کہ جب تم نے کھلے دِل سے اسلام قبول کرلیا تو اب صرف اسلامی احکامات پر عمل کرو، پچھلے مذہب کی رعایت میں وہ کام نہ کرو جس کا اسلام نے حکم نہیں دیا، مسلمان بنو تو پکے اور پورے مسلمان بنو، ادھورے مسلمان نہ بنو۔ شیطانی چالوں میں نہ آؤ۔ اگر بہک گئے تو اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ

''ایمان بالغیب'' ہی تو اصل آزمائش ہے

کفّار اور یہودِ مدینہ یہ مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ اللہ ہمیں براہِ راست نظر آئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کا حکم دے تب ہم ایمان لائیں گے، اس آیت میں اسی کا جواب دیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ خود سامنے آجائیں تو پھر ''آزمائش'' کیا باقی رہی! اصل قیمت اور آزمائش تو ''ایمان بالغیب'' کی ہے، دنیا اسی آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے کہ انسان اپنی عقل استعمال کر کے ''خالق'' تک رسائی حاصل کرے، ''غیب'' کی چیزیں تو قیامت کے روز ہی سب کے سامنے آئے گی اور ظاہر ہے کہ اُس دن ایمان معتبر نہیں ہوگا بلکہ وہ تو اعمال کی جزا اور سزا کا دن ہوگا۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

مال و دولت کی فراوانی ''ربّ کی رضا'' کی دلیل ہرگز نہیں ہے

بنی اسرائیل اور یہودی اس لیے ناکام ہوئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کی فروانی کو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھنے کی غلطی کر بیٹھے تھے، اس آیت میں اس باطل خیال کی تردید کی گئی کہ دنیا میں رزق کی فروانی کسی کے ''حق'' پر ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، کافر کو بھی بے حساب رزق مہیا کیا جاسکتا ہے۔ شیطان نے ان کے گناہ ان کی نظر میں اچھے اور خوبصورت بنا دیے ہیں، اس لیے وہ اہلِ ایمان کا مذاق اُڑاتے ہیں، حالانکہ قیامت کے دن اہلِ ایمان بہت ہی بلند مقامات پر ہوں گے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِـيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

بعثتِ انبیاءؑ کی وجہ اور پس منظر

شروع میں سب انسان حق مذہب کے قائل اور توحید کے علمبردار تھے، بعد میں طبائع کے اختلاف سے اغراض میں اختلاف ہوا جو رفتہ رفتہ اعمال اور عقائد کے اختلاف تک پھیل گیا اور حق و باطل میں التباس اور خلط ملط ہونے لگا، اسی حق کو واضح کرنے اور لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے جن کی دعوت کے نتیجے میں کچھ لوگ راہِ راست پر آگئے اور ''مومن'' کہلائے جب کہ بعض لوگ اپنی ضد بازی پر قائم رہے اور ''کافر'' ٹھہرے اور ہمیشہ ہمیشہ کی تباہی مول لی۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝

''جنّت'' چاہیے تو آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا

فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مفت میں جنّت چلے جاؤ گے! حالانکہ تم پر ابھی وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے والے لوگوں پر آئے تھے، انہوں نے دین کے راستے میں بڑی شدید تکالیف برداشت کی تھیں، لہٰذا جیسے پہلے لوگوں پر دین کی خاطر آزمائشیں آئی تھیں، تمہیں بھی یہ آزمائشیں برداشت کرنی پڑیں گی، بدنی تکلیفیں بھی آسکتی ہیں اور مالی تکلیفیں بھی آسکتی ہیں۔ ''باساء'' بدنی تکلیف اور ''ضراء'' مالی تنگی کو کہتے ہیں۔ اس لیے اے مسلمانو! تمہیں جو کُفّار کی طرف سے تکلیفیں اور مصائب پہنچتے ہیں، ان پر صبر کرنا چاہیے، اصلی اور حتمی راحت تو ان شاء اللہ! جنّت میں ملے گی اور وہ راحت تبھی حاصل ہوگی جب اس کے لیے کچھ مشقت اور محنت برداشت کرو گے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

صدقات کا بہترین مصرف

حضرات صحابہ کرامؓ اپنے معاملات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر سرانجام دیا کرتے تھے، بعض صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ! ہم اللہ کے رستے میں اگر خرچ کرنا چاہیں تو کہاں خرچ کریں اور کتنا خرچ کریں؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ خرچ کا بہترین مصرف، والدین، قریبی رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر لوگ ہیں، اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ''کتنا'' خرچ کریں تو اس کی شریعت میں کوئی تحدید نہیں ہے، جتنا توفیق ہو خرچ کر سکتے ہو، تمہارے ہر ہر عمل خیر کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے بھی ہیں اور اس پر تمہیں اجر بھی دیں گے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

اپنی بقاء کے لیے جہاد کے بغیر کوئی چارہ نہیں

فرمایا کہ اگرچہ تمہیں طبعی طور پر یہ حکم مشکل اور گراں لگے لیکن جہاد تو تمہیں کرنا ہی پڑے گا، یہ تم پر فرض کر دیا گیا ہے، کسی بھی چیز کے ظاہر کو مت دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، کسی حکم میں کیا فائدہ اور کیا نقصان ہے، ایک بندہ کا کام یہ دیکھنا نہیں ہے۔ وہ بس اللہ کا حکم سمجھ کر اس کام کو کر گزرے، حقیقت جب سامنے آئے گی تب پتہ چلے گا کہ اللہ کا کوئی حکم بھی بندوں کی مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

مشرکین کا بے بنیاد پروپیگنڈا اور منہ توڑ خدائی جواب

ایک سفر کے موقع پر کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں ایک مشرک "عمرو بن امیہ ضمری" قتل ہو گیا، اہل اسلام نے سمجھا کہ آج ۳۰ / جمادی الاخری ہے، جبکہ چاند نظر آ چکا تھا اور یکم رجب ہو چکی تھی، اور رجب اشہر حرم میں سے ہے، اس پر مشرکین نے مسلمانوں کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ یہ لوگ کیسے مسلمان ہیں جو حرمت والے مہینوں کا بھی پاس نہیں رکھتے۔ اس آیت میں اس پروپیگنڈے کا جواب دیا گیا کہ اول تو یہ قتل ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہوا، جان بوجھ کر حرمت والے مہینے میں قتل نہیں کیا گیا۔ دوسرا یہ کہ تم لوگ جو صرف قتل ہونے پر اتنا واویلا مچا رہے ہو، کبھی اپنے افعال پر بھی تم نے غور کیا ہے کہ کیسے بڑے بڑے گناہوں کا تم نے ارتکاب کر رکھا ہے! تم لوگ نہ صرف مسجد حرام سے روکتے ہو بلکہ جو حرم کی عبادت کے اصل اہل ہیں، ان کی زندگی بھی تم نے اجیرن بنا کر رکھی ہے اور انہیں مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ کیا یہ کم "فتنہ" ہے!

کبھی بھی کفّار کی باتوں میں مت آنا!

نیز یہ بھی فرمایا کہ کفّار کبھی بھی تمہارے اسلام پر مطمئن نہیں ہوں گے اور ان کی پرزور کوشش ہوگی کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ خبردار! اگر تم ان کی باتوں میں آ کر اپنا حق مذہب چھوڑ بیٹھے تو اللہ تمہارے سب اعمال ضبط کر لے گا اور دنیا و آخرت کی رسوائی الگ ہوگی۔ جو لوگ ایمان لائے اور دینی اعمال پر ڈٹے رہے تو وہ بلاشبہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت غفور ورحیم ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

جوے اور شراب کا حکم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوے کا حکم بیان فرمایا، چونکہ عرب کے لوگ صدیوں سے شراب نوشی کے عادی تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت میں تدریج سے کام لیا، اس آیت میں صرف اتنا بتایا گیا کہ شراب نوشی کے نتیجے میں انسان سے ایسی حرکتیں صادر ہوجاتی ہیں جو شرعاً گناہ ہیں، اس میں اگرچہ کچھ جسمانی اور نفسیاتی فائدے بھی ہیں لیکن گناہ کے امکانات زیادہ ہیں۔ اسی طرح جوے میں بھی وقتی فائدے ہیں لیکن نقصانات زیادہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ شراب کو حرام کیا اور شراب اور جوے کی نفرت دلوں میں بٹھائی، بالآخر سورتِ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ ”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝“ (المائدۃ:۹۰) یہ جوا اور شراب ناپاک اور شیطانی عمل ہے، صاف صاف حکم ہے کہ اس سے پرہیز کرو، یہ حرام ہے۔

اپنی ضروریات سے زائد مقدار ”صدقہ“ کرنا چاہیے

بعض صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے صدقہ کا ثواب سن کر اپنی تمام جمع پونجی صدقہ کردی اور گھر والے بھوکے رہ گئے، اس پر حکم دیا گیا کہ ”وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝“ صدقہ اتنا ہونا چاہیے کہ گھر والے محتاج نہ ہوجائیں، اس لیے اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات کی تکمیل کے بعد صدقہ دینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ خود محتاج رہ جاؤ۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

معاشرتی اور ازدواجی زندگی کے متعلق احکامات

فرمایا کہ مشرک عورت سے شادی نہ کرو اور مسلمان عورت بھی کسی مشرک مرد سے شادی نہ کرے۔ مشرک مرد کے بجائے کسی مومن غلام سے نکاح کرلینا بہتر ہے اور مشرکہ عورت کے بجائے مومنہ باندی سے نکاح کرلینا زیادہ بہتر ہے۔ مشرک یا مشرکہ رفیقِ حیات دوزخ کی جانب بلاتے ہیں، اس لیے بچنا ضروری ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اَیامِ حیض کے اَحکام

حیض کی حالت، ایک گندگی کی حالت ہے، ایسی حالت میں بیویوں کے قریب نہ جاؤ، جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں، جب پاک ہو جائیں تو شرعی طریقے کے مطابق اس سے نفع حاصل کیا جائے، یہی پاک صاف طبیعتوں کا طریقہ ہے اور اللہ ایسی ہی طبیعتوں کو پسند کرتا ہے۔ نیز بیوی سے انتفاع کا مقصد چونکہ صرف خواہش پرستی نہیں بلکہ نسلِ انسانی کے اضافے کا ذریعہ ہے، اس لیے اس مقصد کے لیے صرف وہی راستہ استعمال کیا جائے جو شریعت نے اس کام کے لیے بنایا ہے، کسی اور ذریعہ سے اور خلافِ فطرت رستے سے جنسی لذت حاصل کرنا حرام ہے۔ البتہ جسم کے جس حصہ کو اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی افزائش کا ذریعہ بنایا ہے، اس تک پہنچنے کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی حرج کی بات نہیں، البتہ ممنوع طریقے اور رستے استعمال کرنا شرعاً حرام ہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

قَسم اُٹھانے کے بارے شرعی ہدایات

اللہ کا نام لے کر ایسی قسمیں نہ اٹھاؤ جو نیکی کے کاموں میں رکاوٹ بن جائیں۔ اگر خدانخواستہ کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر ایسی قسم اُٹھالی جائے تو قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔

نیز بھول کر جو تم قسم اٹھاتے ہو، جیسے بعض لوگوں کا ارادہ قسم کھانے کا نہیں ہوتا بلکہ تکیہ کلام کے طور پر وہ بات بات پر ''اللہ کی قسم'' وغیرہ جیسے قسمیہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، درحقیقت یہ ''لغو'' قسم ہے، اسی طرح بسا اوقات انسان کسی ماضی کی بات پر اپنے آپ کو سچا جان کر قسم کھاتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا تھا، یا میں نے یہ کام نہیں کیا تھا، جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے تو یہ قسم بھی ''لغو'' ہی ہے، ایسی قسم اگرچہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں لیکن بات بات پر قسم کھانے کی عادت کوئی اچھی عادت نہیں ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ البتہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے بارے جو قسم کھائی جائے تو وہ منعقد ہو جائے گی، اس کے خلاف کرنے پر قسم کا کفارہ بھی دینا ہوگا۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

"ایلاء" کے اَحکام

عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ بیوی سے ناراضگی کے اظہار کے طور پر قسم کھالیتے تھے کہ بیوی کے قریب نہیں جائیں گے، اس سے بیوی کے نہ تو شرعی حقوق ادا ہوتے تھے اور نہ ہی وہ کسی اور جگہ شادی کرسکتی تھی، نتیجہ کے طور پر وہ بے چاری لٹکی رہتی تھی، ایسی قسم کو شریعت میں "ایلاء" کہتے ہیں۔

اس آیت نے واضح حکم بتادیا کہ اگر کسی نے ایسی قسم کھالی تو اسے صرف چار ماہ کی مہلت ہے، اس دوران اگر اپنی قسم توڑ کر بیوی سے معمول کے ازدواجی تعلقات بحال کرلیے تو بہت اچھے! نکاح برقرار رہے گا، صرف قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ لیکن اگر کسی نے چار ماہ تک اپنی قسم نہ توڑی اور بیوی کے پاس نہ گیا تو ایسی صورت میں قطعی طلاق سمجھی جائے گی اور بیوی ایسے ظالم کے نکاح سے نکل جائے گی۔ نکاح خود بخود ختم سمجھا جائے گا۔ اس حکم سے شریعت نے ان مظلوم خواتین کے لیے بہت سہولت پیدا کردی جو پہلے انہی قسموں کی وجہ سے زندگی بھر لٹکی رہتی تھیں، اب صرف چار ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ
يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ
عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

مطلقہ عورت کی عدّت کے اَحکام

قرآنِ پاک میں واضح کردیا گیا کہ اگر میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق قائم ہوگیا ہو یا خلوت پائی گئی ہو (تنہائی کا ایسا موقع جس میں ازدواجی تعلق قائم کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو) اس کے بعد اگر طلاق ہوجائے تو عورت تین ماہواریاں پوری ہونے تک عدت گزارے گی، اور اگر خاتون حاملہ بھی ہو تو پھر اس کی عدت، بچے کی پیدائش پر ختم ہوگی، اس لیے عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنا حمل چھپائے اور ظاہر نہ کرے۔ نیز طلاقِ رجعی کی صورت میں دورانِ عدت اگر باہمی معاملات سلجھ جائیں اور شوہر رجوع کرنا چاہے تو اسے اس کا پورا پورا حق حاصل ہے، بلا وجہ میاں بیوی کے معاملات میں خرابیاں پیدا نہ کی جائیں۔ دونوں کے ایک دوسرے کے ذمہ حقوق اور فرائض ہیں، جیسے شوہر کے بیوی کے اوپر کچھ حقوق ہیں، ویسے بیوی کے بھی اپنے شوہر کے ذمہ حقوق و فرائض ہیں، انہیں پورا کیا جائے، تاہم زندگی کے سفر میں شوہر چونکہ امیر اور نگران ہے، اس لیے اسے ایک گونہ فوقیت حاصل ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا
اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ

مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝

''طلاق'' ایسی دو کہ واپسی کا راستہ باقی رہے

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کبھی طلاق دینی بھی پڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ دو بار صاف الفاظ میں طلاق دی جائے تاکہ شوہر کے پاس عدت کے دوران رجوع کا حق باقی رہے، اگر عدت گزر بھی جائے تب بھی آپس میں نیا نکاح کیا جاسکتا ہے، تین طلاق دینے کو شریعت نے ناپسند کیا ہے۔

نیز قرآن پاک نے یہ بھی حکم دیا کہ ''فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ'' ایک یا دو طلاق کے بعد دوبارہ رجوع کر کے اکٹھے رہنے کا فیصلہ کیا جائے یا مستقل علیحدگی کا، دونوں صورتوں میں معاملات خوش اسلوبی سے حل کیے جائیں، جس طرح نکاح کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے پایا تھا، اسی طرح اتنا عرصہ اکٹھے رہنے کا کم سے کم اتنا پاس لحاظ تو ہو کہ اس معاملے کو عمدہ انداز سے ختم کیا جائے اور مطلقہ بیوی کو کچھ تحفے تحائف دے کر عزت سے رخصت کیا جائے، یہی شریعت کا حکم ہے۔ گالم گلوچ، مار پیٹ اور الزامات لگا کر تعلقات ختم کرنا، اچھے اور شریف لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔

''خلع'' کی تفصیل

اس کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ ''وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا'' عام حالات میں شوہر کے لیے حلال نہیں ہے کہ طلاق دینے کے بدلے میں عورت سے مہر یا کسی مال کا مطالبہ کرے، البتہ اگر ''اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ'' طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو، یعنی وہ عورت ہی شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور وہ خود ہی شوہر سے، شوہر کی زیادتی کے بغیر، طلاق کا مطالبہ کرے اور اس وجہ سے دونوں کو اندیشہ ہو کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشگواری کے ساتھ حقوقِ نکاح کو ادا کرنا مشکل ہے تو ایسی صورت میں جائز ہے کہ عورت اپنے مہر کو معاف کردے یا اگر وصول کرلیا ہے تو کُل یا اس کے کسی حصے کو واپس کر کے شوہر سے طلاق لے لے، یہ معاملہ باہمی رضامندی سے طے پانا ضروری ہے، اسی کو عربی میں ''خلع'' کہتے ہیں، شوہر کی رضامندی کے بغیر محض یک طرفہ مطالبہ پر ''خلع'' نہیں ہوسکتی۔

تین طلاقوں کی صورت میں حکم

اگر کسی شوہر نے شریعت کی دی ہوئی ان رعایتوں کا پاس نہیں کیا اور اپنی بیوی کو تین طلاق (اکٹھے یا الگ الگ) دے دیں تو گویا اس نے ایک نہیں، دو نہیں بلکہ تین فائر مارے ہیں اپنی بیوی کو، ظاہر ہے کہ تین فائر لگنے کے بعد بندہ کہاں بچتا ہے۔ لہٰذا جو بھی یہ حرکت کرے گا، وہ شرعاً گناہ گار ہوگا اور اپنی بیوی سے محروم ہوجائے گا، ''فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ''قرآن نے کہا ہے کہ تین طلاقوں کے بعد اب بیوی حلال نہیں ہے، اب ایسے نالائق اور نا قدرے شوہر کے ساتھ رہنے کے جتن کرنا بھی مناسب نہیں ہے، جو پہلے ہی تمہیں تین فائر مار چکا، دوبارہ اسی کے ساتھ کیوں رہنا؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے ناقدرے شخص سے آزادی دی ہے، شکر پڑھو اور عدت کے بعد کسی اور جگہ شادی کی سوچو۔ لیکن اگر کسی وجہ سے دوبارہ اسی شوہر ہی کے ساتھ رہنا منظور ہو تو اس کے لیے شریعت نے ایک راستہ بتایا ہے جسے عربی میں ''حلالہ'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بغیر اپنے پہلے شوہر کے ساتھ بسنے کی کوئی صورت شرعاً جائز نہیں ہے۔ ''حلالہ'' کی اپنی تفصیلات اور کڑی شرائط ہیں جس کا ہمارے معاشرے میں لحاظ نہیں رکھا جاتا، حسبِ ضرورت اس کی تفصیلات کسی مستند مفتی سے سمجھی جاسکتی ہیں۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم

واضح رہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں خواہ ایک جملہ سے دی ہوں یا الگ الگ جملوں سے دی ہوں، تین طلاقیں شمار ہوں گی اور حرمت مغلظہ ثابت ہوگی، جس میں رجوع نہیں ہوسکتا، اس پر جمہور صحابہ اور تابعین اور چاروں اماموں یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا اتفاق ہے۔ اور یہی قرآن وسنت کی تعلیمات سے ثابت ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کی دلیل مندرجہ بالا آیت ہے، جبکہ کئی احادیث مبارکہ سے بھی یہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ چند احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں:

۱...... عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي هَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَنْفَذَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم" (سنن أبي داود-۲/۲۲۲)

ترجمہ:- حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دے دیں تو آپ نے تینوں کو نافذ فرمایا۔

۲...... حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا سُئِلَ عَمَّنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا قَالَ لَوْ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَنِي بِهَذَا فَإِنْ طَلَّقْتَهَا (طَلَّقَهَا) ثَلَاثًا حَرُمَتْ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ (غَيْرَهٗ)۔ (صحيح البخاري-ص:۰۰)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جب اس شخص کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں تو فرماتے: اگر تو نے ایک یا دو طلاقیں دی ہوتیں (تو رجوع کرسکتا تھا) اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کا (رجعت کا) حکم دیا تھا، اور اگر تین طلاقیں دے دیں تو عورت حرام ہوجائے گی، یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

۳...... ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الأوزاعي والنخعي والثوري

وأبو حنيفة وأصحابه ومالك وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيد وآخرون كثيرون على أن من طلق امرأته ثلاثا وقعن ولكنه يأثم وقالوا من خالف فيه فهو شاذ مخالف لأهل السنة وإنما تعلق به أهل البدع ومن لا يلتفت إليه لشذوذه عن الجماعة التي لا يجوز عليهم التواطؤ على تحريف الكتاب والسنة۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:۱۵/۳۰)

ترجمہ:- جمہور تابعین علمائے کرام اور ان کے بعد آنے والے حضرات، مثلاً امام اوزاعیؒ، امام ابراہیم نخعیؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین، امام مالکؒ اور ان کے متبعین، امام شافعیؒ اور ان کے متبعین، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے متبعین اور ان کے علاوہ بہت سے نامور حضرات کا موقف یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دے دیں تو تین ہی سمجھی جائیں گی، اور یہ شخص گناہگار ہوگا۔

ان سب حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ (صحابہ کرام کے اجماع کے بعد) اس مسئلہ میں جو الگ رائے قائم کرے گا، وہ اہلِ سنّت والجماعت سے ہٹا ہوا اور منفرد ہوگا اور ایسے شخص کی رائے (اکابر حضرات فقہاء اور پیغمبر کے اداشناس اور متقی لوگوں کے مقابلے میں) قابلِ قبول ہی نہیں ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۲۳۱

گھر بسانے کی نیت سے "رُجوع" کرو، ظلم کی نیت سے نہیں

زمانہ جاہلیت میں خواتین پر ظلم کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیتے، جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اس سے "رجوع" کر لیتے، وہ دوبارہ زوجیت میں آجاتی لیکن اس کے حقوق ادا نہ کرتے اور کچھ عرصہ بعد پھر طلاق دے دیتے اور عدت گزرنے سے پہلے پھر رجوع کر لیتے، یوں اس بیچاری کے نہ حقوق ادا ہوتے اور نہ ہی اس ظالم سے اسے رہائی ملتی اور وہ غریب زندگی بھر لٹکی رہتی، شریعت نے ان آیات میں اس ظالمانہ بلکہ جاہلانہ طریقے کو حرام قرار دیا ہے کہ نکاح اور طلاق کو کھیل مت بناؤ! شرعی حدود میں رہو اور شرعی احکامات کی پاسداری کرو۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۳۲

طلاقِ رجعی کی صورت میں ''رُجوع'' میں رُکاوٹ نہ پیدا کی جائے

فرمایا کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دی ہو اور اس دوران عدت بھی گزر جائے تو باہمی رضامندی سے دوبارہ نیا نکاح کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل جدائی میں بسا اوقات اپنی غلطیوں کا احساس بھی ہو جاتا ہے اور آئندہ کے لیے سُدھار پیدا ہونے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں، لہٰذا اگر شوہر نے تین طلاقیں نہ دے رکھی ہوں اور عدت گزر جانے کے باوجود وہ دونوں آپس میں پھر سے نکاح کرنے پر آمادہ ہوں تو خاندان والوں کو بھی چاہیے کہ اپنی ''خودساختہ انا اور غیرت'' کی آڑ نہ لیں بلکہ اسے اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنے دیں، ہاں یہ کیا جاسکتا ہے کہ دوبارہ نکاح کرنے سے پہلے فریقین کو سلیقے سے سمجھا دیا جائے کہ بھیا! اب ایسی حماقتیں مت کرنا جن کی وجہ سے پہلے بھی یہ رشتہ ٹوٹ چکا۔

شانِ نزول

ان آیات کے شانِ نزول میں ایک صحابی ''حضرت معقل ابن یسار؄'' کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جن کی بہن کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی، جب عدت گزر گئی تو شوہر اپنے فعل پر پشیمان ہوا اور دوبارہ اس خاتون کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا، خاتون بھی اس شادی پر آمادہ تھی لیکن حضرت معقل؄ کو اپنے سابقہ بہنوئی کی طلاق والی حرکت پر فطری غصہ تھا، انہوں نے قسم کھائی کہ اب دوبارہ یہ شادی نہیں ہوگی، اس پر قرآنِ کریم کی تنبیہ نازل ہوئی کہ ''وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ'' (بخاری، ج:۲، ص:۱۳۴، رحمانیہ)۔ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو اور وہ اپنی عدّت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو، کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہوگئے ہوں۔

اس پر حضرت معقل؄ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور خود جا کر اپنی بہن کا نکاح ان کے پہلے شوہر سے کرا دیا۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

''رضاعت'' کے اَحکامات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رضاعت کا مسئلہ بیان فرمایا کہ مائیں اپنے بچوں کو خود دودھ پلائیں، آج کل مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں، دیگر ملکوں میں تو اس مقصد کے لیے ملک بینک (Milk Bank) قائم ہوچکے ہیں جن میں

خواتین کا دودھ جمع کر لیا جاتا ہے اور جو خاتون اپنے بچّے کو دودھ پلانا چاہے، وہاں سے دودھ خرید ے اور اپنے بچّے کو پلا دے، کوئی نہیں پتہ کہ اس بچّے نے کس خاتون کا دودھ پیا ہے، اس سے ''رضاعت'' کے اتنے شرعی مسائل پیدا ہوتے ہیں کہ بندہ سوچ ہی نہیں سکتا۔

اس لیے شریعت نے بڑا صاف ستھرا حکم دیا کہ مائیں اپنے بچّوں کو خود دودھ پلائیں، دو سال مدّت رضاعت ہے، مجموعی مدّت اڑھائی سال ہے، کچھ عرصہ دودھ چھڑانے کے لیے بھی چاہیے، وہ چھ ماہ ہیں۔ دو سال کے بعد دودھ چھڑوانے کی ترتیب بنانی چاہیے (اگر کسی مصلحت کی وجہ سے پہلے بھی دودھ چھڑوا دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے) اور جو عورت دودھ پلا رہی ہے اس کا خرچہ بچّے کے باپ کے ذمہ ہے۔ اگر نکاح باقی ہے تو ویسے بھی خرچہ شوہر کے ذمہ لازم ہے اور اگر نکاح ختم ہو چکا ہے تو جب تک عدّت باقی ہے، مطلقہ کا نفقہ شوہر دیتا رہے اور عدّت کے بعد بچّے کے دودھ پلانے کے اخراجات بھی اسی کے ذمہ لازم ہیں۔ تاہم یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر ماں کسی معقول وجہ سے دودھ پلانے سے انکار کر دے تو اسے مجبور کرنا جائز نہیں لیکن اگر بچّہ اپنی والدہ کے علاوہ کسی اور کا دودھ نہ لیتا ہو تو پھر ماں کے لیے دودھ پلانے سے انکار کرنا بھی ظلم ہے، شرعاً جائز نہیں ہے۔ اگر خرچ ادا کرنے کے لیے بچّے کا والد زندہ نہ ہو تو اس کے ورثاء خرچہ ادا کریں گے، کیونکہ وہ خاتون انہی کی نسل اور انہی کے وارث کی خدمت کر رہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

''بیوہ'' کی عدّت

بیوہ خاتون اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش پر عدت پوری ہو جائے گی۔ عدت گزرنے کے بعد اگر وہ کہیں نکاح کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

عدّت کے دوران نکاح کا صاف پیغام دینا جائز نہیں

عدت کے دوران کسی عورت کو نکاح کا صاف پیغام بھجوانا یا اس سے نکاح کا معاہدہ کر لینا کہ عدت کے بعد مجھ ہی سے نکاح کرو گی، جائز نہیں، البتہ کوئی مناسب اشارہ دیا جا سکتا ہے جس سے عورت کو بات سمجھ آ جائے کہ عدت کے بعد یہ شخص مجھ سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے، مثلاً کہ میں بھی کسی مناسب رشتے کی تلاش میں ہوں، وغیرہ۔ عدت کے دوران ایسے اشارے کنائے میں پیغام دینے میں حرج نہیں۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

مطلقہ عورتوں کی اَقسام اوران کے اَحکام

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ جن عورتوں کو طلاقیں ہوتی ہیں وہ چار قسم کی ہیں:

۱- رخصتی سے پہلے طلاق ہوئی اور مہر بھی مقرر نہیں تھا، ایسی خواتین کو ایک جوڑا کپڑوں کا دینا تو واجب ہے، اس سے زائد حسبِ توفیق مزید تحفہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

۲- رخصتی سے پہلے طلاق ہوئی اور مہر بھی مقرر تھا تو ایسی صورت میں آدھا حق مہر دینا ہوگا۔

۳- رخصتی کے بعد طلاق ہوئی اور حق مہر بھی مقرر ہو تو پورا حق مہر دینا ہوگا۔

۴- رخصتی کے بعد طلاق ہوئی اور حق مہر مقرر نہیں تھا تو مہرِ مثل (عورت کے خاندان میں اس جیسی عورت کو جو مہر دیا جاتا ہو) ادا کیا جائے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾

ہر حالت میں نماز کی پابندی کرو

ان آیات میں فرمایا گیا کہ نمازوں کا اہتمام کرو، خواہ حالتِ جنگ ہی کیوں نہ ہو، نماز قضاء نہ کرو، جنگ کے دوران جیسے بھی موقع ملے، چاہے سواری پر رہو یا زمین پر، نماز لازمی ادا کرو، خاص طور پر ''عصر'' کی نماز کا زیادہ اہتمام کرو، ایسا نہ ہو کہ کاروبار کی مشغولیت کی وجہ سے نماز ضائع کردو۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾

''مُعْتَدَّةُ الوفات'' سے متعلّق اَحکامات

زمانہ جاہلیت میں جس خاتون کا شوہر فوت ہوجاتا تھا تو اس کی عدت ایک سال ہوتی تھی، شریعت نے واضح کردیا کہ ایسی عورت کی عمومی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ نیز ''میراث'' کے احکام نازل ہونے سے پہلے پہلے چونکہ حکم تھا کہ اپنے

قریبی عزیزوں کے لیے وصیت کرجایا کریں، تو اسی وقت کے احکام کے مطابق یہاں یہ حکم دیا گیا کہ شوہر بھی جاتے جاتے اپنی بیوی کے ایک سال کے خرچہ کی وصیت کر کے جائے تاکہ اُسے بعد میں تنگی نہ ہو۔ بعد میں آیتِ میراث کی وجہ سے یہ حکم اب باقی نہیں رہا۔

نیز چار ماہ اور دس دن کی عدت تو شوہر کے گھر گزارنا عام حالات میں واجب ہے، اس کے بعد عورت بااختیار ہے، اپنے قریبی عزیزوں کے گھر جانا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں۔

نیز اس جملہ ''وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ'' میں فائدہ پہنچانا ایک عام لفظ ہے، مہر کی ادائیگی، نفقہ کی ادائیگی، خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں کپڑوں کے سوٹ اور حسبِ توفیق تحائف کی ادائیگی، سب اس میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جدائی بھی خوش گوار انداز میں ہو، دشمنی کے ماحول میں نہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۞ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞

''تقدیر'' اور ''تدبیر''

مذکورہ آیات میں جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لیے ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر گزرے ہیں حضرت حزقیل علیہ السلام، جو بنی اسرائیل میں سے تھے، آپ علیہ السلام ایک جگہ سے گزرے تو وہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ مرے پڑے تھے، اتنی تعداد میں اکٹھے کیوں مارے گئے؟ اس کی وجہ بعض تفسیروں میں لکھی ہے کہ:

۱۔ ان کے علاقے میں طاعون کی وبا آگئی تھی، وبا پھیلنے کی صورت میں خدائی حکم یہ ہے کہ اس وبائی علاقے میں باہر سے لوگ اندر نہ آئیں اور اس وبائی علاقے کے لوگ، باہر نہ جائیں۔ لیکن ان لوگوں نے خدائی حکم کی خلاف ورزی کی اور علاقہ چھوڑ کر بھاگ نکلے کہ ہمیں طاعون نہ لگ جائے، جب وہ اپنی حفاظت کی جگہ پہنچے تو وہاں اللہ نے سب کو موت دے دی۔

۲۔ بعض تفسیروں میں یہ لکھا ہے کہ یہ لوگ جہاد کے خدائی حکم سے ڈر کر بھاگے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو مار کر یہ دکھا دیا کہ موت اور زندگی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہے تو جنگ کے بغیر بھی موت دیدے اور چاہے تو حالتِ جنگ میں بھی زندہ بچالے۔ لہٰذا موت سے بچنے کے لیے تدابیر، تقدیر کے مقابلہ میں نافع نہیں ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے دکھا دے۔ موت کے بعد زندگی دینے کی کئی مثالیں آگے آئیں گی۔ ان شاء اللہ!

بہرکیف! حضرت حزقیلؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن مُردوں سے خطاب کیا تو ''ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ'' اللہ نے ان

مُردوں کو پھر سے زندہ کر دیا۔اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی نہ کرو! موت تو ویسے بھی آجاتی ہے، جیسے ان لوگوں کو آ گئی تھی، لہٰذا ڈرو نہیں، جہاد کرو"وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو، خوف مت کھاؤ، یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب سنتے اور ہر بات کو خوب جانتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

حضرت طالوت کی اِمارت اور جہاد

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ساڑھے تین سو سال کے بعد بنی اسرائیل میں ایک پیغمبر گزرے ہیں جن کا نام حضرت سموئیل علیہ السلام تھا، حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کا کوئی متفقہ بادشاہ یا حاکم نہیں گزرا تھا، بس ہر قوم میں قاضی ہوا کرتے تھے، اسی وجہ سے مختلف بت پرست قومیں ان پر وقتاً فوقتاً حملہ آور بھی ہوتی رہتی تھیں، اس لیے قوم نے اپنے پیغمبر حضرت سموئیل علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمارے لیے ایک متفقہ بادشاہ اور جرنیل مقرر فرما دیں تاکہ ہم ان کی سرپرستی میں جہاد کریں۔

حضرت سموئیلؑ نے فرمایا کہ میں جرنیل تو مقرر کر دوں گا، لیکن تم جہاد نہیں کرو گے، کہنے لگے: کیوں نہیں کریں گے؟ ہم مظلوم ہیں، ہمارے ملک پر قبضہ ہو گیا ہے، ہمیں چھڑوانا ہے، آپ جرنیل مقرر کریں ہم لڑیں گے۔ حضرت سموئیلؑ نے اللہ کے حکم سے ایک غریب آدمی، جن کا نام "طالوت" تھا، کو امیر مقرر کر دیا۔ یہ بیچارے انتہائی غریب آدمی تھے، بعض تفاسیر کے مطابق بکریاں چرا کر گزارا کیا کرتے تھے جبکہ بعض کے مطابق آپ رنگریز تھے، کپڑے رنگا کرتے تھے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

قوم کے اُمراء کا فطری تکبر، اَمیر کی اطاعت میں رُکاوٹ بنا

ظاہر ہے کہ جب ایک غریب آدمی کو بڑا عہدہ اور منصب ملے تو امیروں کو ہضم نہیں ہوا کرتا، اس لیے قوم کے رئیس لوگ کہنے لگے: "اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا" اس غریب کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آ گیا! "وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ" اس کے مقابلے میں بادشاہت کا حق ہمیں زیادہ حاصل ہے، ہمارے پاس مال و دولت کی کوئی کمی نہیں جب کہ

"وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ" اس بیچارے کے پاس تو مالی وسعت بھی نہیں، یہ تو فقیر آدمی ہے، اس کی تو اپنی سواری نہیں اور جیب میں پیسے نہیں، اس لیے ہمیں امیر اور قوم کا بادشاہ بنایا جائے۔

منصب کے اصل حق دار "اہلِ علم" ہوا کرتے ہیں

وقت کے نبی نے اپنی قوم کو سمجھایا، میاں! "إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ" "اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارا سردار منتخب کیا ہے "وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ" یہ صاحب علم بھی ہیں اور شجاع و بہادر بھی ہیں، امیر کی صفات اور اہلیت ان میں پائی جاتی ہے۔ گویا نقلی اور عقلی طور پر یہی سرداری کے اہل ہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سردار کی نشانی بھی بتائی جاتی ہے

قوم کے سرداروں نے کہا کہ اگر یہ واقعی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ سردار ہیں تو اللہ ہمیں اس کی کوئی نشانی دیں! حضرت سموئیلؑ نے اللہ کے حکم سے قوم کو بتایا کہ ان کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہاری قوم کا وہ متبرک صندوق جس میں گزشتہ انبیاء کے تبرکات موجود تھے اور جو تم سے چھینا جا چکا ہے، اسے اللہ کے حکم سے اللہ کے فرشتے تمہارے پاس اُٹھا کر واپس لائیں گے۔

تبرکات کا ثبوت اور حکم

نیک صالح حضرات سے متعلقہ اشیاء کا بابرکت ہونا شرعاً ثابت ہے، لیکن ان تبرکات کو مشکل کشاء اور حاجت روا نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ تبرکات ثابت ہیں تبھی تو وہ صندوق لایا گیا جس میں وقت کے نبی کا کُرتا، عصاء اور تورات کی تختیاں وغیرہ تھیں، اسی کو حقانیت کی نشانی بتایا گیا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

بادشاہ کی سرپرستی میں جہاد اور حکم عدولی پر سزا

جب یہ صندوق والی نشانی پوری ہوگئی تو قوم نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا، طالوت جرنیل بن گئے تو اب جہاد کے

لیے انہوں نے اعلان کر دیا، ستر ہزار لوگ تیار ہو گئے۔ حضرت طالوت نے کہا کہ میں تمہارا امتحان لوں گا، پتہ چلے گا کہ کون سچا مجاہد ہے اور کون صرف نعرے لگانے والا ہے۔ آج کل مجاہد بھی دو طرح کے ہوتے ہیں کچھ لڑنے مرنے والے اور کچھ صرف نعرے لگانے والے۔ فرمایا امتحان یہ ہے کہ ہم جس راستے سے گزریں گے تو وہاں ایک دریا (دریائے اردن) سے ہمارا گزر ہوگا، گرمی کا زمانہ ہے، تمہیں پیاس بھی لگی ہوئی ہوگی، لیکن ذہن میں رہے کہ تم نے نہر سے پانی نہیں پینا، اگر بہت ہی پیاس لگی ہو تو صرف ایک یا دو گھونٹ پینے کی اجازت ہے، جی بھر کر اور خوب سیراب ہو کر پانی پینے کی ہرگز اجازت نہیں۔

لیکن ہوا یہ کہ "فَشَرِبُوۡا مِنۡهُ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ ؕ" اکثروں نے یہ سوچ کر پیٹ بھر کر پانی پی لیا کہ پانی پینے سے کیا ہونا ہے؟ جہاد ہی تو کرنا ہے، جب تک خوب کھایا پیا نہیں ہوگا تو جہاد کیسے کریں گے! یہ ان کی سوچ تھی لیکن ظاہر ہے کہ حکم کے مقابلے میں عقلی حکمتیں کام نہیں دیا کرتیں، امیر کی اطاعت میں اپنی خواہشات قربان کرنا پڑتی ہیں۔ بہرکیف! جن لوگوں نے حکم عدولی کی تھی، ان سب کو الگ کر دیا گیا کہ تم اب لڑنے کے قابل نہیں ہو، حقیقت میں بھی یہ لوگ لڑائی کے قابل نہیں رہے تھے، روایت کے مطابق بہت کم (تقریباً تین سو تیرہ) ایسے تھے جنہوں نے بادشاہ کی بات مانی تھی اور دریا کے پار عافیت سے پہنچے تھے۔

"جنگ لازم ہو تو لشکر نہیں دیکھے جاتے"

ان تین سو تیرہ افراد کا مقابلہ "جالوت" کی ایک لاکھ فوج سے تھا، جیسے بدر میں تین سو تیرہ صحابہ بغیر ہتھیاروں کے لڑے تھے، آٹھ تلواروں، دو گھوڑوں کے ساتھ ایک ہزار کے لشکر سے ٹکرا گئے تھے۔ اب ان حضرات کی بھی دو جماعتیں ہو گئیں، کچھ کامل الایمان تھے اور کچھ اکمل الایمان۔ جو کامل الایمان تھے وہ کہنے لگے: "قَالُوۡا لَا طَاقَةَ لَنَا الۡيَوۡمَ بِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ ؕ" تین سو تیرہ ہو کر ایک لاکھ سپاہ سے کیسے لڑیں گے! لیکن جن لوگوں کا ایمان پختہ اور اکمل تھا اور جنہیں اپنے رَبّ سے ملنے کا پکا یقین تھا، وہ کہنے لگے: "كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝" اللہ پر اپنا ایمان پختہ رکھو! اللہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو بڑی بڑی جماعتوں پر غلبہ دے دیتا ہے، رَبّ چڑیوں سے باز مروا دیتا ہے، لوگ کہتے تھے کہ افغانستان کے طالبان، بھوکے پیاسے مولوی، جن کے پاس لباس مکمل نہیں، یہ لوگ دنیا کی سپر پاورز اور نیٹو (NATO) کا مقابلہ کریں گے؟ آج ساری دُنیا نے دیکھ لیا کہ "كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝" اللہ تعالیٰ کا وعدہ بلاشبہ آج بھی سچا ثابت ہوا ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوۡا لِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ وَاٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝

جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ

دشمن فوج کے بڑے سردار کا نام "جالوت" تھا، بڑا طاقت ور پہلوان، اس نے بنی اسرائیل کو چیلنج کر رکھا تھا کہ ہے کوئی تم میں سے ایسا مائی کالال جو مجھ سے مقابلہ کر سکے! کہتے ہیں کہ کسی میں اس کے سامنے آنے کی ہمت نہ تھی، بالآخر حضرت داؤد جو اس وقت کم عمر تھے، انہیں بڑی غیرت آئی اور اپنے بادشاہ طالوت سے اجازت لے کر "جالوت" کے مقابلے کے لیے میدان میں آئے، جالوت سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا، حضرت داؤد نے بسم اللہ پڑھ کر اُسے کھینچ کے ایک پتھر مارا جو سیدھا اس کے دماغ میں گھس گیا، جالوت گر پڑا اور حضرت داؤد نے اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ دیا۔ اس سے جالوت کے لشکر میں خوف پھیل گیا اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔ ان حضرات نے جنگ شروع کرتے وقت جو اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ "رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝" "اے ہمارے ربّ! ہمیں صبر عطا فرما، اور دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہماری مدد بھی فرما، اللہ نے یہ دُعا قبول کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے اس عظیم الشان کارنامے پر سیّدنا طالوت، بہت خوش ہوئے اور اسی خوشی میں اپنی بیٹی کا نکاح حضرت داؤد سے کر دیا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بھی بنا دیا اور نبوّت سے بھی سرفراز فرمایا، اور یہ پہلی بار ایسا ہوا کہ نبوّت اور بادشاہت ایک ذات میں جمع ہو گئیں۔

جہاد کی پہلی حکمت

آگے جہاد کی حکمت بیان کی "وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝" فرمایا جہاد نہ ہوتا تو ساری زمین میں فساد برپا ہوتا، یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ "جہاد" کے ذریعے اہلِ حق کو اپنا دفاع کرنے اور باطل قوتوں کو دبا کر رکھنے کا موقع عنایت فرما دیا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

یہ ٹھیک ٹھیک واقعات "نبی" کے علاوہ اور کوئی بتا ہی نہیں سکتا

ان واقعات کا ٹھیک ٹھیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جاری ہونا آپ کی نبوت و رسالت کی واضح دلیل ہے۔ وحی کے علاوہ ان واقعات کے جاننے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اور یہ واقعات ایسے درست اور پکے ٹھکے ہیں کہ پچھلی کتابوں میں کی گئی تحریفات کو بھی انہی واقعات کی روشنی میں پکڑا جا سکتا ہے۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی واضح دلیل ہے۔

پارہ نمبر ۳

یہ پارہ سورۂ بقرہ کے بقیہ حصے اور سورۂ آلِ عمران کے ابتدائی حصے پر مشتمل ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

تمہید و ربط

دوسرے پارے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی پہلی حکمت یہ بیان فرمائی کہ "وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ" یعنی "جہاد" فساد کو روکنے کا فطری ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ بعض مومنین اور صالحین کے ذریعے سے فاسقین اور کافرین کا راستہ روکتے ہیں، یہی جہاد کی حکمت ہے۔ بالکل ایسے جیسے سیّدنا طالوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جالوت کے مظالم کو روکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ اور دنیا کے استبدادی اور ظالمانہ نظام کو توڑا۔ حضراتِ خلفائے راشدینؓ کی برکت سے قیصر و کسریٰ کا ظالمانہ و جابرانہ نظام ٹوٹا، جہاد اس لیے مشروع کیا گیا تاکہ دُنیا سے فساد کا خاتمہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق نظام قائم کیا جائے۔

حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے درجات

تمہید کے طور پر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کو بیان کیا کہ بعض انبیاءؑ کو بعض انبیاءؑ پر مخصوص چیزوں میں اور جزوی فضیلت حاصل ہے، لیکن تمام انبیاء پر کلی اور دائمی فضیلت میرے اور آپ کے آقا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، اس لیے فرمایا: "مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ" کچھ نبی ایسے تھے جو "کلیم اللہ" تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ" "بعض انبیاء کو دوسرے تمام انبیاء پر بدرجہا فضیلت حاصل ہے، یہ میرے اور آپ کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ "وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح معجزات سے نوازا اور روح القدس یعنی حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے ان کی مدد فرمائی، ان کے معجزات کی تفصیل سورت آلِ عمران میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم درجوں میں کتنے بلند ہیں؟ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: "اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ" "میں روزِ محشر تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اور مجھے کوئی فخر نہیں!

"وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ" "قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اور پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا، اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں!" "وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي" "سارے انبیائے کرام قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں ان سب کا قائد ہوں گا،" "وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ" "جب قیامت کے دن زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے میں اُٹھوں گا۔ (سنن الترمذی، ۵/ ۳۰۸)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ "وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ" "سب سے پہلے قیامت میں اللہ کے حضور میں سفارش کروں گا، اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۴/ ۱۷۸۲)

مسلم ہی میں دوسری جگہ فرمایا گیا کہ "وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ" "جنت کے دروازے کو سب سے پہلے میں کھٹکھٹاؤں گا، جنت کا دروازہ سب سے پہلے میرے لیے کھولا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۱/ ۱۸۸)

جامع ترمذی میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إذا كان يوم القيامة كنت إمام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم غير فخر" "روزِ محشر میں سب نبیوں کا امام وخطیب ہوں گا اور میں سب کی سفارش کروں گا، کوئی فخر نہیں۔ (سنن الترمذی: ۵/ ۵۸۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی خصوصیات سے نوازا گیا، محیر العقول معجزات عطا کیے گئے، چاند آپ کے اشارے پر دو ٹکڑے ہوا، آپ کی جدائی میں کھجور کا تنا بچوں کی طرح رونے لگا، شجر وحجر آپ کو سلام کرتے تھے، آپ سے جانوروں نے کلام کیا، اور آپ کی نبوّت کی گواہی دی، آپ اُنگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے، آپ کے سر پر ختمِ نبوّت کا تاج رکھا گیا آپ کے لیے تیمم جائز کیا گیا، آپ کے لیے غنیمت حلال کی گئی، وغیرہ ذلک۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ہیں۔ اس لیے فرمایا: "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ۔"

"دُنیا" دارُ العمل ہے

فرمایا کہ "وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ" "اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو لوگوں کی آپس میں لڑائی نہ ہوتی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دنیا "دار العمل اور دار الامتحان" ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ساری دنیا ہی کلمہ پڑھ لیتی، کسی کا کسی سے جھگڑا ہی نہ ہوتا، لیکن اس صورت میں جس مقصد کے لیے دنیا بنائی گئی ہے، وہ مقصد پورا نہ ہوتا، انسان کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ کون خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی مان کر سیدھے راہ پر چلتا ہے اور کون شیطانی ہتھکنڈوں کا شکار بن کر باغی بنتا ہے، اس لیے قرآنِ پاک میں حق کے دلائل واضح کردیے گئے، اب جس کی مرضی ہدایت قبول کرے اور جس کی مرضی، دشمنی مول لے کر اپنا نقصان خود کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ
وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

قیامت سے پہلے جو چاہے اعمال کرلو!

ایمان والوں سے خطاب ہے کہ اس دُنیوی زندگی میں جتنے چاہو نیک اعمال کرلو، یہ موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا، ذخیرۂ آخرت جتنا بنا سکتے ہو، بنالو، اللہ تعالیٰ کے حضور صرف اعمال کام آئیں گے، تعلقات اور لین دین سے کام ہرگز نہیں چلے گا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا
الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا
شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

''آیت الکرسی'' کے فضائل

اس آیت کا نام ''آیت الکرسی'' ہے جو اجر اور فضلیت کے اعتبار سے قرآنِ مجید کی سب سے بڑی آیت ہے۔ اس آیت کے بڑے فضائل ہیں:

۱۔ عرش کے خزانوں میں سے ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أعطيت آية الكرسي من كنز تحت العرش ولم يؤتها نبي قبلي'' (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال: ۱/ ۵۶۸) مجھے عرش کے نیچے موجود خزانوں میں سے ''آیۃ الکرسی'' عطا کی گئی اور یہ ایسی آیت ہے جو مجھ سے پہلے کسی بھی پیغمبر کو نہیں ملی۔

۲۔ قرآنی آیات کی سردار آیت

حدیث پاک میں ہے کہ ''البقرة فيها آية سيدة آي القرآن'' سورتِ بقرہ میں ایک آیت ایسی ہے جو قرآنی آیات کی سردار ہے۔ (جامع الأحاديث: ۱۱/ ۱۸۲)

۳۔ شیطان سے حفاظت

فرمایا کہ ''لا تقرأ في بيت وفيه شيطان إلا خرج منه آية الكرسي'' جس گھر میں بھی آیت الکرسی پڑھی جائے، شیطان اُس گھر سے نکل جاتا ہے۔ (حوالہ بالا)

۴- ہر فرض کے بعد تلاوت کا عادی ''جنّتی'' ہے

حدیث میں آتا ہے کہ ''من قرأ آية الكرسي دبر كل صلاة مكتوبة لم يحل بينه وبين دخول الجنة إلا الموت'' جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا، اس کے جنّت میں داخلے کے لیے صرف مرنے کی دیر ہے۔ (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، ۱/۵۶۹)

۵- آیت الکرسی کی پابندی کرنے والے کے لیے عظیم الشان اَجر

ایک روایت میں ہے کہ ''من قرأ آية الكرسي دبر كل صلاة مكتوبة كان الرب يتولى قبض روحه بيده وكان بمنزلة من قاتل عن أنبياء الله ورسله حتى يستشهد'' جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے کو اپنا معمول بنالے، اللہ تعالیٰ اس کی روح کو ملک الموت کے ذریعے نہیں، بلکہ بذاتِ خود، اپنے دستِ مبارک سے قبض کریں گے اور اُسے اُن لوگوں کے برابر اجر وثواب دیا جائے گا جو حضراتِ انبیاءؑ کی سرپرستی میں جہاد کرتے کرتے شہید ہوگئے۔ (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال: ۱/۵۶۹)

۶- حفاظت کا خدائی حصار

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ومن قرأها حين يأخذ مضجعه أمنه الله تعالى على داره ودار جاره ودويرات حوله'' جو شخص اپنے بستر پر لیٹے ہوئے، سوتے وقت آیت الکرسی پڑھے گا، اللہ اس کے گھر کی حفاظت فرمائیں گے، اس کے پڑوسی کے گھر کی حفاظت فرمائیں گے اور اس کے اردگرد کے تمام گھروں اور محلے کی حفاظت فرمائیں گے۔ (کنز العمال: ۱/۵۶۹)

آیت کی تفسیر

''اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ'' یہ توحید کی آیت ہے اور سورتِ بقرہ میں یہ تیسری بار توحید کا ذکر ہے، توحید اللہ کو بہت پسند ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

''اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ'' وہ زندہ ہیں، قائم رکھنے والے بھی ہیں، قائم رہنے والے بھی ہیں، اسی نے آسمان کو تھاما ہوا ہے، اسی نے زمین کو تھاما ہوا ہے، اسی نے کائنات کو تھاما ہوا ہے اور قائم رکھا ہوا ہے۔

''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ'' اسے نہ نیند آتی ہے اور نہ وہ اونگھتا ہے۔

''لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ'' آسمان وزمین کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے۔

''مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ'' روزِ محشر اس کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی، کوئی اس کے سامنے دم نہیں بھرے گا۔

"يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ" "اس کا علم بھی کامل ہے، وہ آگے اور پیچھے کا مکمل اور محیط علم رکھتا ہے۔

"وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ" "اس کے علم کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

"وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ" "اس کی کرسی تو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے بھی بڑی ہے۔

"وَلَا يَـــــُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝" "وہ آسمان و زمین کی حفاظت کرتا ہے اور تھکتا بھی نہیں ہے، اور وہ بہت بلند مقام اور عظمت والا ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

دِین قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں!

آیت الکرسی کے نزول کے بعد حجت تام ہوگئی، اب توحید کا عقیدہ کھل چکا ہے، کسی پر جبر نہ کرو، بزورِ شمشیر اور گن پوائنٹ پر کسی کو کلمہ نہ پڑھاؤ۔ جس نے کلمہ پڑھنا ہے، وہ توحید کے ان دلائل کو دیکھ کر خود ہی اور دل سے کلمہ پڑھ لے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مدینہ میں یہودیوں کے اپنے تعلیمی ادارے تھے جن میں اوس اور خزرج (جو اُس وقت تک مشرک قبائل تھے) کے بچے بھی وہاں پڑھنے جایا کرتے تھے جس سے اُن کے ذہنوں میں یہودیت کی محبت اور عظمت بیٹھ گئی۔ ظاہر ہے کہ صحبت کا یقیناً اثر ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور مدینہ تشریف آوری کے بعد ان بچوں کے والدین تو مسلمان ہو گئے لیکن وہ بچے یہودی اداروں کی تربیت کی وجہ سے اکڑ گئے کہ ہم تو مسلمان نہیں ہوں گے، اس لیے تعلیمی اداروں کے انتخاب میں بھی خوب غور و فکر کا اہتمام لازم ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا بچہ کل کو ملحد، بے دین اور مرتد ہو کر آپ کے دین و دنیا کی رسوائی کا باعث بن جائے، العیاذ باللہ!

بہرکیف! جب بچوں نے انکار کیا تو ماں باپ انہیں اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کرنے لگے، انہیں مارنے اور پیٹنے لگے کہ کلمہ پڑھ لو، اللہ نے فرمایا: نہیں! نہیں! "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ" "ہدایت اور گمراہی کھل کر واضح ہو چکی ہے، لہٰذا اسلام قبول کرنے کے لیے کسی کو مجبور ہرگز نہ کیا جائے۔

"فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ" "جو بھی طاغوت سے انکاری ہو کر اللہ پر ایمان لائے گا تو وہ ایسا مضبوط کنڈا تھامنے والا ہوگا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ایمان وکُفر میں قطعاً کوئی جوڑ نہیں

ایمان والوں کا دوست خود ربّ العالمین ہے جب کہ کُفّار کے رکھوالے، شیاطین ہیں۔ ربّ اپنے بندوں کو کُفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی پُرنور فضاؤں میں لاتا ہے جبکہ شیاطین اپنے متبعین کو فطری نورِ ہدایت سے بھٹکا کر کُفر وشرک کی بدبودار اور اندھیری وادیوں میں دھکیلتے ہیں۔ ایمان وکُفر کی یہ جنگ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی۔ علامہ محمد اقبالؒ نے بڑی خوبصورت منظر کشی کی ہے کہ:

ستیزہ کار رہا ہے اَزل سے تا اِمروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں جو بادشاہ تھا، یہ پوری روئے ارض کا بادشاہ تھا، پوری دنیا ایک اسٹیٹ تھی اور اس کا اکیلا حاکم تھا "نمرود بن کنعان۔" بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ روئے ارض پر چار لوگ گزرے ہیں، جنہوں نے پوری روئے زمین پر حکومت کی، صرف چار۔ دو مسلمان تھے اور دو کافر تھے۔ جو دو مسلمان تھے، ان میں سے ایک حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، آپ کی حکومت بھی پوری روئے ارض پر تھی، اسی طرح حضرت ذوالقرنین کی حکومت بھی پوری زمین پر تھی، جبکہ دو کافروں میں سے ایک بُختِ نصر اور دوسرا یہ نمرود ہے۔

آپ اندازہ لگائیے کہ ساری دُنیا کا بادشاہ جو ہوگا، وہ کتنی پاور اور طاقت والا ہوگا؟ یہ نمرود، اسی گھمنڈ میں آکر اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کا مناظرہ اور جھگڑا ہوگیا، حضرت ابراہیمؑ کو اس نے بلایا کہ تم مجھے خدا نہیں مانتے، آپ نے فرمایا میں نہیں مانتا کیونکہ "رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ" "میرا ربّ تو وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی۔ نمرود نے اس کا عجیب غیر معقول جواب دیا کہ "اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ" "یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں، دماغ پر اقتدار کا نشہ تھا، جسے چاہوں، موت کے گھاٹ اتار دوں اور جسے چاہوں، مجرم ہونے کے باوجود معاف کر کے زندگی بخش دوں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس بے وقوف اور موٹی عقل والے کو ایسے بات سمجھ میں نہیں آئے گی، کیونکہ گفتگو زندگی اور موت کے اسباب کے بارے میں نہیں بلکہ زندگی اور موت کی بذاتِ خود تخلیق پر ہو رہی تھی، اس لیے حضرت نے فوراً دوسری دلیل دی کہ "فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" "میرا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، اگر تُو خدا ہے تو کل سورج مغرب سے نکال کر دکھانا! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ" "نمرود یہ دلیل سُن کر ہکا بکا

رہ گیا، لاجواب ہو گیا، اسے کوئی جواب ہی نہ آیا، کیوں؟ ''وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ'' ایسے بے ڈھنگے، گناہ گار اور مشرک لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتے۔ توحید کا عقیدہ ثابت ہو گیا، اللہ کی وحدانیت ثابت ہو گئی۔

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۚ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۚ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کے دو مشاہدات

اس آیت اور اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسے واقعات بیان فرمائے ہیں جس میں اپنے دو خاص بندوں کو دنیا ہی میں اس بات کا مشاہدہ کرا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کیسے کرتے ہیں۔

ان میں سے پہلی مثال ایک ایسی بستی کی ہے جو اجڑی پڑی تھی، ویران تھی اور چھتیں بنیادوں کے بل گر کر مٹی میں ملی ہوئی تھیں، وہاں رہنے والے لوگ بھی سب مرے پڑے تھے۔ اس بستی سے ایک شخصیت کا گزر ہوا تو انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوبارہ کیسے زندہ فرمائیں گے!

اس شخصیت اور بستی کا تعارف

قرآن نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کون سی شخصیت تھی اور جس بستی سے ان کا گزر ہوا، اس بستی کا نام کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم کا مقصد اس تعیین کے بغیر بھی واضح ہے۔ تاہم حضراتِ مفسرین کے ان شخصیت کی تعیین بارے میں تقریباً نو قول موجود ہیں، مشہور یہ ہے کہ یہ صاحب حضرت عزیر علیہ السلام تھے اور یہ بستی ''بیت المقدس'' کی تھی جنہیں بخت نصر نامی ظالم بادشاہ نے حملہ کر کے تباہ کر ڈالا تھا، مسجد اقصیٰ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اس کے اوپر لگا ہوا سونا، چاندی، جواہرات لوٹ کر لے گیا، پورا شہر تباہ و برباد کر دیا، بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔

اسی بستی پر حضرت عزیر علیہ السلام کا گزر ہوا، دیکھا کہ شہر اجڑا پڑا ہے، جیسے آج کل (کرونا میں) شہر خالی ہیں تو اس وقت مسجد اقصیٰ بھی خالی تھی، بیت المقدس خالی تھا۔

اللہ کے مقرب بندے تھے (غالب یہ ہے کہ آپؑ نبی بھی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ان کا کلام ثابت ہے، نیز ایسے معجزات انبیاء ہی سے صادر ہوا کرتے ہیں۔ آسان ترجمہ قرآن ۱:/۱۶۵) آپ نے اللہ سے مناجات کی کہ اے اللہ! مرے ہوئے ان لوگوں کو آپ دوبارہ کیسے زندہ کریں گے؟ مقصد شک کرنا نہیں بلکہ حیرت اور تعجب کا اظہار تھا۔

اللہ تعالیٰ کی منشاء ہوئی کہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کا مشاہدہ کرایا جائے، یہ صاحب وہاں کچھ دیر آرام کے لیے لیٹے تو نیند آ گئی، کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ رکھا تھا اور سواری کا گدھا بھی موجود تھا ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ

عَامٍ" اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک سو سال تک کے لیے موت دے دی، "ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ" پھر انہیں زندہ کر کے پوچھا کہ تم کتنا عرصہ اسی حالت میں رہے؟ حضرت عزیر علیہ السلام نے جواب دیا: "لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ" ایک دِن یا دِن کا کچھ حصہ! اللہ نے فرمایا: نہیں! "بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ" تم ایک سو سال تک اسی حالت میں رہے ہو۔

ایک شبہ کا اِزالہ

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں حیات ہیں تو پھر حضرت عزیر علیہ السلام تو سو سال سوئے رہے، انہیں اتنا طویل عرصہ سونے کا کیوں نہ پتہ چلا؟ یہ فضول سی بات ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ان کی نبوت کے کوئی قطعی دلائل ہمارے پاس موجود نہیں، محض اندازے اور تخمینے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ "میں نہیں جانتا کہ عزیر نبی تھے یا نہیں" (سنن ابوداود: ۴/۳۹۴ /۲) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عزیرؑ کی جو موت تھی یہ وہ موت نہیں تھی جس کے بعد برزخ کے احوال شروع ہوتے ہیں، جس موت کے بعد پھر دنیا میں آنا ہو، اس موت کے بعد برزخ کے احوال شروع نہیں ہوتے، تاکہ ایمان بالغیب باقی رہے۔ (امام رازی)

اب دیکھو میں مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہوں، تمہیں بھی زندہ کیا ہے، "فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ" اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو کہ تمہارا کھانا اور تمہارا مشروب سو سال تک ہم نے محفوظ رکھا ہے، ذائقہ بھی نہیں بدلا، خراب بھی نہیں ہوا۔

"حیاتِ انبیاء" پر اِستدلال

اس سے معلوم ہوا کہ جو رب، اللہ والوں کے کھانے اور مشروبات کو سو سال تک تبدیل اور خراب نہیں ہونے دیتا، وہ رَبّ اپنے بندوں اور نبیوں کو قبر میں مٹّی مٹّی نہیں کرتا: "إن الله قد حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء" نبیوں کے جسموں کو مٹّی نہیں کھایا کرتی، (سنن النسائی الکبریٰ: ۱/ ۵۱۹) شہیدوں کو بھی مٹی نہیں کھایا کرتی۔ علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے مؤذِن اور قرآن کے قاری اگر باعمل ہوں تو انہیں بھی مٹّی نہیں کھایا کرتی۔

بہرکیف! حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا پینا تو صحیح سلامت تھا، اب اللہ نے فرمایا: "وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ" ذرا اپنے گدھے کو تو دیکھو، کہ گل سڑ کر کس حالت میں ہو چکا ہے! "وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ" ہم نے تمہیں اس لیے زندہ کیا تاکہ تم لوگوں کے لیے ایک مثال اور نشانی بن جاؤ کہ جو خدا ایک سو سال بعد زندگی دینے پر قادر ہے، وہی قیامت کے دِن بھی لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

گدھے کی دوبارہ زندگی کا عینی مشاہدہ کرایا گیا

فرمایا کہ "وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ" اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ جو مرکھپ کر راکھ

ہو چکا ہے، اس کی ہڈیاں کیسے دوبارہ جڑ رہی ہیں، یہ پسلی کی ہڈی جڑ گئی، یہ منہ کی ہڈی جڑ گئی، یہ بازوؤں کی ہڈیاں، یہ ٹانگوں کی ہڈیاں، ڈھانچہ بن گیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے گوشت چڑھ گیا، اور ایک مجسمہ بن گیا، پھر ایک فرشتہ آیا اس نے پھونک ماری تو گدھا زندہ ہو کر صحیح سالم کھڑا ہو گیا۔

جب یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آ گئی تو وہ صاحب بے اختیار جوش میں آ کر بے اختیار کہنے لگے: "اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝" مجھے عینی مشاہدہ اور یقین ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل اور بھرپور قدرت رکھتا ہے!

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

اب اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو زندہ کرنے پر ایک اور واقعہ پیش فرمایا، یہ وہ واقعات ہیں جن سے توحید کا عقیدہ پختہ ہوتا ہے اور قیامت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے خلیل تھے، پوچھا "رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ" اے میرے ربّ! دل مانتا ہے کہ مردے زندہ ہوں گے، آپ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان ہے، ذرا آنکھوں سے بھی دکھا دیں کہ کیسے آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں! "قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ" میرے خلیل! کیا آپ کو میری قدرت پر یقین نہیں ہے؟ ایمان و اطمینان نہیں ہے؟ "قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ" یقین کامل ہے لیکن صرف قلبی تسلی اور اطمینان چاہتا ہوں کہ آنکھوں دیکھی بات کا مزہ ہی کچھ اور ہے اور اس طرح لوگوں کو مطمئن کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ فرمایا: اچھا! ایسا کرو کہ "فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ" چار پرندے لے آؤ اور انہیں اپنے سے اس طرح مانوس کر لو کہ وہ پرندے آپ کو پہچان لیں اور آپ انہیں اچھی طرح پہچان لیں، حضرت ابراہیمؑ نے حکم کی تعمیل کی اور چار پرندوں (مور، مرغا، کوا اور گدھ) کو اپنے آپ سے مانوس کر لیا۔

چار خاص پرندوں کا انتخاب کیوں کیا گیا؟

عارفین کہتے ہیں کہ پرندوں میں چار مخصوص پرندوں کا انتخاب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ مور میں خودستائی بہت ہوتی ہے، یہ اپنے حسن پر ناز کرتا ہے، فخر اور غرور کرتا ہے۔ مرغ میں شہوت رانی ہے، کوے میں حرص ہوتا ہے جبکہ کرگس (گدھ) میں حرام خوری ہوتی ہے، پھر ان چاروں پرندوں کو ذبح کروا کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگر کامل بندہ بننا ہے تو اپنے سے خودستائی بھی ذبح کر دو، شہوت کو بھی ذبح کر دو، حرص اور حرام خوری کو بھی ذبح کر دو، تب جا کر "انسان" کہلانے کے حق دار بنو گے۔

جب یہ چاروں پرندے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اچھی طرح مانوس ہو گئے تو حکم ملا کہ ''ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا'' اب ان چاروں کو ذبح کرو! ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں خلط ملط کرو اور ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو''ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ'' پھر ان پرندوں کو آواز دے کر ذرا بلا کر دیکھو! یہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا کہ ان کا قیمہ قیمہ کر کے مختلف پہاڑوں پر ڈال کر انہیں اپنے مخصوص انداز میں بلایا، ان چاروں پرندوں نے جو قیمہ قیمہ ہو گئے تھے، حضرت ابراہیمؑ کی آواز سن بھی لی، باہمی قیمہ ہونے اور مختلف پہاڑوں پر اجزاء پھیلے ہونے کے باوجود وہ دوبارہ جسم بن کر زندہ بھی ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر دوڑے چلے آئے۔ فرمایا: میرے خلیل! دیکھ لو! جیسے یہ زندہ ہوئے ہیں، ایسے ہی میں قیامت کے دن سب مردوں کو زندہ کروں گا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

اِنفاق فی سبیل اللہ کی مثال

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا ''معاشی نظام'' پیش کیا کہ معاشرہ کے کمزور ترین افراد پر خرچ کرو، زکوٰۃ تو ہے ہی، زکوٰۃ کے علاوہ صدقات بھی دو، عطیات بھی دو، گفٹ اور ہدیے بھی دو اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو فرمایا اللہ تعالیٰ ایک کے بدلے تمہیں سات سو عطا کریں گے، ''كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ'' جیسے مکئی کا ایک دانہ زمین میں ڈالیں، اس ایک دانے سے سات خوشے نکلیں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں، اللہ تعالیٰ بعض اوقات سو سے بھی زیادہ دانے لگا دیتا ہے، ایک دانے کے بدلے تمہیں سات سو دانے مل گئے، بالکل ایسے ہی اللہ تمہیں اپنی رضا کے کاموں میں ایک پائی خرچ کرنے میں، ایک روپیہ خرچ کرنے پر سات سو یا سات سو سے بھی بڑھ کر عطا کرے گا، بس شرط یہ ہے کہ اخلاص موجود ہو، دکھاوا اور ریاکاری نہ ہو۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

قبولیتِ اِنفاق کی پانچ شرائط

اللہ تعالیٰ کی راہ میں کیا گیا خرچ اُسی وقت مقبول ہوگا جب اس میں پانچ شرائط پائی جائیں گی، اگر یہ پانچ شرطیں نہ ہوئیں تو خرچ کرنا قبول نہیں ہوگا، وہ پانچ شرائط درجِ ذیل ہیں:

۱۔اِحسان نہ جتلایا جائے

پہلی شرط ہے: "ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا" خرچ کر کے احسان نہ جتلایا کرو، باتیں نہ سنوایا نہ کرو، طعنے نہ دیا کرو ورنہ سارا عمل ضائع ہوجائے گا۔

۲۔ستاؤ مت!

دوسری شرط "وَلَآ اَذًى" ستایا نہ کرو، کسی کو پیسے دے کر اسے ستاؤ نہیں، اگر نہیں دینا چاہتے تو نرمی سے انکار کرو، سائل کے اصرار پر درگزر کرو، ستاستا کے اور باتیں سنا کر صدقہ نہ دو، ورنہ تمہارے سارے صدقات اور خیرات باطل ہوجائیں گے۔

۳۔ایمان اور محض ربّ کی رضا مقصود ہو

تیسری شرط ہے "يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ" ایمان اور اخلاص کے ساتھ اور اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرو، دکھلاوے کے لیے نہ ہو، واہ واہ کے لیے نہ ہو، اپنی تعریفیں کروانے کے لیے نہ ہو، ورنہ قبول نہیں ہوگا۔

۴۔خرچ کر کے پچھتاوا نہ ہو

چوتھی شرط ہے "وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ" خرچ کر کے جم جاؤ، پھر پچھتاوا اور افسوس نہ کرو، کچھ لوگ، راہِ خدا میں خرچ کی ترغیب سُن کر اللہ کی راہ میں خرچ تو کر بیٹھتے ہیں، پھر پچھتاتے پھرتے ہیں کہ او ہو یار غلطی ہوگئی، اتنا سارا دے دیا! اس پچھتاوے سے سارا اجر ضائع ہوگیا، اس لیے فرمایا کہ کُھلے دِل سے خرچ کرو اور پھر اس پر جم جاؤ، اس طرح تم خرچ کرو گے تو دنیا میں بھی نفع ہوگا اور آخرت میں بھی نفع ہوگا۔

۵۔حلال اور پاکیزہ مال خرچ کرو

پانچویں شرط یہ ہے کہ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" اللہ کی راہ میں جو مال بھی خرچ کرو، وہ حلال اور پاکیزہ ہو، حرام مال سے صدقہ نہیں ہوتا، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، "وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ" ایسا خراب اور گھٹیا مال اللہ کی راہ میں نہ دیا کرو جو اگر کوئی خود تمہیں دے تو تم لینا بھی پسند نہ کرو "اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ" البتہ چشم پوشی کرتے ہوئے لے لو تو الگ بات ہے، اگر ایسا مال خود نہیں لیتے تو اللہ کی راہ میں کیوں دیتے ہو؟

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

شیطان کی چالوں میں ہرگز نہ آنا

شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ، شیطان تمہیں خرچ کرنے سے روکتا ہے ''اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ'' یہ بڑی عجیب بات ہے، شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں یہ پیسے خرچ کردیے تو فلاں فلاں کام کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟ تیری فلاں فلاں ضروریات تو رہ جائیں گی وغیرہ وغیرہ، ''وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ'' وہ تم سے بے حیائیوں پر پیسے لگواتا ہے، کوئی بے حیائی کا کام آئے گا، وہاں شیطان کی طرف سے یہ وسوسہ نہیں آئے گا کہ اتنے پیسے جو میں لگا رہا ہوں، میرا کاروبار متاثر ہو جائے گا، فرمایا شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ، اور اللہ کے رستے میں مال خرچ کرو! اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ مال خرچ کرو گے تو اور ملے گا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا پروانہ بھی عطا کیا جائے گا۔

اہلِ علم اپنے علم کو پھیلانے میں وقت خرچ کریں

مال والے تو اللہ کے رستے میں اپنا مال خرچ کریں اور جو علم والے ہیں، وہ دین کی سربلندی کے لیے علمی خدمات سرانجام دیں کیونکہ ''يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ'' علم ہر ایک کو نہیں ملا کرتا، یہ تو خالص خدائی عطیہ ہے، جسے علم اور دانائی عطا ہوئی، اسے بڑی وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اِنْ تُبْدُوا
الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اللہ تمہاری نیتوں اور اعمال کو خوب جانتا ہے!

فرمایا کہ تم جو بھی خرچ کرو یا منت مانو، اللہ اسے خوب جانتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ خیرات کرو یا نذر و نیاز، جو بھی دو، صرف اللہ کے نام پر دو، کسی اور کے نام پر نذر و نیاز شرعاً جائز نہیں ہے۔ نیز اخلاص کے ساتھ خرچ کرو۔

صدقہ خیرات اعلانیہ بھی جائز لیکن چپکے سے دینا افضل ہے

فرمایا: ''اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ'' ان آیات میں صدقہ کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے کہ صدقہ خیرات اعلانیہ کرو تو بھی ٹھیک ہے، چھپ چھپ کر دو تو دوسرے کی عزتِ نفس بھی مجروح نہیں ہوگی اور تم بھی ریاکاری اور دکھلاوے کے گناہ سے بچ جاؤ گے، چپکے سے صدقات دینا زیادہ بہتر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا

ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۞ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۞

اے صحابہ! جو تمہارے رشتہ دار کافر ہیں۔ ان کے ساتھ بھی صلہ رحمی کیا کرو، ان کے اسلام لانے کا انتظار مت کرو کیونکہ "لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ" "کفار کو راہِ راست پر لانے کی ذمہ داری آپ لوگوں پر نہیں، ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، تم اپنے حصے کا کام کیے جاؤ، تم جو بھی خرچ کرو گے اللہ تمہیں ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔

تاہم امداد کے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو خیر کے کاموں میں اس قدر مصروف ہیں کہ انہیں ذرائع معاش اختیار کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا ان کی غیرت کے خلاف ہے، ایسے لوگوں کی سفید پوشی اور ظاہری حالت نہ دیکھا کرو بلکہ ان کی حقیقی پریشانیاں دیکھ کر انہیں صدقات وخیرات کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کیا کرو۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞

مَن گھڑت رِواج کی تردید

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا کوئی وقت بھی مقرر نہیں، دن کو بھی خرچ کرو، رات کو بھی خرچ کرو، چھپ کر بھی خرچ کرو اور اعلانیہ بھی خرچ کرو، شریعت نے کسی خاص وقت کا پابند نہیں کیا لیکن ہم مسلمانوں نے اس مقصد کے لیے ایام مخصوص کر رکھے ہیں، فوتگی پر تیسرے دِن سوئم ہوگا، ساتویں دِن فلاں رسم ہوگی، جمعرات کو یہ کریں گے اور چالیسویں دِن چالیسواں منائیں گے، برسی کریں گے، چاند کی گیارہ تاریخ کو دُودھ دیں گے، گیارہویں کریں گے۔

یہ سب ہمارے اپنے مقرر کردہ اوقات ہیں، شریعت اور دین کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ہر وقت ایصالِ ثواب کر سکتے ہو اور ہر کلمہ گو کو کر سکتے ہو، لہٰذا صرف شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کو نہیں، بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بزرگوں، بلکہ سب بزرگوں کو ایصالِ ثواب کرو، تیسرے دن کا انتظار نہ کرو، فوراً خرچ کرو، ساتویں اور چالیسویں دن کا انتظار نہ کرو بلکہ اگر آج جیب میں پیسے موجود ہیں تو اپنے عزیز کے ایصالِ ثواب کے لیے خرچ کر دو، اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح اور عمومی انداز میں بیان فرما دی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞

سود کی حُرمت

صدقات کے فضائل اور احکام بیان کرنے کے بعد اب صدقات کی ''ضد'' یعنی سود کے احکام بیان کیے جا رہے ہیں، کیونکہ صدقات ''سخاوت'' کی نشانی ہیں جب کہ سود خوری ''بخل'' اور مال کی محبت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سود نہ کھاؤ، سود خور جب قیامت میں اٹھے گا تو ''لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ '' اُس آدمی کی طرح اٹھے گا جس کو جن اور آسیب چمٹ جائیں اور وہ پاگلوں کی طرح گرتا پھرتا ہے، سود خور کا بھی یہی انجام ہوتا ہے۔

اللہ کے حکم کے بعد حکمتوں کے چکّر میں نہ رہو!

جب اللہ تعالیٰ خود کہہ رہے ہیں کہ میں نے سود اور ربا کو حرام جب کہ تجارت کو حلال قرار دیا ہے تو بس! یہی کافی ہے، اپنی طرف سے تاویلات کر کے سود اور تجارتی نفع کو ایک جیسا کیوں بنانے کی فکر میں ہو! ''فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ '' اب جب تمہارے پاس نصیحت آگئی تو جو شخص اس نصیحت پر عمل کر کے سودی معاملات سے رُک جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا، پچھلے معاملات میں جو لین دین کیا جا چکا، وہ معاف ہے، لیکن جو پھر بھی اسی کام میں لگا رہے گا تو ایسے لوگ ہی پکے دوزخی ہیں۔

خدارا سود چھوڑ دو، سودی بینکنگ اور سودی بزنس چھوڑ دو، حلال کی طرف آ جاؤ، حرام معاملات سے پرہیز کرو! اپنی دُنیا و عاقبت خراب نہ کرو۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝

مال میں برکت چاہیے تو صدقات کی عادت بناؤ، سود خوری کی نہیں!

فرمایا کہ سود گھٹتا ہے جبکہ صدقہ بڑھتا ہے، آپ بڑے بڑے بزنس مینوں اور صنعت کاروں کو دیکھ لیجیے کہ ان کے کاروبار عموماً بیٹھ جاتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ ان کی بنیاد سود پر ہوتی ہے، بظاہر لگتا ہے کہ سود سے مال میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن درحقیقت یا تو دنیا میں ایسا مال برباد ہو جاتا ہے ورنہ آخرت کی تباہی تو یقینی ہے جب کہ صدقہ کی وجہ سے لگتا ہے کہ مال کم ہو گیا حالانکہ اس کی برکت سے یا تو دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ فراوانی عطا فرماتے ہیں ورنہ صدقہ و خیرات پر آخرت میں اجر و ثواب تو بہت زیادہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

اپنے ایمان کا واسطہ! سُود سے باز آ جاؤ!

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود چھوڑ دو "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" اس کا ترجمہ میں اپنے ذوق کے مطابق یہ کیا کرتا ہوں کہ اے ایمان والو! تمہیں تمہارے ایمان کا واسطہ! سود چھوڑ دو!

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

سُودخوری اللہ و رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے

اگر تم سود نہیں چھوڑتے تو پھر اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف ایک بڑی جنگ کا اعلان ہے "بِحَرْبٍ" میں تنوین تعظیم کی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ایک بڑی جنگ تمہاری شروع ہوگئی۔ اگر تم اس سودخوری سے توبہ تائب ہوگئے تو اپنا اصل مال وصول کر سکتے ہو، یہ تمہارا حق ہے، اضافی رقم یا نفع لینا جائز نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۔۔۔۔ اِلی ۔۔۔۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

آیتِ مداینہ

قرض کے اَحکام سے متعلق یہ قرآنِ کریم کی سب سے بڑی آیت ہے، پوری آیت ایک رکوع پر مشتمل ہے اور اس ایک آیت میں تقریباً سات احکام ہیں،:

۱- پہلا حکم ہے: "فَاكْتُبُوْهُ" اُدھار لین دین کو لکھ لیا کرو اور جو کاتب ہوں، وہ بھی لکھنے سے انکار نہ کیا کریں۔

۲- دوسرا حکم ہے: "وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ" صاحبِ حق ہی مضمون لکھوائے۔

۳- تیسرا حکم ہے: "وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا" حساب لکھنے میں بددیانتی نہ کی جائے۔

۴- چوتھا حکم ہے: "وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ" اس لین دین پر گواہ بھی بنا لیے جائیں، اور گواہی کا نصاب ہے، دو مرد ہوں، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

عورت کی گواہی

قرآنِ کریم کے مطابق عورت کی گواہی، مرد کی گواہی سے نصف اور آدھی ہے، یہ خدائی حکم ہے۔ اگر کسی کو اس پر کوئی تکلیف اور اعتراض ہے تو وہ اُس اللہ پر اعتراض کرے جس نے مرد کو بھی بنایا اور عورت کو بھی۔ یہ تو خالق کے فیصلے ہیں، مولویوں کی بنائی ہوئی باتیں تو نہیں ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم پوچھے گا تو اس کو ہم ضرور یہ کہیں گے کہ میاں فطری طور پر عورت کمزور ہے، یہ صنفِ نازک ہے، یہ دباؤ بھی جلدی قبول کرتی ہے اور لالچ میں بھی جلدی آتی ہے۔ انڈر پریشر بھی جلدی ہوتی ہے، شوہر کے پاس ہوتی ہے تو پریشر میں، ماں باپ کے خلاف باتیں کر رہی ہوتی ہے، ماں باپ کے پاس جاتی ہے تو وہاں جا کر

کہتی ہے کہ میرا شوہر ظالم ہے، اس لیے فرمایا کہ کیس کمزور نہ ہو، فیصلہ غلط نہ ہو، اس لیے یا تو دونوں گواہ مرد ہوں اور اگر ایک مرد ہو تو پھر اس کے ساتھ دو عورتیں مل کر گواہی دے سکتی ہیں تا کہ کسی وجہ سے اگر ایک دباؤ میں آئے یا واقعہ بھولنے لگے تو دوسری تو موجود ہوگی، ایک لالچ میں آئے گی تو دوسری تو ہوگی جو اسے حقیقت کی یاد دہانی کرادے گی، یہ حکمت ہے۔

۵- پانچواں حکم ہے: "وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا" گواہوں کو جب گواہی کے لیے طلب کیا جائے تو وہ آنے سے بلا وجہ انکار نہ کریں۔

۶- چھٹا حکم ہے: "وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ" اگر سفر میں ہو اور لکھنے کے وسائل نہ ہوں تو کوئی چیز گروی رکھ لو، آج کل بہت سارے بینکوں کا نظام "رہن" پر ہے، اس کی بھی مخصوص شرائط کے مطابق اجازت ہے۔ تفصیل کُتبِ فقہ میں مل جائے گی۔

۷- ساتواں حکم ہے کہ "وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ" جس شخص کو حقیقتِ واقعہ کا علم ہو، اسے چاہیے کہ وہ اس کی صاف صاف گواہی دے، جان بوجھ کر گواہی چھپانے والا اللہ تعالیٰ کے یہاں مجرم ہے۔

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿﴾

عقیدۂ توحید اور اعمال کا حساب

اس آیت میں "توحید" کا عقیدہ بیان کیا گیا اور فرمایا کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے، ساتھ میں یہ بھی بتایا گیا کہ قیامت کے دن جس طرح تمہارے ظاہری اعمال کا حساب لیا جائے گا، اسی طرح تمہارے باطنی اعمال (تواضع، صبر، شکر، قناعت، سخاوت اور اعمالِ خبیثہ جیسے حسد، بغض، تکبر، کینہ، حب جاہ و مال وغیرہ) کا بھی تم سے حساب لیا جائے گا، اس لیے اپنے ظاہر کے ساتھ اپنے باطن کی درستگی کی بھی فکر لازم ہے۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿﴾ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿﴾

آخری دو آیات کے فضائل

سورۃ بقرہ کی یہ آخری دو آیتیں بڑی فضیلت والی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ "الآيتان من آخر سورة البقرة من قرأهما في ليلة كفتاه" (صحیح البخاری، ص: ۱۷۸) جو شخص سورت بقرہ کی یہ آخری دو آیات پڑھ لے گا، اس کو وہ کافی ہو جائیں

گی، کافی ہونے کا مطلب بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ ہے کہ یہ دو آیات، تہجد سے کافی ہو جائیں گی، تہجد جتنا ثواب ملے گا اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیات ہر شر سے یا پورے قرآن کی تلاوت سے اپنے پڑھنے والے کو کفایت کریں گی۔

دوسری روایت میں ہے کہ "أعطيت خواتيم سورة البقرة من بيت كنز من تحت العرش لم يعطهن نبي قبلي" (مسند احمد: ۲۷۴/۳۵) مجھے اللہ کے عرش کے نیچے موجود خزانے سے یہ دونوں آیات عطا کی گئی ہیں اور میرے علاوہ آج تک کسی بھی پیغمبر کو یہ آیات عطا نہیں ہوئیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ "إِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفَيْ عَامٍ، أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا يُقْرَآنِ فِي دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا شَيْطَانٌ" (سنن الترمذی: ۱۶۰/۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ان دونوں آیات کو ایک کتاب میں لکھا ہے اور یہ دونوں آیات اگر تین رات کسی گھر میں پڑھی جائیں تو شیطان اس گھر کے قریب بھی نہیں آئے گا۔

ان آیات کے آخر میں دُعا کی تلقین کی گئی ہے اور مسلمانوں کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

سورتِ بقرہ کے پہلے و آخری حصے میں ربط

سورت کے شروع میں ایمان کا بیان تھا کہ "يؤمنون بالغيب"، سورت کے آخر میں "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" سے بھی ایمان کا بیان ہے۔

مختصر تفسیر

فرمایا کہ "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" اللہ کے پیغمبر اور سب ایمان والے، اللہ پر، کتابوں پر، رسولوں پر، سب پر ایمان لاتے ہیں، ایمان لانے میں تفریق نہیں کرتے، سب پر ان کا ایمان برابر ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کی ہر بات کو سنا، اللہ کی ہر بات کو مانا، اور یہی مؤمن کی شان ہے کہ وہ اللہ کی ہر بات کو سنے، اور مانے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

کوتاہیوں کے اِزالے کا طریقہ

انسان تو بہر حال انسان ہی ہے، خلافت کی مسئولیت اور اس کی ادائیگی میں کوتاہیاں بھی ہو سکتی ہیں، اس لیے فرمایا

کے ساتھ ساتھ یہ دُعا بھی کیا کرو "غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ" ہمیں معاف کر دینا "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا" اے اللہ! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو مواخذہ نہ کرنا، شریعت کے اُمور میں مواخذہ نہ کرنا "رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا" تکوینی طور پر ہم پر مشکلات اور ایسے سخت اعمال کا بوجھ مسلط نہ کر دینا جیسے پچھلی قوموں پر عائد کیے گئے تھے، "رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ" جو کام ہمارے بس میں نہ ہوں تشریعی طور پر ہمیں ان کا مکلف نہ کرنا "وَاعْفُ عَنَّا" ہمیں معاف کرنا، "وَاغْفِرْ لَنَا" ہمیں بخش دینا، "وَارْحَمْنَا" ہم پر رحم کرنا، "أَنتَ مَوْلَانَا" آپ ہمارے سردار ہیں، "فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ" کافروں پر ہماری مدد فرما۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کا ذکر کرو، اور اسی سے اپنی عبادت و استعانت کا ناطہ جوڑو اور شرک نہ کرو، اسی سے صراط مستقیم طلب کرو، نیکوں میں شامل ہو جاؤ اور بدوں کی صحبت سے بچو۔ اہل ایمان کی جماعت کو اختیار کرو، کافر و منافق نہ بنو۔

۲- لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ۱: مؤمنین۔ ۲: کافرین۔ ۳: منافقین۔ اپنا محاسبہ کرو کہ ان میں سے کون سی جماعت میں ہو۔

۳- حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی وجہ سے اونچا مقام ملا، تم بھی علم حاصل کرو، شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کے مکر وفریب سے بچ کر زندگی گزارو۔

۴- تم سے پہلے یہود و نصاریٰ کا زمانہ تھا وہ خود اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ٹھہرے، لہٰذا تم ان کے راستے پر نہ چلو اور نہ ہی ان جیسی صفات کو اپناؤ، ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔

۵- سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو تسلیم کر کے ادب سے ان کی اتباع بجالاؤ۔

۶- اہل اسلام اپنا الگ تشخص قائم کریں، دوسری اقوام کی نقالی ہرگز نہ کریں۔

۷- سب انبیائے کرام توحید کے داعی تھے، ان کی اسی دعوت کی اتباع کرو، خواہ مخواہ میں انہیں کسی مخصوص مذہب اور عقیدے سے منسلک کرنے کی ناکام کوشش مت کرو۔

۸- صحابہ کرام ہی معیار حق ہیں، ان کا احترام کرو، انہیں عادل مانو، ایمان و اعمال میں انہیں پیشوا سمجھو۔

۹- اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کے سہارے زندگی نہ گزارو، تم سب نے اپنے اپنے اعمال کا الگ الگ حساب دینا ہے۔

۱۰۔تحویل قبلہ سے متعلق تفصیلی گفتگو کے بعد فرمایا کہ "قبلہ" کی بحث ایسی نہیں، جسے تم لوگوں نے ایمان وکفر کا مسئلہ بنا رکھا ہے، اصل نیکی یہ ہے کہ انسان خدائی احکامات کی پابندی اور پیروی کرے۔اسی ضمن میں قصاص، وصیت، روزہ، حج، انفاق فی سبیل اللہ اور عائلی مسائل (حیض، ایلاء طلاق اور عدت) کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۱۱۔اس کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب اور حضرت طالوت اور بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کیا گیا۔

۱۲۔اللہ تعالیٰ نے حیات بعد الممات پر اپنی قدرت دکھانے کے لیے حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عملی مشاہدہ کرایا۔

۱۳۔انفاق فی سبیل اللہ اور کسب حلال کی ترغیب کے ساتھ کسب حرام (سود) سے بڑی سختی سے منع کیا گیا، اور سودخوری کو اعلان بغاوت سے تعبیر کیا گیا۔

۱۴۔آخر میں دین وقرض سے متعلق احکام بیان کر کے عقیدہ توحید اور جامع دعا پر سورت کا اختتام کیا گیا۔

تمت سورۃ البقرۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَان

ترتیبِ قرآنی: ٣ ترتیبِ نزولی: ٨٩

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں تیسرے (٣) جبکہ نزول کے اعتبار سے نواسی (٨٩) نمبر پر ہے۔ بیس (٢٠) رکوع اور دو سو (٢٠٠) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے ایک سے زائد نام ہیں:

١- **آلِ عمران**: عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور آلِ عمران کا مطلب ہے "عمران کا خاندان" اس سورت میں حضرت عمران کے خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ آلِ عمران رکھا گیا ہے۔

٢- **الزهراء**: زہراء کا معنی روشن اور پر رونق ہے، حدیث مبارکہ میں سورۃ البقرۃ اور اس سورت کو "الزهراوين" یعنی دو روشن سورتیں قرار دیا گیا ہے، یہ اپنے پڑھنے والے کے لیے نور کا باعث ہوں گی، اسی لیے اس سورت کو "الزہراء" بھی کہتے ہیں۔

ماقبل سے ربط

١- گزشتہ سورت میں یہود کی اصلاح کا بیان تھا، اس سورت میں نصاریٰ کی اصلاح کا بیان ہے۔

٢- گزشتہ سورت کے آخر میں کفار کے خلاف مدد و نصرت کی دعا کی گئی تھی، اس سورت میں مدد و نصرت کے نمونے ذکر کیے گئے ہیں۔

٣- گزشتہ سورت میں منہجِ خلافت کی مسئولیت کا بیان تھا، اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اس خلافت پر قائم رہنے کے لیے گمراہیوں سے محفوظ رہنے کا حکم فرمایا ہے۔

سورت کے فضائل

۱۔حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دِن قرآن مجید اور اس پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا، ان کے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی۔'' (صحیح مسلم: ۸۰۵)

۲۔حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''قرآنِ کریم پڑھا کرو، یہ روزِ محشر اپنے ساتھیوں کی سفارش کرے گا، اور دو روشن سورتیں پڑھا کرو یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران، یہ دونوں روزِ قیامت اس طرح آئیں گی کہ گویا دو بادل، یا دو سائبان، یا دو صف بناتے پرندوں کی جماعتیں ہوں، اور اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑیں گی۔'' (صحیح مسلم: ۸۰۴)

۳۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِسمِ اعظم ان دو آیتوں میں ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۱۶۳)

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ (آل عمران: ۲)

(صحیح الترغیب والترھیب: ۲/۱۳۰)

۴۔سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ایک دن صبح کی نماز کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا ہوا پایا، سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ تو بخشے بخشائے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلال میں کیوں نہ روؤں، اللہ تعالیٰ نے اس شب مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں: ''اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝'' (آل عمران: ۱۹۰) آخر سورت تک تلاوت فرمائی، پھر فرمایا: اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جس نے ان کو پڑھا اور اس میں غور و فکر نہ کیا۔ (صحیح ابن حبان: ۲/۳۸۷)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع دِین پر ثابت قدم رہنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا...... غیر مسلم اقوام کے افکار و نظریات کے مقابلے میں کیسے اسلام پر ثابت قدم رہا جائے، تا کہ فکری لحاظ سے دوسروں کے اثرات مسلمانوں میں نہ آسکیں۔ یہ مضمون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نجران کے نصاریٰ کے مابین مباحثہ کے ضمن میں سورت کے اول حصے میں بیان ہوا ہے۔

۲......اہلِ اسلام داخلی طور پر کیسے دین پر ثابت قدم رہیں، یعنی عملی طور پر بھی مضبوط ہوں۔ یہ مضمون غزوۂ احد کے واقعہ کے ضمن میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ آلِ عمران دو واقعات اور دو قسم کے مضامین کے گرد گھومتی ہے:

۱۔نجران کے عیسائیوں کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں بغرض مناظرہ آمد، اور ان کے شبہات کے جوابات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے کے دلائل۔

۲۔غزوۂ اُحد میں اہل اسلام کی شکست اور اس کے اسباب۔

غزوۂ اُحد کا ذکر سورت کے دوسرے حصے میں ہے، اس کی تفصیل اِن شاء اللہ! وہیں ذکر کی جائے گی۔ سورت کا پہلا نصف حصہ عیسائیوں سے مکالمہ اور ان کے شبہات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

عیسائیوں کی مدینہ آمد

''نجران'' عرب (یمن) کا ایک علاقہ ہے، یہاں کی اکثریتی آبادی عیسائی تھی، اسلام کی بڑھتی ہوئی فتوحات کی وجہ سے یہاں کے عیسائیوں نے اپنے تحفظ کے لیے مدینہ منورہ کا رخ کیا، چنانچہ ساٹھ افراد پر مشتمل عیسائیوں کا اعلیٰ سطحی وفد مدینہ منورہ آیا۔ وفد میں مذہبی، سیاسی لیڈر اور بڑے بڑے پادری بھی تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف مقامات پر رہائش دینے کی پیشکش کی، لیکن انہوں نے کہا کہ ہم سب اکٹھے رہنا چاہتے ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں ہی ٹھہرایا۔ اس وقت تک کوئی بڑا مہمان خانہ قائم نہ ہوا تھا۔ عیسائی مسجد میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت بھی کرتے رہے۔ ان کی آمد کا مقصد تو اپنے لیے سیاسی پناہ حاصل کرنا اور ٹیکس کے عوض تحفظ حاصل کرنا تھا، تاہم اس موقع پر ان کے پادری حارثہ بن علقمہ نے علمی مذاکرہ بھی شروع کر دیا۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسائیوں میں باہم دلچسپ مکالمہ

عیسائیوں کے پادری نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور شریک ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کسی سے تولد ہوئے ہیں؟ اس نے کہا: نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کھاتے پیتے بھی ہیں؟ اس نے کہا: نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھاتے پیتے تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کی ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے بطن میں رہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جتنا علم انہیں دیا تھا، وہ بس اتنا ہی جانتے تھے! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر موت آئے گی؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے

فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: ان پر تو موت وفنا آئے گی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا باپ کا ہم شکل ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے کون سی مشابہت ہے؟ اس پر وہ لاجواب ہوگیا، اور کچھ شبہات پیش کیے، ان شبہات کے جوابات آئندہ آیات میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس واقعے کے ضمن میں عقائد کا بیان ہے۔

دوسرے حصے میں غزوۂ اُحد کے واقعہ کے ضمن میں احکام کا بیان ہے، جن میں حج کی فرضیت، جہاد کا حکم، سود کی حرمت، زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا وغیرہ سرفہرست ہیں۔

اس کے علاوہ سورت میں درج ذیل مضامین بیان ہوئے ہیں:

۲۔ اصلاحِ نصاریٰ اور اصول کامیابی برائے مؤمنین۔

۳۔ توحید ورسالت کے متعلق نصاریٰ کے شبہات اور اُن کے جوابات۔

۴۔ توحید، رسالت، جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ۔

۵۔ منہجِ خلافت پر قائم رہنے کے لیے زیغ وضلال سے حفاظت۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''اِسمِ اَعظم'' دو آیتوں میں ہے!

سورت کے آغاز میں حروفِ مقطعات مذکور ہیں، جن کی مکمل تفصیل سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حی اور ''قیوم'' ہے، ہمیشہ سے ہمیشہ تک زندہ ہیں، قائم رہنے والے اور قائم رکھنے والے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں ان دو آیات کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں اسمِ اعظم مذکور ہے، ان دو آیات میں سے ایک سورۂ آلِ عمران کی دوسری آیت ہے، اسمِ اعظم سے مراد باری تعالیٰ کا وہ نام ہے جس کے ذریعہ کوئی بھی دُعا کی جائے تو وہ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی ہے۔ وہ دو آیات درج ذیل ہیں:

۱۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۱۶۳)

۲۔ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ (آلِ عمران: ۲)

قرآنِ کریم کی حقّانیت

اس کے بعد قرآنِ کریم کی حقانیت کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے آپ پر قرآنِ کریم حق کے ساتھ بغیر کسی شک وشبہ کے نازل فرمایا ہے، اس کی صداقت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ اپنے سے پہلے کی کتب کی تصدیق کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم نازل فرمایا، ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی، یہ دونوں کتابیں اپنے اپنے ادوار میں ہدایت کا ذریعہ تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو فرقان بنا کر نازل فرمایا، یعنی قرآنِ کریم حق اور باطل میں فرق کر دینے والی کتاب ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات اور قرآنِ کریم کا انکار کرتے ہیں، ان کے لیے روزِ محشر سخت ترین عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ غالب ہیں، انتقام لینے والے ہیں، وہ ضرور اپنے منکروں سے انتقام لیں گے۔

باری تعالیٰ کا علم بھی کامل ہے، زمین وآسمان میں کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، وہی پاک ذات ہے جو رحمِ مادر میں بچوں کی شکل وصورت وجنس کی تعیین کرتا ہے، اس کی قدرت بھی کامل ہے اور علم بھی، اور یہ دونوں صفات جس ہستی میں ہوں، وہی عبادت کے لائق ہوتا ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت سی چیزیں مخفی بھی رہتی تھیں، اور وہ خلق کی قدرت بھی نہیں رکھتے تھے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ
وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ
قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ
لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

قرآنی آیات دو طرح کی ہیں

ان آیات میں نصاریٰ کے ایک شبہ کا جواب دیا گیا ہے، نصاریٰ نے ایک مرتبہ قرآن مجید کے بعض الفاظ پر اعتراض کیا جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روح اللہ یا کلمۃ اللہ ہونا مذکور ہے کہ ان الفاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ''اِلٰہ'' ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان کے اس شبہ کو رد فرما دیا۔ (معارف القرآن)

قرآنی آیات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔محکم ۲۔متشابہ

''محکم'' سے مراد وہ آیات ہیں جن کے الفاظ ومعانی متعین کرنے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا، ان کا مفہوم بالکل واضح ہے۔

''متشابہ'' سے مراد وہ آیات ہیں جن کی مراد کے تعین میں دشواری پیش آتی ہے، ان کا یقینی معنی اللہ ربّ العزّت کو ہی معلوم ہے، البتہ ان دونوں قسم کی آیات پر ایمان لانا ضروری ہے، جبکہ عمل صرف ''محکم'' آیات پر ہی ضروری ہے، کیونکہ ''محکم'' آیات ''اُمّ الکتاب'' ہیں، یعنی ساری کتاب کا مرجع ومرکز یہی آیات ہیں، انہیں سے سارے مسائل پھوٹتے ہیں، پورا دین انہیں آیات سے نکلتا ہے، ہدایت کا سرچشمہ یہی آیات ہیں۔ ''متشابہات'' کو سمجھنے کے لیے انہیں کو معیار بنایا جاتا ہے۔

''متشابہات'' کے معنی کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے، ایسی آیات بطور امتحان نازل ہوئیں کہ حتمی معنی معلوم نہ ہونے کے باوجود بھی محض کلام خداوندی سمجھ کر کون ایمان لاتا ہے اور کون نہیں؟ اس لیے فرمایا: راسخین فی العلم یعنی اہل السنۃ والجماعۃ، جو قرآن وسنّت کی اسی تعبیر وتشریح کو صحیح سمجھتے ہیں جو صحابہ کرام، سلف صالحین اور اجماع امت سے منقول ہو، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے، وہ اپنے کمال علمی اور قوت ایمانی پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ متشابہات کے بارے میں اپنے قصور علمی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو خدا کے سپرد کرتے ہیں کہ اس کا معنی صرف اللہ ربّ العزّت جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے ان کے معانی بیان نہیں کیے، مذکورہ کلمات ''کلمۃ اللہ، روح اللہ'' وغیرہ بھی متشابہات میں سے ہیں، ان سے احکام ثابت نہیں کیے جاسکتے اور نہ ہی ان کے معانی ہمیں معلوم ہیں، لہٰذا ہمارے لیے بھی ان کا معلوم کرنا ضروری نہیں۔ اگر طبیعت میں سلامتی ہے اور اللہ نے کج فکری سے محفوظ رکھا ہے تو یہی عافیت کا راستہ ہے، جس کو اختیار کرنا کوئی مشکل نہیں، چنانچہ اسی پر قائم رہنے کے لیے اگلی آیت میں دعا کی تلقین فرمائی۔

ایمان پر ثابت قدمی کی دُعا

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾

دُعا کا حاصل یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا، اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرمانا، بے شک آپ سب سے بڑھ کر عطا فرمانے والے ہیں۔

یہ دُعا ہم سب کو مانگنی چاہیے، کیونکہ شیطان سے ہمارا واسطہ مرتے دم تک پڑتا ہے، کتنے لوگ ہوتے ہیں جو جوانی میں نیک ہوتے ہیں اور بڑھاپے میں بدعقیدہ ہوجاتے ہیں، بدعمل بن جاتے ہیں، کتنے لوگ ہوتے ہیں کہ ساری زندگی نیکی پر گزرتی ہے، مرتے دم ایسا گناہ کرتے ہیں کہ خاتمہ خراب ہوجاتا ہے، اسی سے بچنے کے لیے یہ دُعا تلقین فرمائی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿۱۰﴾
كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

کافروں کا انجام

ان آیات میں کفّار کا دنیوی واخروی انجام بیان فرمایا کہ جو لوگ باری تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، اور اپنے

مال و دولت اور اولاد پر غرور کرتے ہیں، ان کے مال و اولاد ان کے کسی کام نہیں آئیں گے، وہ سب جہنّم کی آگ کا ایندھن ہوں گے، جیسے فرعونیوں کو اللہ ربّ العزّت نے دنیا میں بھی تباہ کیا اور آخرت میں بھی سخت عذاب میں مبتلا کریں گے، اسی طرح اللہ ربّ العزّت ہر کافر اور انبیاء کو جھٹلانے والے کو عذاب میں مبتلا فرمائیں گے، انہیں دنیا میں بھی مغلوب فرمائیں گے اور آخرت میں بھی انہیں گھسیٹ کر جہنّم میں ڈالا جائے گا، جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ مفسرین کے نزدیک مذکورہ بالا تنبیہات یہود مدینہ کے لیے ہیں۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۳

اہلِ علم کے لیے سامان عبرت

گزشتہ آیت میں کُفّار کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی ہے، اس آیت میں اس کی ایک مثال بیان فرما رہے ہیں اور وہ یہ کہ غزوۂ بدر میں کُفّار تقریباً ایک ہزار تھے، ان کے پاس سات سو اونٹ اور کئی گھوڑے تھے، دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو تیرہ تھے، اور ان کے پاس کل ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، اور قدرت خداوندی کا نمونہ یہ تھا کہ دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو اپنا مقابل دوگنا نظر آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کُفّار کے دل میں مسلمانوں کی کثرت کے خیال سے رعب پڑ گیا تھا، جبکہ مسلمان، کافروں کی دُگنی تعداد دیکھ کر اور زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے۔ اللہ ربّ العزّت نے مؤمنین کی مدد فرمائی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ واقعہ دنیا بھر کے لوگوں کے لیے سامان عبرت ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝۱۴ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۱۵ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝۱۷

گمراہی کا ذریعہ بننے والی اشیاء

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے دنیا کی چھ چیزیں ذکر فرمائیں جن کی محبت عام طور پر انسان کو غفلت میں مبتلا اور اللہ سے دور کر دیتی ہے اور انسان گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ چھ اشیاء درج ذیل ہیں:

۱۔عورتیں۔ ۲۔اولاد۔ ۳۔سونے اور چاندی کے ڈھیر۔
۴۔عمدہ نسل کے گھوڑے۔ ۵۔چوپائے۔ ۶۔کھیتی۔

ان چیزوں کا تذکرہ فرما کر اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان چیزوں کی محبت فطری طور پر انسان کے دل میں

ڈال دی گئی ہے، جس میں کئی حکمتیں ہیں، لیکن ان کی محبت میں اس قدر اندھا نہیں ہونا چاہیے کہ احکامِ شریعت کو فراموش کر بیٹھو، یہ سب دنیا کا چند روزہ سامان ہے، بہتر انجام تو اللہ ربّ العزّت کے پاس ہے۔ اور وہ ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہاں انہیں پاکیزہ بیویاں اور سب سے بڑھ کر باری تعالیٰ کی رضا کا پروانہ نصیب ہوگا، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان دنیا میں تقویٰ والی زندگی گزارے اور اپنے اندر متقین کے اوصاف پیدا کرے۔

متقین کے اوصاف

۱۔ متقین کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رَبّ سے دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رَبّ ہم آپ پر ایمان لائے آپ ہمارے گناہ بخش دیجیے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا لیجیے۔

۲۔ متقین صابر ہوتے ہیں، یعنی نیکی کے کام پر جمتے ہیں، گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں اور تکالیف کو برداشت کرتے ہیں۔

۳۔ سچ بولتے ہیں۔

۴۔ اللہ ربّ العزّت اور احکامِ شریعت کی فرماں برداری کرتے ہیں۔

۵۔ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

۶۔ بوقتِ سحر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور تہجد کی نماز ادا کرتے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

”توحید“ پر تین بڑی گواہیاں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کو ثابت کرنے کے لیے تین عظیم الشان گواہیاں ذکر فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ، فرشتے اور علماء گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ انصاف کو قائم رکھنے والے ہیں، ان کا کوئی شریک نہیں، وہ غالب اور حکمتوں والے ہیں۔

پہلی گواہی خود اپنی ذات کی، اللہ ربّ العزّت کی گواہی سے مراد یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی قدرت وصناعی کے تمام نمونے توحید کی واضح نشانیاں ہیں۔

دوسری گواہی فرشتوں کی ذکر کی گئی جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، وہ سب کچھ جان کر اور دیکھ کر گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ربّ العزّت کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

تیسری گواہی اہل علم کی ہے۔ اہل علم سے مراد انبیاء علیہم السلام اور علمائے کرام ہیں۔ یہ آیت علمائے کرام کی فضیلت اور شان کو نمایاں کر رہی ہے کہ اس میں باری تعالیٰ نے ان کی گواہی کو اپنی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

آیت ''شَهِدَ اللّٰهُ......الخ'' کی فضیلت

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور مذکورہ بالا آیت ''شھد اللہ.....'' اور ''قل اللھم مالک الملک.....'' سے ''بغیر حساب'' تک پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرما دیں گے اور اسے جنّت میں جگہ دیں گے اور اس کی ستر ضروریات پوری فرمائیں گے، جن میں سے کم سے کم حاجت اس کی مغفرت ہے۔ (روح المعانی)

اہل علم نے ''شھد اللہ'' والی آیت کو ''آیت العز'' قرار دیا ہے۔ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد اس کی تلاوت کرے گا اسے عزّت نصیب ہوگی۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے، اسلام کے سوا کوئی بھی دین بارگاہ خداوندی میں قبولیت نہیں پاسکتا، اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اپنائے تو اللہ ربّ العزّت اس کا جلد حساب لیں گے اور اسے اپنے اس عمل کا وبال معلوم ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہود کے جرائم کی فہرست ذکر کرنے کے ساتھ انہیں دعوت ایمان دی گئی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؗ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ؗ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

شانِ نزول

غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کا ایک متحدہ محاذ مسلمانوں کے خلاف قائم ہوا اور انہوں نے مسلمانوں کو جڑ سے ختم کرنے کا عزم لیے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے عزائم کا پتہ چلا تو چونکہ ان کا لشکر مسلمانوں بلکہ مدینہ کی کل آبادی سے بھی کئی گنا بڑا تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق مدینہ سے باہر دشمن کے راستے میں خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔

خوف اور فقر میں شاہی کی اطلاع

خندق کئی میل لمبی اور خاصی گہری اور چوڑی تھی، تاکہ دشمن اس کو عبور نہ کر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کار

کرتے ہوئے چالیس چالیس ہاتھ لمبی خندق دس دس آدمیوں کے ذمہ لگادی، تمام صحابہ کرام تندہی سے اپنے کام میں لگ گئے تا کہ جلد از جلد خندق کی کھدائی مکمل کی جاسکے، عالم یہ تھا کہ بھوک کی شدت سے صحابہ کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر پتھر باندھ لیے تھے۔ اسی کھدائی کے دوران خندق کے ایک حصے میں ایک بڑی چٹان نکل آئی، جو کسی طور ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کی گئی تو آپ وہاں تشریف لائے اور کدال لے کر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی تو چٹان کے ٹکڑے ہو گئے اور اس میں سے روشنی نکلی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حیرہ (ملک فارس) کے محلات وعمارات دکھائی گئی ہیں، پھر دوسری ضرب لگائی تو دوبارہ روشنی نکلی، آپ نے فرمایا کہ اس کی روشنی میں مجھے رومیوں کے سرخ محلات وعمارات دکھائی گئی ہیں، پھر تیسری ضرب لگائی تو پھر روشنی برآمد ہوئی، آپ نے فرمایا کہ مجھے صنعاء یمن کے عظیم محلات دکھائے گئے ہیں، اور فرمایا کہ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ مجھے جبرائیل امین نے خبر دی ہے کہ میری امت ان تمام ملکوں پر غالب آئے گی۔

منافقین کی پھبتیاں

منافقین نے جب یہ سنا تو ان کو استہزاء وتمسخر کا موقع ہاتھ لگ گیا، انہوں نے مسلمانوں کا مذاق اڑایا کہ دیکھو ان لوگوں کو جو حریف مقابل کے خوف سے خندق کھودنے میں اس طرح مشغول ہیں کہ ان کو اپنی ضروریات کا بھی ہوش نہیں، اپنی جانوں کی حفاظت مشکل ہورہی ہے، ایسی حالت میں بھی وہ ملک فارس، روم اور یمن کے خواب دیکھ رہے ہیں، اللہ رَبّ العزّت نے ان کے جواب میں یہ آیات نازل فرمائیں۔(معارف القرآن)

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت مالک الملک ہیں، وہ جسے چاہتے ہیں بادشاہت عطا فرماتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں بادشاہت چھین لیتے ہیں، عزت اور ذلت بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جسے چاہتے ہیں عزت سے نوازتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ذلیل ورسوا فرمادیتے ہیں، تمام بھلائیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ وہ رات سے دن اور دن سے رات نکالتا ہے، اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

تو جو رَبّ ان سب چیزوں پر قادر ہو، اس کے لیے مسلمانوں کو روم وفارس اور یمن کی بادشاہت عطا کرنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے ان تمام علاقوں اور ملکوں کو اپنے زیر نگیں کرلیا اور وہاں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیے۔

ادائیگیٔ قرض کا مجرّب عمل

یہ آیت قرض کی ادائیگی کے لیے نہایت مجرب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلقین فرمائی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک جمعہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نماز

میں نہ دیکھا تو خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: اے معاذ! کیا بات ہے؟ آج میں نے تم کو نہیں دیکھا، عرض کیا یارسول اللہ! ایک یہودی کا میرے ذمہ ایک اوقیہ (چالیس درہم) قرض تھا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گھر سے نکلا، راستہ میں اس یہودی نے مجھ کو روک لیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے معاذ کیا میں تمہیں ایسی دُعا نہ بتاؤں کہ اگر تمہارے ذمہ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ادا فرمادیں گے، وہ دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُعْطِیْ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ اِرْحَمْنِیْ رَحْمَةً تُغْنِيْنِیْ بِهَا عَنْ رَّحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ اَللّٰهُمَّ اقْضِ عَنِّی الدَّيْنَ وَاَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ وَتَوَفَّنِیْ فِیْ عِبَادَتِكَ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِكَ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اللہ ربّ العزّت سے محبّت کا معیار!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور باری تعالیٰ کی محبوبیت کی تمنا رکھتے ہیں، اپنی محبت کا معیار بتایا ہے، اور وہ معیار اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یعنی اگر کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر آزما کر دیکھ لیا جائے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا، جو شخص اپنے دعویٰ میں جتنا سچا ہوگا، اتنا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا زیادہ اہتمام کرے گا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کو اپنے لیے مشعل راہ بنائے گا۔

اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تمہیں محبوب بنالیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیں گے، وہ بخشنے والے ہیں مہربان ہیں۔

اے نبی! آپ فرمادیجیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم اس حکم سے روگردانی کروگے تو یاد رکھو اللہ کافروں کو پسند نہیں فرماتے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّیْ

سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٤١﴾

حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام عمران تھا، وہ بیت المقدس کے امام اور نیک صالح انسان تھے، حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا، حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ اس وقت حالت حمل میں تھیں، انہوں نے منت مانی کہ اس حمل سے جو بھی اولاد پیدا ہوگی اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کردوں گی، دنیا کے کسی کام میں نہیں لگاؤں گی، مگر جب حمل سے لڑکی پیدا ہوئی تو انہیں افسوس ہوا کیونکہ لڑکی تو بیت المقدس کی خدمت نہیں کرسکتی، پھر انہوں نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ یا اللہ میری بیٹی پیدا ہوئی ہے، اللہ خوب جانتے ہیں جو پیدا ہوئی، یہ لڑکی کوئی معمولی لڑکی نہیں، بلکہ بہت سے لڑکوں سے بہتر ہے۔ میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں، اور اسے اور اس کی اولاد کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں، آپ اسے قبول فرمالیجیے۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اخلاص کی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام کو قبول فرمالیا، اور ان کو عجیب شان عطا فرمائی۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو لے کر بیت المقدس تشریف لائیں، اور وہاں کے مجاورین و عابدین جن میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے، سے جا کر کہا کہ میں نے اس لڑکی کو اللہ ربّ العزّت کے لیے وقف کردیا ہے، لہٰذا اس کو آپ رکھیے۔ چونکہ حضرت عمران مسجد کے امام تھے، اس لیے بیت المقدس کے مجاورین میں سے ہر شخص ان کو لینے اور پالنے کی خواہش رکھتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ تھیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے، اس لیے انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس بچی کی کفالت کا زیادہ حق ہے، مگر دیگر لوگ اس پر راضی نہیں ہوئے، بالآخر قرعہ اندازی کا فیصلہ ہوا، جس کی صورت یہ طے پائی کہ ہر شخص اپنا قلم پانی میں ڈالے، جس کا قلم پانی کی حرکت کے خلاف الٹا بہہ جائے وہ

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کا مستحق ہوگا، اس میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام ہی کامیاب قرار پائے، چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت ان کو مل گئی۔ آپ نے ان کو مسجد سے ملحق ایک کمرے میں لا کر رکھا، جب کہیں جاتے، اس کو تالہ لگا دیتے، پھر آ کر کھول لیتے، اور ہر بار دیکھتے کہ کمرے میں بے موسم پھل اور کھانے پینے کی چیزیں موجود ہوتیں، ایک مرتبہ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ اے مریم! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے آتی ہیں، وہ جسے چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا

حضرت زکریا علیہ السلام کی اس وقت تک اولاد نہیں تھی، اور ان پر بڑھاپا آ چکا تھا، انہوں نے جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ جو رَبّ ان کو بے موسم پھل دے سکتا ہے وہ مجھے بھی بڑھاپے میں اولاد عطا فرما سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے اللہ رَبّ العزّت سے دُعا کی کہ اے میرے رَبّ! مجھے نیک اولاد عطا فرما، بے شک آپ دُعا قبول کرنے والے ہیں، اللہ رَبّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی، اور فرشتوں کے ذریعہ انہیں اولاد کی خوشخبری سنا دی کہ آپ کے ہاں ایک بیٹا ہوگا، جو اللہ رَبّ العزّت کا برگزیدہ بندہ ہوگا، اللہ رَبّ العزّت اسے دنیا میں سرداری اور نبوت عطا فرمائیں گے۔ آپ علیہ السلام نے یہ سن کر عرض کیا کہ اے رَبّ! میرا بیٹا کیسے ہوگا، میری تو عمر ڈھل چکی ہے اور میری بیوی بھی بانجھ ہے، اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ایسے ہی ہو جائے گا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اس پر حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھے کوئی نشانی تو عطا فرما دیجیے جس سے مجھے اولاد ہونے کا پتہ چل جائے، اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ آپ تین دن تک لوگوں سے سوائے اشاروں کے کوئی بات نہیں کر سکیں گے، ان دنوں میں ذکر اور تسبیح کی کثرت کیجیے گا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

حضرت مریم علیہا السلام پر باری تعالیٰ کے اِنعامات

جب حضرت مریم علیہا السلام جوان ہوگئیں تو اللہ رَبّ العزّت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ انہیں یہ

پیغام بھجوایا کہ آپ کو اللہ ربّ العزّت نے منتخب فرما لیا ہے، اور آپ کو تمام ناپسندیدہ افعال و اخلاق سے پاک بنایا ہے اور اپنے زمانے کی تمام عورتوں پر آپ کو فضیلت دی ہے، لہٰذا آپ اپنے پروردگار کی اطاعت بجالاتی رہیں اور نماز ادا کرتی رہیں۔

یہ واقعہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت کی دلیل ہے!

یہ واقعہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم (اللہ تعالیٰ) نے آپ کو بتایا ہے، آپ تو اس وقت وہاں موجود نہ تھے، جب حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت پر اختلاف اور قرعہ اندازی ہو رہی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، اور آپ کو بذریعہ وحی یہ خبریں بتائی جاتی ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر جگہ موجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہی غیب دان ہے۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی کہ آپ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام عیسیٰ ہوگا، وہ دنیا میں بھی اللہ ربّ العزّت کے یہاں باآبرو اور وجیہ ہوں گے اور آخرت میں بھی مقربین اور چنیدہ افراد میں سے ہوں گے، اس بچے سے خرقِ عادت امور بھی صادر ہوں گے مثلاً وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے بات چیت کرے گا اور بڑی عمر میں بھی، اور وہ پروردگارِ عالم کے نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔

قُربِ قیامت میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی دلیل

یہ آیت قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی دلیل ہے، کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ادھیڑ عمر میں بات کرنے کا ذکر ہے، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمانوں میں اٹھائے گئے تھے اس وقت ان کی عمر تیس پینتیس سال کے درمیان تھی، ادھیڑ عمر کا زمانہ انہوں نے پایا ہی نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ادھیڑ عمر میں آسمان سے دوبارہ تشریف لائیں گے اور لوگوں سے بات چیت کریں گے۔ (معارف القرآن)

حضرت مریم علیہا السلام نے جب یہ بشارت سنی تو انہیں بہت حیرت اور تعجب ہوا، اور انہوں نے فرطِ حیرت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے ہی ہوگا، یہ اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانی ہے، وہ جب کسی کام کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو وہ صرف ''کن'' فرماتے ہیں اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۞ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ

حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اِنعاماتِ رَبانی

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہ السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت انہیں کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دیں گے، کتاب وحکمت سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک قرآن وحدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کا علم آپ کو نزول کے بعد دیا جائے گا۔ یہ بھی آپ کے نزول کی قرآنی دلیل ہے، کیونکہ کتاب سے مراد تورات تو ہے نہیں، اس کا ذکر مستقل کیا گیا ہے، کتاب سے مراد قرآنِ کریم لیا جائے گا اور حکمت، قرآنِ کریم میں عموماً سنت وحدیث پر بولا جاتا ہے۔

نیز باری تعالیٰ انہیں نبوت اور رسالت دے کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے اور انہیں متعدد معجزات عطا فرمائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

۱۔مٹی سے پرندے کی شکل کا ایک مجسمہ بنا کر اس میں پھونک مارتے ہیں تو وہ زندہ ہو کر اڑنے لگتا ہے۔

۲۔مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو ٹھیک کر دیتے ہیں۔

۳۔مُردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔

۴۔لوگ جو کھانا کھاتے ہیں اور جو گھر میں ذخیرہ کرتے ہیں، ان سب کی خبر اللہ رَبّ العزّت انہیں فرما دیتے ہیں۔

ان سب معجزات کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ رَبّ العزّت مبعوث فرمائیں گے، آپ علیہ السلام تورات کی تصدیق کریں گے، اور بعض ایسی چیزیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حرام قرار دی گئی تھیں، انہیں اللہ رَبّ العزّت کے حکم سے حلال کر دیں گے، اور آپ بنی اسرائیل سے کہیں گے کہ اللہ رَبّ العزّت کے حکم کی مخالفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اور اس اللہ رَبّ العزّت کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رَبّ ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۗ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

بنی اسرائیل کا رویّہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل کو اللہ رَبّ العزّت کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے آپ پر

ایمان لانے سے انکار کردیا، آپ کو ایذاء پہنچانے کے درپے رہنے لگے اور آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے، جب آپ علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنے حواریوں (وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے تھے) سے فرمایا کہ کون حق اور سچ کی راہ میں میری مدد کرے گا، ان سب نے کہا کہ ہم آپ کی مدد کریں گے، ہم اللہ ربّ العزّت پر ایمان لائے ہیں اور آپ اس بات کے گواہ رہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آپ کے فرمانبردار ہیں، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے ہمارے ربّ! ہم آپ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لائے، آپ کے بھیجے ہوئے رسول کی اتباع کی، آپ ہمیں مؤمنین میں لکھ دیجیے۔ اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ کافر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی مکر و تدبیر میں لگے رہے، جبکہ اللہ ربّ العزّت نے ان کو بچانے کی تدبیر فرمائی، اور اللہ ربّ العزّت کی ہی تدبیر سب پر غالب آئے گی، کیونکہ اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَىٰٓ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نّٰصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پروردگارِ عالم کے وعدے

گزشتہ آیات میں ذکر ہوا کہ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جان کے دشمن ہوگئے تھے اور آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے تھے، جبکہ دوسری طرف اللہ ربّ العزّت کا ارادہ آپ علیہ السلام کو بچانے کا تھا، اس آیت میں باری تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان ظالموں کے شر سے بچانے کے لیے چار وعدے فرمائے ہیں:

۱...... پہلا وعدہ یہ ہے کہ آپ کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل کے ذریعہ نہیں ہوگی، بلکہ میں آپ کو پورا پورا لے لوں گا، یعنی اپنے پاس بلالوں گا۔ بعض مفسرین نے اس کا معنیٰ کیا ہے کہ وقت مقررہ پر آپ کو موت دوں گا، ابھی یہودی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

۲...... دوسرا وعدہ جو دراصل پہلے وعدہ کا تکملہ ہے، یہ کہ میں آپ کو اپنے پاس آسمانوں میں اٹھالوں گا۔ اس سے مراد روح اور جسم دونوں کو اٹھانا ہے، نہ کہ صرف روح کو، کیونکہ یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام صرف روح کا نام نہیں، بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

۳...... تیسرا وعدہ یہ ہے کہ آپ کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کردوں گا۔

۴...... چوتھا وعدہ یہ ہے کہ آپ کے متبعین کو آپ کے منکرین پر قیامت تک غالب رکھا جائے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی متبعین مسلمان ہیں۔

ان چاروں وعدوں کے بعد ارشاد فرمایا کہ بالآخر سب کو لوٹ کر ہمارے پاس آنا ہے، اور میں قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ جو لوگ کُفر کرتے ہیں، انہیں دنیا و آخرت میں رسوائی اور سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی سی ہے!

عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کا دھوکا اس سے لگا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اسی لیے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے، یعنی جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیا گیا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بغیر باپ کے پیدا کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہ نہیں ہیں، کیونکہ جس کی پیدائش ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

''آیتِ مباہلہ'' کا پس منظر

نجران کے عیسائی دلائل میں لاجواب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے لگے تو اس پر مذکورہ آیتِ مباہلہ نازل ہوئی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی اور خود بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لیے تشریف لے آئے، ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں، نبی سے مباہلہ کرنے میں ہماری ہلاکت ہے، اس لیے نجات کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو، چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جزیہ مقرر کر کے صلح کر دی، جس کو انہوں نے بھی منظور کر لیا۔ (معارف القرآن)

''مباہلہ'' کی تعریف

مباہلہ کا معنی عاجزی سے دُعا مانگنا ہے۔ مباہلہ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی امر کے حق و باطل ہونے میں فریقین کا اختلاف ہو جائے اور دلائل سے اختلاف ختم نہ ہو تو دونوں فریق مل کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو، اس

پر اللہ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے اور جھوٹے پر قہر نازل ہو۔ مباہلہ صرف قطعی امور میں ہوتا ہے، یعنی عقائدِ اسلام میں، ظنی چیزوں میں مباہلہ درست نہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اہلِ کتاب کو دعوت وتبلیغ

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر اہل کتاب کو دینِ حق کی طرف دعوت دینے کا ایک بہترین طریقہ تلقین فرمایا ہے جو دراصل تبلیغ اور دعوت کا اہم زریں اصول ہے، اور وہ یہ کہ اگر کسی ایسے شخص یا جماعت کو دعوت دینے کا ارادہ ہو جس کے عقائد ونظریات مختلف ہیں، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہے، اسی طرز کے مطابق اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اہل کتاب سے کہہ دیجیے کہ آؤ ہم جس جس نکتے پر باہم متفق ہیں یعنی توحید باری تعالیٰ، اس پر اکٹھے ہو جائیں، ہم اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہم اللہ ربّ العزّت کے ساتھ شرک نہیں کریں گے، اور نہ ہی ایک سے زائد معبود بنا کر ان کی عبادت کریں گے۔ اور اگر تم ہمارے ساتھ اس بات پر بھی متفق نہیں ہوتے تو یاد رکھو ہم تو مسلمان ہی ہیں۔

اہلِ کتاب سے متعدّد شکوے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اہل کتاب سے متعدد شکوے فرمائے ہیں۔

۱- پہلا شکوہ یہ ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں جماعتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے مذہب کا متبع قرار دیتے ہیں، یہودی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، جبکہ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی ہیں، اللہ ربّ العزّت ان دونوں کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے ہیں، حالانکہ تورات اور انجیل دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی، اور نہ ہی مشرکین میں سے تھے، بلکہ سچے مسلمان اور اللہ ربّ العزّت کے فرمانبردار تھے۔

۲- اہل کتاب سے ایک شکوہ یہ ہے کہ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

۳- ایک شکوہ یہ ہے کہ یہ جان بوجھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ تورات وانجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں پڑھ چکے ہیں، اسی لیے ان کو آپ کا نبی ہونا معلوم ہے، اس کے باوجود یہ لوگ حق قبول نہیں کرتے۔

۴- چوتھا شکوہ یہ ہے کہ یہ حق اور باطل کو خلط ملط کر دیتے ہیں، اور اس طرح کر کے حق کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کو خوب اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہم جو کر رہے ہیں وہ غلط ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اپنی روش پر ڈٹے رہتے ہیں۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ۚ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ
اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ يَّخْتَصُّ
بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

اہلِ کتاب کی ایک شاطرانہ چال

اہل کتاب (یہود) مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیا کرتے تھے، ان کی ایک تدبیر یہ تھی کہ انہوں نے باہم مشورہ سے یہ طے کیا کہ دن کے آغاز میں سب کے سامنے کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعتراف کر لیں اور شام کو پھر سے کفر اختیار کر لیں، اس طرح کر کے وہ مسلمانوں کے دل میں شبہات پیدا کرنا چاہتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہدایت اللہ ربّ العزت کے اختیار میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت اور اپنا فضل عطا فرماتا ہے، یہ اہل کتاب صرف حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے، کیونکہ انہیں اس بات کی جلن ہے کہ مسلمانوں کو ان کی طرح شریعت اور آسمانی کتاب کیوں مل گئی، جبکہ شریعت اور کتاب کا ملنا اللہ ربّ العزّت کا فضل ہے اور باری تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنا فضل عطا فرماتے ہیں، کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا
مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ

اہلِ کتاب میں اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ ہیں

اس آیت میں اہل کتاب کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کے پاس اگر سونے کا

ڈھیر بھی امانت رکھ دیا جائے تو وہ اس میں ایک پائی کی خیانت نہیں کرتے، بلکہ پورا کا پورا واپس کر دیتے ہیں، جبکہ بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر ایک دینار بھی امانت رکھوا دیا جائے تو اس میں بھی خیانت کرتے ہیں اور ٹال مٹول کر کے اسے ہتھیانے کی کوشش کرتے ہیں، جب تک کہ آپ مسلسل اس کے سر پر کھڑے ہو کر اس سے مطالبہ نہ کرو، وہ امانت لوٹانے پر راضی نہیں ہوتا۔ اور وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری شریعت میں غیر اہل کتاب کا مال ہتھیا لینے کی شرعاً گنجائش ہے، اللہ رَبّ العزّت نے ان کی تردید فرمائی کہ یہ لوگ اللہ ربّ العزّت پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ آیت میں امانتدار کی تعریف کی گئی۔

مفسرین کے مطابق اس آیت کا مصداق حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے پاس کسی نے بھاری بھرکم سونا امانت رکھا، پھر واپس مانگا تو انہوں نے فوراً واپس دے دیا۔ جبکہ خائن کی مذمت کی گئی۔ اس سے مراد یہودیوں کا نامور پادری فنحاص بن عاذر ہے، اس کے پاس کسی نے ایک دینار امانت رکھوایا، واپسی کا مطالبہ کیا تو فنحاص مکر گیا، اس غریب کے شور کرنے پر بدنامی کے ڈر سے رقم واپس کی۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

نجران کے عیسائیوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط بیانی

نجران کے عیسائیوں نے دوران مکالمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ ہمارے بڑوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ میری بندگی کرنا، مجھے رَبّ سمجھنا، مذکورہ بالا آیات میں اس کی پرزور تردید کی گئی۔ فرمایا کسی بھی ایسے بشر کو یہ حق نہیں پہنچتا جسے اللہ تعالیٰ نے کتاب، حکم اور نبوت سے سرفراز فرمایا ہو، وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بنو۔ اس سے مراد حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔

انبیاء علیہم السلام ''بشر'' ہیں!

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بھی بشر اور انسان ہیں، وہ کسی کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیتے، بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ سب لوگ رَبّ والے بن جائیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، توحید اختیار کریں، اس لیے کہ تم کتاب کے معلم اور کتاب کے پڑھنے والے ہو، یہ خطاب عیسائیوں کو ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے نام رکھنا جس میں غیر اللہ کی بندگی ظاہر ہو ناجائز ہے، مثلاً عبدالنبی، عبدالرسول، علی بخش، پیراں دتہ وغیرہ۔ نبی یہ بھی حکم نہیں دیتے کہ تم فرشتوں اور بتوں کو رَبّ بنا لو۔ یہ تو کافرانہ عمل ہے۔ نبی اسلام پر لاتے ہیں وہ کبھی بھی کفر کی تعلیم نہیں دے سکتے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا
مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا
نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی دلیل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک دلیل بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے تھے، اللہ ربّ العزّت نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر تمہارے ہوتے ہوئے نبی آخر الزمان کی بعثت ہوجائے تو تم ان پر ایمان لانا اور ضرور ان کی مدد و نصرت کرنا، تمام انبیاء و رسل علیہم السلام نے یہ عہد کیا، اللہ ربّ العزّت نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ ان سب نے اقرار کیا، تو اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اس عہد اور اقرار پر گواہ ہو جاؤ، میں بھی اس عہد و پیمان کا گواہ ہوں۔

اِسلامی تعلیمات کا خلاصہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپ دین اسلام کے اظہار کے لیے فرمادیجیے کہ ہم اللہ ربّ العزّت پر، اس کے نازل کردہ اس حکم پر جو ہماری طرف بھیجا گیا، اور اس حکم پر جو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب۔علیہم السلام۔ اور ان کی اولاد میں سے جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں، سب پر نازل ہونے والے احکام پر ایمان رکھتے ہیں، اور ہم ان انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے متعلق کسی ایک میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہ لائیں، اور ہم اللہ ربّ العزّت کی ہی اطاعت و فرمانبرداری بجالاتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

صرف ’’اِسلامی طریقہ‘‘ ہی قبول ہے!

اس آیت میں واضح کردیا گیا کہ اب سابقہ ادیان منسوخ ہوچکے، لہٰذا زندگی گزارنے کا صرف ایک ہی طریقہ قبول ہے اور وہ اسلام ہے۔ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور طریقے کو اختیار کرے گا، وہ طریقہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، اور اسے آخرت میں خسارہ اُٹھانا پڑے گا۔ افسوس کہ آج امت مسلمہ بھی اسلام کو چھوڑ کر مغربی اور غیر اسلامی طرز اختیار کر رہے ہیں۔ اسلامی ممالک کی حکومتیں غیر اسلامی قانون سازیاں کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سب کو مسترد کردیا۔

پارہ نمبر ۴

یہ پارہ سورۃ آل عمران کے بقیہ حصے اور سورۃ النساء کے ابتدائی حصہ پر مشتمل ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۬ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

نیکی کا کمال، پسندیدہ چیز کی قربانی

پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اس وقت تک نیکی کے کمال کو نہیں پاسکتے جب تک تم اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز اللہ ربّ العزّت کی راہ میں خرچ نہ کردو، اور تم جو بھی خرچ کروگے، اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

مذکورہ آیت پر صحابہؓ کا جذبۂ عمل

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاواسطہ شاگرد اور قرآن کے بلاواسطہ مخاطب تھے، اسی لیے وہ احکام قرآنی کی تعمیل کی بہت تگ و دو کرتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہر ایک صحابی نے اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں پر نظر ڈالی اور انہیں راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

انصار مدینہ میں سب سے مالدار حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے، مسجد نبوی کے بالکل متصل ان کا باغ تھا، جس میں ایک کنواں ''بیر حاء'' کے نام سے موجود تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے، اور ''بیر حاء'' کا پانی پیتے تھے، آپ کو اس کنویں کا پانی پسند تھا، حضرت ابوطلحہ کا یہ باغ بڑا قیمتی، زرخیز اور ان کو بہت محبوب تھا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ''بیر حاء'' وقف کرنے کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ تو بہت منافع والا باغ ہے، مناسب یہ ہے کہ اس کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردیں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورے کو قبول فرما کر اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردیا۔ (معارف القرآن)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کنیز تھی، آپ نے اس کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا۔ (معارف القرآن)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک گھوڑا لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں یہ گھوڑا اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں، آپ نے اس کو قبول فرمالیا اور ان سے گھوڑا لے کر انہی کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، اور انہیں ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے آپ کا صدقہ قبول فرمالیا ہے۔ (معارف القرآن)

عیسائیوں کی طرف سے نبوّت کے متعلّق شبہات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نجران کے نصاریٰ، جن کا تذکرہ سورت کے شروع میں ہو چکا ہے، کے چند شبہات بیان فرمائے، جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کیے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ان شبہات کی تردید فرمائی۔ ان کے شبہات درج ذیل ہیں:

۱۔ ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعتہً اللہ کے نبی ہیں تو اونٹ کیوں کھاتے ہیں؟ جبکہ حضرات انبیاء علیہم السلام علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا اور یہ ہمیشہ سے حرام چلا آرہا ہے۔

۲۔ ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ نبیوں کا قبلہ تو بیت المقدس ہے، آپ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز کیوں پڑھتے ہیں؟

۳۔ ان کا ایک اعتراض اور شبہ یہ تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو پھر آپ کے ساتھیوں کو اُحد میں شکست کیوں ہوئی؟

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں سوالوں اور شبہات کا تفصیل سے جواب دیا۔

پہلے شبہ کا جواب

پہلے سوال کے جواب میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ اونٹ وغیرہ کی حرمت تمام ادوار میں رہی ہے، بالکل غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل پر تمام چیزیں حلال تھیں، سوائے اونٹ کے گوشت کے، اس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کسی خاص وجہ سے اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا، اور وہ بعد میں ان کی اولاد میں بھی حرام چلا آیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اونٹ کے گوشت کو ترک کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو عرق النساء کا مرض لاحق تھا، آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمادیں تو سب سے محبوب کھانا چھوڑ دوں گا، ان کو شفاء ہوگئی اور سب سے محبوب آپ کو اونٹ کا گوشت تھا، تو آپ نے اس کو ترک فرمادیا۔ ہماری شریعت میں اس قسم کی منت ماننا جائز نہیں۔

دوسرے شبہ کا جواب

دوسرے شبہ کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ دعویٰ کرنا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ بیت

المقدس تھا، درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلا قبلہ اور کعبہ بیت اللہ ہے جو مکہ مکرمہ میں واقع ہے، نہایت بابرکت مقام ہے اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت کا باعث ہے۔

''بیت اللہ'' کی تین خصوصیات

اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تین خصوصیات بیان فرمائیں:

۱- خانہ کعبہ میں ایسی بہت سی نشانیاں ہیں جو اس کے شرف پر دلالت کرتی ہیں، انہی نشانیوں میں سے ایک مقام ابراہیم ہے، جو کہ ایک پتھر ہے، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیت اللہ کے قریب نصب فرما دیا، یہ آج بھی موجود ہے اور اس کے قریب نوافل پڑھنے کا حکم ہے۔

۲- بیت اللہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا یعنی مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔

۳- بیت اللہ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے تمام صاحب استطاعت اہل ایمان پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم اور واجب قرار دیا ہے۔ صاحب استطاعت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس ضروریات اصلیہ سے زائد اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں کے قیام کا خرچ برداشت کر سکے اور اپنی واپسی تک اہل و عیال کا بھی انتظام کر سکے۔ اگر عورت ہو تو اس کے لیے محرم کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہے۔ نیز راستہ کا مامون ہونا بھی استطاعت کا حصہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

یہود و نصاریٰ کی سازش

ایک یہودی شماس بن قیس مسلمانوں سے بہت کینہ رکھتا تھا، اس نے ایک مجلس میں انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کو ایک جگہ جمع دیکھا تو حسد سے بے چین ہو گیا، اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگ گیا، آخر یہ تدبیر کی کہ ایک شخص سے کہا کہ ان دونوں قبیلوں میں اسلام سے پہلے جو جنگ عرصۂ دراز تک رہ چکی ہے اور اس کے متعلق فریقین کے ایک دوسرے کے خلاف فخریہ اشعار ہیں، وہ اشعار ان کی مجلس میں پڑھ دیے جائیں، چنانچہ اشعار کا پڑھنا تھا، فوراً ایک آگ سی بھڑک اٹھی اور آپس میں تو تو میں میں ہونے لگی، یہاں تک کہ باہم ہاتھا پائی کی نوبت آنے لگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میرے ہوتے ہوئے اور مسلمان ہونے کے بعد یہ کیا جہالت ہے! کیا تم کفر میں لوٹنا چاہتے ہو؟ سب متنبہ ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ شیطانی حرکت تھی، چنانچہ ایک دوسرے کے گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ان اہل کتاب کی باتوں

میں آجاؤ گے تو یہ تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر سے کفر میں لوٹا دیں گے، اور تم کفر میں کیسے لوٹ سکتے ہو حالانکہ تم پر صبح وشام اللہ ربّ العزّت کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں، لہٰذا ان جھگڑوں وغیرہ میں نہ پڑو اور مضبوطی کے ساتھ اللہ ربّ العزّت کے دین کو تھام لو، کیونکہ جو دین کو مضبوطی سے تھام لے اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت دے دی جاتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝

مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے اُصول

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو مضبوط اور ناقابلِ تسخیر بنانے کے دو اہم اصول بتلائے:

۱۔ تقویٰ: یعنی ان چیزوں سے بچنا جو اللہ ربّ العزّت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہیں۔

۲۔ باہمی اتحاد و اتفاق اور تفرقہ بازی و اختلافات سے بچنا۔

تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت سے اسی طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ ربّ العزّت کی اطاعت کی جائے، کوئی کام اس کی طاعت کے خلاف نہ ہو، اس کو ہمیشہ یاد رکھیں، کبھی نہ بھولیں، ہمیشہ شکر ادا کریں، کبھی ناشکری نہ کریں۔

اللہ کی رسّی کیا ہے؟

باہمی اتحاد و اتفاق کا درس دیتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے نہایت بلیغ انداز اپنایا اور حکم فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے، اس میں مفسرین کرام نے متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں، جن میں سے راجح اقوال دو ہیں:

۱۔ اللہ ربّ العزّت کی رسی سے مراد اللہ کا دین ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، کسی بھی حکم میں شریعت کی خلاف ورزی نہ کرو۔

۲۔ اس سے مراد کتاب اللہ ہے، یعنی اللہ کی کتاب اور قرآن کو مضبوطی سے تھامو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر ساری اُمّت قرآنِ کریم کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگ جائے تو سارے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں اور تفرقہ بازی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

''باہمی محبّت'' اِنعامِ خداوندی

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنے ایک انعام کا تذکرہ فرمایا کہ اس وقت کو یاد رکھو جب تم باہم دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، پھر اللہ ربّ العزّت نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی، جس کی وجہ سے تم

بھائی بھائی بن گئے اور باہم شیر وشکر ہوگئے، اس کے علاوہ تم اعتقادی طور پر اتنے گمراہ تھے کہ گویا جہنم کے دہانے پر کھڑے تھے، تمہارے سامنے صرف ہلاکت اور تباہی تھی، اللہ ربّ العزّت نے تمہیں ہدایت دی اور تمہیں جہنم کی آگ سے محفوظ فرمادیا۔ یہ اس پاک ذات کے انعام ہیں، اس کا شکرادا کرو اور باہم تفرقہ نہ پھیلاؤ اور دین پر مضبوطی سے جم جاؤ۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

فریضۂ تبلیغ!

ان آیات میں امت کی فلاح کو یقینی بنانے کے لیے ایک اور حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ جس طرح خود کو تقویٰ پر چلنے اور قرآن پاک کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہے، اسی طرح دوسروں کی اصلاح کی کوشش اور فکر کرنا بھی ضروری ہے، اسی لیے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے، کفّار کو اسلام اور مسلمانوں کو نیک اعمال اپنانے کی دعوت دے، نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے، جو جماعت یہ صفات اپنائے گی، وہ حقیقی کامیابی سے سرفراز ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنہوں نے فرقہ واریت اور تفرقہ بازی سے کام لیا اور آپس میں اتحاد واتفاق سے رہنے کے بجائے اختلافات کو فروغ دینے لگے، ایسے لوگوں کے لیے قیامت میں بڑا عذاب ہوگا۔

روزِ محشر رُوسیاہی اور روشن چہرے

روزِ محشر کچھ لوگوں کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے اور کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ سیاہ چہرے والوں سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کافرانہ طرز اختیار کیا، اس کُفر کے سبب عذاب برداشت کرو، اور سفید چہرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ رحمت خداوندی میں رہیں گے۔

سفید چہرے والے اہلِ سُنّت ہوں گے!

تفسیر درمنثور میں ہے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سفید چہرے والے اہل سنت ہوں گے اور سیاہ چہرے والے اہل بدعت ہوں گے۔ اہل بدعت دین میں کمی بیشی کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر کچھ لوگوں کو پانی دینا چاہیں گے، فرشتے روک دیں گے، اور کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے، انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا گھڑ لیا تھا، دین میں کمی بیشی کی تھی۔ آپ فرمائیں گے: ''سُحْقًا سُحْقًا'' دفع کرو، دفع کرو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ
أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ
يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ
وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ
اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ
فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝

اُمّتِ مسلمہ کا اعزاز

پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے اس اُمّت کی ایک فضیلت اور اعزاز بیان فرمایا ہے اور اس کی وجہ بھی ذکر فرمائی ہے۔ اور وہ یہ اعزاز یہ ہے کہ یہ اُمّت سب سے بہترین اور افضل اُمّت ہے، اور یہ اعزاز ملنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اُمّت تین صفات سے متصف ہے:

۱۔ اللہ رَبّ العزّت پر ایمان۔

۲۔ امر بالمعروف۔

۳۔ نہی عن المنکر۔

اس کے بعد اہل ایمان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب تک تم دین پر کاربند ہو، تمہیں اہل کتاب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بمحض زبانی طور پر برا بھلا کہہ کر تمہیں پریشان کریں گے، اور اگر وہ تم سے لڑائی اور قتال پر آمادہ ہوں تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

یہودیوں کے جرائم اور ان کا انجام

اس کے بعد یہودیوں کے چند جرائم کا تذکرہ فرما کر ان کے انجام کو بیان فرمایا۔ یہودیوں کا ایک جرم یہ تھا کہ وہ اللہ رَبّ العزّت کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور دوسرا بڑا جرم یہ تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرتے تھے، اور ان کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ وہ مسلسل باری تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا کرتے تھے۔

ان جرائم کی وجہ سے اللہ رَبّ العزّت نے انہیں یہ سزا دی کہ ان پر ذلت مسلط کردی گئی، وہ جہاں بھی رہیں گے، ذلیل وخوار اور پست ہو کر رہیں گے، وہ اللہ رَبّ العزّت کے غضب کے مستحق ہیں ہاں اگر کوئی ایسا سبب پایا گیا جو

اللہ ربّ العزّت کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے ہو مثلاً وہ کتابی نابالغ یا عورت ہو کیونکہ انہیں شریعت اسلامیہ میں قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح اگر صلح کا معاہدہ ہو تو بھی وہ مامون ہوں گے۔

اچھے اہلِ کتاب کی تعریف

گزشتہ آیات میں ان اہل کتاب کا تذکرہ فرمایا جو اللہ ربّ العزّت کے غضب کے مستحق ہوئے اور دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی ان کا مقدر ٹھہری، ان آیات میں ان کے برعکس ایسے اہل کتاب کی توصیف کی گئی ہے جن کے اندر خیر غالب ہے، ان کی صفات ذکر کی گئی ہے اور ان کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ سارے اہل کتاب برابر نہیں ہیں، بلکہ بعض ایسے بھی ہیں جو دین حق پر قائم ہیں، راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ ربّ العزّت کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہیں، وہ اللہ ربّ العزّت اور آخرت کے دن پر پورا ایمان رکھتے ہیں، خود بھی نیکی پر کاربند رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں، نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں، یہ لوگ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک نیک اور صالح لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے جو جو نیکیاں کی ہیں، بارگاہِ خداوندی میں ان کی کوئی ناقدری نہیں کی جائے گی، بلکہ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

ان آیات کا مصداق حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے چند دوسرے لوگ ہیں، جو اَصلاً یہودی تھے پھر مشرف با اسلام ہوگئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ
مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۞ هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَاۤءِ
تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ
الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۞ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ
تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ۞

منافقین و کفّار سے دوستی

مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے، ان کے ساتھ اوس و خزرج کے لوگوں کی قدیم زمانہ سے دوستی چلی آتی تھی، انفرادی طور پر بھی ان قبیلوں کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، اور قبائلی حیثیت سے بھی یہ اور یہود ایک دوسرے کے ہمسایہ اور حلیف تھے، جب اوس اور خزرج کے قبیلے مسلمان ہوگئے تو اس کے بعد بھی وہ یہودیوں کے ساتھ پرانے تعلقات نبھاتے رہے اور ان کے افراد اپنے پرانے یہودی دوستوں سے اسی محبت و خلوص کے ساتھ ملتے رہے، لیکن یہودیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین سے جو دشمنی تھی، اس کی بنا پر وہ کسی ایسے شخص

سے مخلصانہ محبت رکھنے کے لیے تیار نہ تھے جو مسلمان ہو گیا، انہوں نے انصار کے ساتھ ظاہر میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آ رہے تھے، مگر اب دل میں ان کے دشمن ہو چکے تھے، اور اس ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں میں اندرونی فتنہ وفساد برپا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے، اور یہ کوشش کرتے کہ مسلمانوں کے اندرونی راز معلوم کر کے دشمنوں تک پہنچا دیں، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو تلقین فرمائی کہ اپنے مسلمانوں کے علاوہ کسی کو گہرا اور رازدار دوست نہ بناؤ، کیونکہ جو بھی غیر مسلم ہیں وہ:

۱۔ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔

۲۔ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ تمہیں دین اور دنیا کے اعتبار سے مصیبت اور پریشانی لاحق ہو۔

۳۔ ان کے چہرے اور ان کی باتوں سے تمہارے لیے بغض وعداوت ظاہر ہوتا ہے۔

۴۔ ان کے دلوں میں جو بغض اور حسد پوشیدہ ہے، وہ ان کی علانیہ باتوں سے کہیں زیادہ ہے۔

۵۔ تم (مسلمان) تو ان سے محبت رکھتے ہو لیکن یہ تم سے بالکل محبت نہیں رکھتے۔

۶۔ یہ جب تمہارے سامنے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، لیکن جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کی وجہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔

۷۔ اگر مسلمانوں کو کوئی خوشخبری ملے تو یہ ان لوگوں کو دکھ پہنچاتی ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی بری حالت پیش آ جائے تو اس پر یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

لہٰذا اے ایمان والو! ان کی محبت اور دوستی کا دم نہ بھرو، اور اگر تمہیں ان کی طرف سے نقصان کا اندیشہ ہو تو جان لو کہ اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو گے تو یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اللہ ربّ العزّت ان کے اعمال سے واقف ہے، وہ ضرور ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ
اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

غزوۂ اُحد کا پس منظر

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اسلام کے معرکۃ الآراء غزوہ احد کا تذکرہ فرمایا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ اس غزوہ کا کچھ پس منظر ذکر کر دیا جائے۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں بدر کے مقام پر مشرکین مکہ اور مسلمان مجاہدین کے درمیان جنگ ہوئی جس میں کفار کے ستر نامور شخص مارے گئے، اور اسی قدر گرفتار ہوئے، اس ذلت آمیز شکست سے مشرکین کا جذبہ انتقام بھڑک اٹھا، جو سردار

مارے گئے تھے ان کے اعزہ واقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی، اور یہ معاہدہ کیا کہ جب تک ہم اس کا بدلہ مسلمانوں سے نہ لے لیں، چین سے نہیں بیٹھیں گے، اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ ان کا تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے وہ سب اسی مہم پر خرچ کیا جائے، سب نے اس بات کو منظور کرلیا، ۳ ہجری میں قریش کے ساتھ دوسرے بہت سے قبائل بھی مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے، حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تا کہ وقت آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں، تقریباً تین ہزار کا یہ لشکر اسلحہ سے لیس ہو کر اُحد پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا، اکثر حضرات نے مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کی رائے دی، چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا، جبکہ عبداللہ بن ابی نے مدینہ منورہ میں رہ کر لڑنے کا مشورہ دیا، تقریباً ایک ہزار لوگوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے، لیکن راستے میں عبداللہ بن ابی منافق تقریباً تین سو آدمیوں کو یہ کہتا ہوا واپس لے گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم آپ کے ساتھ لڑائی میں شرکت نہیں کرتے۔

میدان جنگ میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو ترتیب دیا، صف آرائی اس طرح کی گئی کہ اُحد پہاڑ کو پشت کی جانب رکھا گیا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم (جھنڈا) تھمایا گیا، پشت کی طرف سے اندیشہ تھا کہ دشمن ادھر سے حملہ نہ کردے، اس لیے پچاس تیر اندازوں کا دستہ وہاں مقرر کر دیا گیا، اور انہیں ہدایات دی گئیں کہ وہ پیچھے کی جانب سے حفاظت کا فریضہ سرانجام دیں، لڑنے والوں کی فتح وشکست سے کوئی سروکار نہ رکھیں، کسی بھی صورت میں اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی، ابتداء مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا، یہاں تک کہ مقابل فوج میں ابتری پھیل گئی، مسلمان سمجھے کہ فتح ہوگئی، مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے، ادھر جن تیر اندازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت کی جانب حفاظت کے لیے بٹھایا تھا، انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھی کرنے آنے لگے، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ جو ان کے امیر تھے، نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم یاد دلایا، مگر چند آدمیوں کے علاوہ باقی سب چلے گئے، اس موقع سے خالد بن ولید نے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بروقت فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر عقب سے حملہ کر دیا، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ہمت اور بہادری سے ان کا مقابلہ کیا، مگر مدافعت نہ کر سکے، دوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہوئے، اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا، مسلمان دلجمعی سے لڑتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زخمی ہو گئے، ستر مسلمان شہید ہوئے، کئی صحابہ کرام شدید زخمی ہوئے، اس شکست کے بعد مسلمان حد درجہ پریشان رہے، اور یہ عارضی شکست چند اسباب کا نتیجہ تھی، قرآن مجید نے ہر سبب کا تذکرہ فرما کر مسلمانوں کو آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی تلقین فرمائی۔

ان آیات میں سب سے پہلے اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ اُحد کے آغاز کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے اور جنگ کے لیے مسلمانوں کو مختلف جگہوں پر تعینات کر رہے

تھے، اور اس وقت کو بھی یاد کیجیے جب تمہاری دو جماعتیں ہمت ہارنے ہی والی تھیں اور ان کا ارادہ تھا کہ وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں، لیکن اللہ رَبّ العزّت نے انہیں ثابت قدم رکھا، ان دو جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ ہیں، ان دونوں نے عبداللہ بن ابی کو واپس جاتے دیکھ کر کمزوری اور کم ہمتی محسوس کی، لیکن اللہ رَبّ العزّت نے ان کی مدد فرمائی اور اس وسوسے کو دور کر دیا۔ اور یہ مدد اللہ رَبّ العزّت نے پہلی مرتبہ نہیں فرمائی، بلکہ اس سے پہلے بھی ہر موقع پر اور خاص طور پر بدر کے موقع پر باری تعالیٰ نے آپ کی مدد و نصرت فرمائی تھی، جبکہ مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور سامان جنگ بھی بہت قلیل مقدار میں تھا، اور آپ کو فتح و کامیابی سے ہمکنار فرمایا تھا، اور اس مدد و نصرت کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ رَبّ العزّت نے کثیر تعداد میں فرشتے نازل فرمائے۔

غزوۂ بدر میں فرشتے نازل کیے جانے کا مقصد

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ
يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ
فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ
وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے غزوۂ بدر کے موقع پر فرشتے نازل کیے جانے کا تذکرہ فرمایا اور ان کو نازل کرنے کی حکمت اور مقصد بھی بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین سے فرما رہے تھے کہ اللہ رَبّ العزّت تمہاری مدد و نصرت کے لیے تین ہزار فرشتے نازل فرمائیں گے، اور اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو اللہ رَبّ العزّت پانچ ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد و نصرت فرمائیں گے۔ یہ فرشتے نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو تسلی اور ان کے دل کو تقویت مل جائے اور انہیں فتح کی خوشخبری سنائی جائے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

شانِ نزول

غزوۂ اُحد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا تھا، اور آپ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا تھا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے یہ کلمات نکلے کہ ایسی قوم کیسے فلاح پائے گی جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کیا، اس پر اللہ رَبّ العزّت نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بددُعا کے کلمات کہنے سے روک دیا، اور ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیجیے، وہ چاہے تو انہیں ہدایت سے نواز دے اور چاہے تو ہلاک کر دے، آپ ان کو بددُعا ئیں نہ دیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

''سُود'' کی ممانعت

اس آیت میں اللہ رَبُّ العزّت نے سود کی حرمت اور ممانعت کو بیان کرتے ہوئے اہلِ ایمان کو سود کھانے سے منع فرمایا ہے، ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنے اصل مال سے کئی گنا زیادہ سود مت کھاؤ۔ یہاں کئی گنا زیادہ سود کھانے سے ممانعت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اگر تھوڑا سا سود ہو تو وہ جائز ہے، بلکہ یہاں سود کی قباحت کو بیان کرنے کے لیے اس لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس آگ سے بچنے کی کوشش کرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے سلسلہ میں سود سے متعلق سب لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے، کھلانے والے پر، گواہ بننے والے اور لکھنے والے پر بھی لعنت فرمائی۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

جنّت کا مستحق کون؟

ان آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے اہلِ ایمان کو جنّت اور مغفرت پانے کا طریقہ بتایا ہے اور ان لوگوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں جو جنّت کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ باری تعالیٰ کی مغفرت اور عظیم الشان جنّت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو، جنّت اسے ہی ملے گی جو حقیقی معنی میں متقی ہوگا اور اس میں درج ذیل صفات پائی جائیں گی:

۱- جو تنگی اور فراخی دونوں صورتوں میں اللہ رَبُّ العزّت کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔

۲- جو غصّے پر قابو پانے والے ہوں۔

۳- جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔

۴- ان کا ایک وصف یہ ہے کہ جب ان سے کوئی غلطی یا گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ رَبُّ العزّت کی طرف رجوع کرتے ہیں، باری تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں اور اس گناہ سے توبہ کرتے ہیں، گناہ پر جمتے نہیں ہیں۔

جن متقین میں یہ اوصاف پائی جائیں ان کی جزا یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت ان کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور انہیں ایسی جنتیں عطا فرماتے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

حضرت علی ابن حُسین رضی اللہ عنہما کے عفو کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی ایک کنیز آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی ابن حسین رضی اللہ عنہما کے اوپر گرا، تمام کپڑے بھیگ گئے، غصہ آنا طبعی امر تھا، کنیز کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی، یہ سنتے ہی خاندانِ نبوّت کے اس چشم و چراغ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، بالکل خاموش ہوگئے، پھر کنیز نے اس آیت کا دوسرا جملہ پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے معاف کر دیا، کنیز بھی ہوشیار تھی، اس نے آیت کا تیسرا جملہ پڑھ دیا، جس میں احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے، آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا۔ (معارف القرآن)

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

مسلمانوں کو تسلی اور واقعہ اُحد کی حکمتیں

پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے اہلِ ایمان کو تسلی دی کہ اگر تمہیں احد میں شکست کا سامنا کرنا پڑا، تمہارے ستر افراد شہید ہوگئے، اور کئی افراد زخمی ہوگئے، تو اس پر گھبراؤ نہیں، ایسی ہی صورتحال تمہارے مخالفین کو بھی تم سے پہلے بدر میں پہنچ چکی ہے، اور یہ شکست عارضی ہے، اگر تم تقویٰ پر جمے رہو گے تو تمہیں پھر سے فتح نصیب ہوگی۔

اس صورتحال اور عارضی شکست میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں، ایک تو تمہیں شہادت کے عظیم الشان مرتبے پر فائز کرنا تھا، اور دوسری حکمت یہ تھی کہ اللہ رَبّ العزّت ایمان والوں کا امتحان لینا اور انہیں گناہوں سے پاک کرنا چاہتا تھا، اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ کُفّار کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ اس فتح سے ان کی ہمت بڑھے گی اور وہ پھر مقابلہ پر آئیں گے، تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائیں گے اور وہ ہلاک ہو جائیں گے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى أَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝

صحابۂ کرامؓ کو مشفقانہ تنبیہ

غزوۂ اُحد کی عارضی شکست کے وقت کسی نے یہ مشہور کردیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں، تو صحابہ کرام کے اوسان خطا ہوگئے، اوران کے پاؤں اکھڑ گئے، اوران میں سے ایک جماعت میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے لگی، اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دین وعبادت اللہ تعالیٰ کے لیے اور جہاد اسی کے لیے ہیں جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے، اگر بالفرض یہ خبر صحیح بھی ہوتی تو بہر حال یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے، اگر مقتداء کا انتقال ہوجائے تو دین ختم نہیں ہوجاتا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی ہیں، خدا تو نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اگر آپ کی وفات ہوجائے یا آپ کو شہید کردیا جائے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ ربّ العزّت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہر انسان کی موت اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکھی ہوئی ہے، اس کی تاریخ، دن اور وقت متعین ہے، نہ اس سے پہلے کسی کو موت آسکتی ہے نہ اس کے بعد وہ زندہ رہ سکتا ہے، پھر کسی کی موت سے ایسے سراسیمہ ہوجانے کے کوئی معنی نہیں۔ (معارف القرآن)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

غزوۂ اُحد میں عارضی شکست کے اَسباب

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ہم نے تو حسب وعدہ مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی تھی، لیکن ان کی اپنی ایک لغزش کی وجہ سے فتح ظاہری شکست میں تبدیل ہوگئی، یہ محض ایک امتحان اور ابتلاء تھا، لیکن اس شکست کے چند ظاہری اسباب بھی تھے، جو درج ذیل ہیں:

۱-رائے کی کمزوری۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دستہ درہ پر مقرر فرمایا تھا اور انہیں ہدایات فرمائی تھیں، اس میں بعض کو غلط فہمی ہوگئی اور وہ اپنی مقررہ جگہ چھوڑ بیٹھے، جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ اُلٹ گیا۔

۲-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں باہمی اختلاف۔

۳-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے معافی کا اِعلان

ان تین وجوہات کی بنا پر جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوگئی، اللہ ربّ العزّت نے ان صحابہ کو تنبیہ فرمائی اور

اس کے بعد ان کی معافی کا بھی اعلان فرمادیا کہ ہم نے ان تمام صحابہ کو جن سے یہ لغزش ہوئی، معاف کر دیا ہے، اس لیے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ غزوۂ احد کے واقعے کو بنیاد بنا کر صحابہ کرام پر سب وشتم کرے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿﴾ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنۢ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُۥ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِيٓ أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَٰهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿﴾

غزوۂ اُحد میں اللہ ربّ العزّت کی خاص رحمت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ احد والے واقعہ پر صحابہ کرام کے حزن وغم کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر اس غم کے ازالہ کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جب تم میدان جنگ سے جا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار کے باوجود تم پلٹ کر نہ آئے، پھر تمہیں اس بات پر شدید رنج وغم نے آلیا، پھر اللہ ربّ العزّت نے تمہارے غم کو دور کرنے کے لیے تم پر اونگھ مسلط کر دی، جس کی وجہ سے سارا غم اور پریشانی دور ہو گئی، اور اللہ ربّ العزّت نے تمہیں ہمت اور طاقت عطا کر دی۔

البتہ منافقین کو اللہ ربّ العزّت نے اس سکون اور چین سے محروم رکھا، انہیں اپنی جان کے لالے پڑے رہے، اور وہ اللہ ربّ العزّت کے بارے میں غلط غلط گمان کرنے لگے، اور کہنے لگے کہ ہم تو بے اختیار تھے، ہمیں زبردستی یہاں لایا گیا، اگر ہمارا اختیار چلتا تو ہم یہاں مقتول نہ ہوتے، اللہ ربّ العزّت نے ان کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ میں ہے، وہ اگر چاہے تو تمہیں تمہارے گھروں میں بھی موت آسکتی ہے۔

غزوۂ اُحد میں لغزش پر صحابہ کرامؓ کو معافی دینے کا دوبارہ اعلان

آیت نمبر ۱۵۵ میں فرمایا کہ جو لوگ جنگ کے موقع پر پیچھے چلے گئے، ان کو شیطان نے ان کی بعض کوتاہیوں کی وجہ سے پھسلا دیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر چکے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، حوصلہ والے ہیں۔

غزوۂ احد میں ان لغزشوں پر خدا تعالیٰ کی جانب سے معافی کے اعلان کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

کو مطعون کرنا، ان پر لوٹ مار کے الزامات لگانا، اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حق تلفی ہے۔ عام مسلمان کو بھی غلطی سے توبہ کر لینے کے بعد گناہ کا طعنہ دینا درست نہیں، صحابہ کرام کا تو مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اخلاق اور داعی کے لیے صفات

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں اور غزوۂ اُحد میں ہونے والی غلطی کے سبب آپ کے دل میں تکدر پیدا ہونے کا جو اندیشہ تھا، اس کو دور کرنے کے لیے چند ہدایات بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی! اللہ ربّ العزّت کی رحمت اور اس کے فضل کی وجہ سے آپ نرم خو طبیعت کے مالک ہیں، اسی وجہ سے آپ نے صحابہ کرام کی اس غلطی کے باوجود ان پر سختی نہیں فرمائی، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت زبان اور سخت طبع ہوتے تو جو اصلاح کا کام آپ کے سپرد تھا وہ ٹھیک طرح سے ادا نہ ہو پاتا، اور لوگ آپ کے قریب ہونے کے بجائے آپ سے دور ہو جاتے۔

اس سے دعوت و تبلیغ کرنے والوں کے لیے ایک نہایت اہم اصول معلوم ہوا کہ جو شخص دعوت الی اللہ اور اصلاحِ خلق کے کام سے وابستہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ صفات (نرمی، رحمت و شفقت اور عفو و درگزر، مشورہ اور ساتھیوں کے لیے استغفار) اپنے اندر پیدا کرے۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی کہ آپ ان کو درگزر کر دیجیے، ان سے جو غلطی ہو گئی ہے اس کو معاف فرما دیں، اور ان کے لیے اللہ ربّ العزّت سے بھی مغفرت طلب کریں، ان کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہ چھوڑیں، اور حسبِ سابق اپنے فیصلوں اور کاموں میں ان حضرات سے مشورہ بھی کر لیا کریں، تا کہ ان کی پوری تسلی ہو جائے اور انہیں اطمینان ہو جائے کہ آپ ان سے راضی ہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۚ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

’’مالِ غنیمت‘‘ کی چوری کبیرہ گناہ ہے!

غزوۂ بدر میں مالِ غنیمت میں ایک چادر گم ہو گئی بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی

ہو، یہ کہنے والے اگر منافق تھے تو کوئی بعید بات نہیں، اور ممکن ہے کہ کوئی ناسمجھ مسلمان ہی ہو اور اس نے یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اختیار ہوگا، یہ بات کردی ہو، اس پر مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت نازل ہوئی، اور اس میں اللہ ربّ العزّت نے یہ واضح فرمادیا کہ مالِ غنیمت میں چوری کرنا کبیرہ گناہ ہے، اور نبی تو صغیرہ گناہ سے بھی پاک ہوتا ہے، اس لیے کسی نبی کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ اس نے مالِ غنیمت میں چوری کی ہوگی، سخت جسارت ہے۔

مالِ غنیمت کی چوری، عام چوری سے اس لیے زیادہ قبیح جرم ہے کہ غنیمت میں پورے لشکرِ اسلام کا حق ہوتا ہے، تو جس نے اس میں چوری کی، اس نے گویا سینکڑوں آدمیوں کا مال چرایا، یہی حکم مدرسہ اور مسجد یا کسی وقف ادارہ کے مال کا ہے، کیونکہ اس میں بھی کئی لوگوں کا مال مشترک ہوتا ہے، اور بسا اوقات ان میں سے کئی افراد نامعلوم ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کی تلافی بھی نہیں ہوسکتی۔ اسی وجہ سے ہمارے اکابر مدرسہ کے وقف مال میں نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ جو کوئی خیانت کرتا ہے، روزِ حشر خیانت کا مال لے کر ربّ کے حضور پیش ہوگا جو بہت بڑی رُسوائی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اِحسانِ عظیم ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ فرماتے ہوئے اسے اپنا احسان قرار دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی بیان فرمائے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے مؤمنین پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمادیا ہے، جن کے فرائضِ منصبی میں چار کام شامل ہیں:

۱۔ اللہ ربّ العزّت کی آیات پڑھ کر سنانا۔

۲۔ صحابہ کرام کا تزکیہ نفس اور اصلاح کرنا۔

۳۔ مسلمانوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینا اور سکھانا۔

۴۔ مسلمانوں کو اپنی سنّت کی تعلیم دینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن مجید پڑھنا اور سمجھنا اُمّت کے لیے ضروری ہے، اسی طرح احادیث مبارکہ اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، ورنہ دین پر عمل نہیں ہوسکتا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''شہید'' کے فضائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت کی راہ میں شہید والوں کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ پہلی فضیلت یہ ہے کہ شہید مرتا نہیں ہے، بلکہ حقیقی اور دائمی زندگی کا مالک بن جاتا ہے، اور ایک خاص قسم کی حیات اسے اللہ ربّ العزّت کی طرف سے عطا کر دی جاتی ہے۔

۲۔ دوسری فضیلت یہ ہے کہ انہیں اللہ ربّ العزّت کی طرف سے جنّت کا رزق دیا جاتا ہے۔

۳۔ تیسری فضیلت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت اسے ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ خوش رہے گا۔

۴۔ چوتھی فضیلت یہ ہے کہ اس کے وہ متعلقین جو دنیا میں رہ گئے، ان کے متعلق بھی یہ خوشخبری ہوتی ہے کہ اگر وہ نیک اعمال اور جہاد میں معروف رہے تو ان کو بھی یہی نعمتیں ملیں گی۔

۵۔ پانچویں فضیلت یہ ہے کہ انہیں کبھی کوئی خوف اور غم لاحق نہیں ہوگا، وہ ہمیشہ خوش وخرم رہیں گے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝

غزوہ حمراء الاسد

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ احد سے متعلق ایک اور غزوہ کا ذکر فرمایا ہے جو غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے۔ حمراء الاسد، مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کفّارِ مکہ احد کے میدان سے واپس ہو گئے تو راستے میں پہنچ کر اس پر انہیں افسوس ہوا کہ ہم غالب آجانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس لوٹ آئے، ہمیں چاہیے تھا کہ ایک حلہ بول کر سب مسلمانوں کو ختم کر دیتے، چنانچہ ان سب نے ایک بار پھر مدینہ منورہ لوٹنے کا ارادہ کر لیا، لیکن اللہ ربّ العزّت نے ان کے دل میں رعب ڈال دیا اور سیدھے مکہ مکرمہ چلے گئے، لیکن بعض مسافروں سے جو مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے، یہ کہہ گئے کہ تم جا کر کسی طرح مسلمانوں کے دل میں ہمارا رُعب جماؤ کہ وہ پھر لوٹ کر آرہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہو گئی، اور آپ نے صحابہ کرام میں اعلان کر دیا کہ مشرکین کے تعاقب میں جانا ہے، یہ اعلان سن کر تمام صحابہ کرام زخموں سے چور ہونے کے باوجود تیار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمراء الاسد نامی مقام تک ان کا تعاقب کیا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو نُعیم بن مسعود ملا، اس نے خبر دی کہ ابوسفیان نے اپنے ساتھ مزید لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا ہے، صحابہ کرام نے اس بات کو سن کر کوئی اثر نہ لیا بلکہ یک زبان ہو کر بولے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرما کر ان صحابہ کرام کی توصیف فرمائی۔ (معارف القرآن)

ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے غزوۂ احد میں زخم کھانے اور مشقتیں برداشت کرنے کے باوجود اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا اور نیکی اور تقویٰ میں کمال پیدا کیا، ان کے لیے اللہ ربّ العزّت نے بڑا اجر تیار کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے دوسرے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف دشمنوں نے بڑا سامان اکٹھا کیا ہے، ان سے ڈرو اور جنگ کا ارادہ نہ کرو، تو اس خبر نے ان کا جوشِ ایمان مزید بڑھا دیا اور انہوں نے ان لوگوں کی باتوں پر کان دھرنے کے بجائے یک زبان ہو کر ہمت اور جذبے سے کہا: "حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ" کہ ہمیں ہمارا اللہ کافی ہے، وہی بہترین کارساز ہے۔ اللہ ربّ العزّت کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی، اس لیے باری تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمت اور فضل سے نوازا اور وہ اس حال میں وہاں سے لوٹے کہ انہیں کوئی تکلیف یا دشواری نہیں پہنچی۔ اللہ رب العزت نے انہیں تین نعمتیں عطا فرمائیں:

۱۔ کافروں کے دل میں رُعب وہیبت ڈال دی، اور وہ لوگ بھاگ گئے، جس کی وجہ سے یہ لوگ قتل وقتال سے محفوظ رہے۔

۲۔ صحابہ کرام کو حمراء الاسد کے بازار میں تجارت کا موقع ملا، اور اس مال سے خوب منافع حاصل ہوئے۔

۳۔ تیسری اور سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ان حضرات کو رضائے الٰہی کا پروانہ نصیب ہوا۔

مذکورہ آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس مشکل وقت میں وارد ہونے والے ورد "حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ" کا ذکر ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں اور جملہ انبیائے کرام علیہم السلام نے مشکلات میں یہی وظیفہ پڑھا: "حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ" (صحیح بخاری: ۴۵۶۳) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس جملہ کی خاصیات پر کتاب تحریر فرمائی ہے۔ ہمارے بزرگ ہر مشکل کے لیے یہ وظیفہ بتاتے ہیں۔

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ خَيۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلٰى مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ حَتّٰى يَمِيۡزَ الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَلَكُمۡ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝ وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۝

دو شبہات کے جواب

۱۔ ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے (جیسا کہ آج کل بعض مسلمانوں کو بھی ہوتا ہے) کہ اگر کافر اللہ ربّ العزّت کے نزدیک

مبغوض ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک فرما دیتے اور ان پر اپنا عذاب نازل فرماتے، لیکن باری تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرماتے، بلکہ انہیں دولت وشہرت سے نوازتے ہیں، اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں۔

اللہ رَبّ العزّت نے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہمارا ان کافروں پر عذاب نہ اتارنا اور انہیں دنیوی نعمتیں فراہم کرتے جانا اس وجہ سے نہیں کہ میں ان سے راضی ہوں، بلکہ یہ ان کے لیے ڈھیل ہے، تا کہ وہ اپنی سرکشی اور گناہوں میں مزید بڑھتے چلے جائیں، ایک دن آئے گا جب ان کو ان کے گناہوں کی دردناک سزا ملے گی۔

۲- ایک شبہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر مؤمنین اللہ رَبّ العزّت کے پسندیدہ ہوتے اور اللہ رَبّ العزّت ان سے راضی ہوتا تو ان پر مشکلات اور مصائب نہ آتیں، بلکہ وہ عیش وعشرت میں رہتے۔

اللہ رَبّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مؤمنین پر دنیا میں سخت حالات اور مشکلات کا آنا اس وجہ سے نہیں کہ باری تعالیٰ ان سے ناراض ہے، بلکہ یہ حالات اور مصائب ابتلاء اور آزمائش کے لیے ہوتے ہیں، تا کہ اللہ رَبّ العزّت حقیقی مؤمن اور منافق کو واضح فرمادے، اور اس کے لیے اگرچہ باری تعالیٰ منافقین کے نام بھی گنوا سکتے تھے، لیکن بجائے اس کے اللہ رَبّ العزّت نے امتحان کا عملی طریقہ کار اس لیے اختیار فرمایا کہ وہ غیب کی باتیں ہر کسی کے سامنے بیان نہیں فرماتے بلکہ مخصوص افراد یعنی انبیاء ورسل وغیرہ کو ہی غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔

بخل اور زکوٰۃ نہ دینے کا وبال

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے بخل کی مذمت اور اس کا وبال بیان فرمایا ہے۔ بخل سے مراد یہ ہے کہ جو چیز اللہ رَبّ العزّت کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو، اس کو خرچ نہ کرے، اسی لیے بخل حرام ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے بخل کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بخیل یہ نہ سمجھیں کہ بخل کرنا ان کے لیے بہتر ہے یا اس سے ان کا مال بچ جائے گا، حقیقت یہ ہے کہ بخل بذاتِ خود اور بخل کرنے والے کے لیے بہت بری بات ہے، اور جو لوگ بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن اس چیز کو جس کے دینے میں بخل کیا تھا، طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ رَبّ العزّت نے کوئی مال عطا فرمایا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن یہ مال ایک سخت زہریلا سانپ بن کر اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں اور تیرا سرمایہ ہوں۔ (سنن صغریٰ بیہقی: ۱۲۱۱)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ اَلَّذِيْنَ

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰى يَاۡتِيَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡكُلُهُ النَّارُ‌ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِىۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىۡ قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡهُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ۝

یہود کی گستاخی اور اس کی سزا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زکوٰۃ وصدقات کے احکام بتائے اور آیت "من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا" نازل ہوئی، تو یہودی اللہ ربّ العزّت کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ومحتاج ہوگیا ہے، اور ہم مالدار ہیں، اسی لیے تو ہم سے مانگتا ہے (نعوذ باللہ)، اللہ ربّ العزّت نے ان کی اس گستاخی کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ گستاخیاں یہ لوگ کررہے ہیں ہمارے فرشتے ان سب کو لکھ رہے ہیں، اور ان کا سارا ریکارڈ محفوظ ہورہا ہے، ان کے جرائم کی فہرست بہت لمبی ہے، ان کا ایک بڑا جرم یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء علیم السلام کی نہ صرف تکذیب کی بلکہ انہیں قتل کرنے سے بھی باز نہ رہے، سو عنقریب ان کو ان کے جرائم کی دردناک سزا دی جائے گی اور انہیں جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کی ایمانی غیرت اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لیے قرآنی شہادت

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے "بیت المدراس" تشریف لائے (یہ یہودیوں کا بڑا تعلیمی مرکز اور اِدارہ تھا)، وہاں مجمع جمع تھا اور یہودیوں کا پیشوا فنحاص بھی موجود تھا، اس کے ساتھ یہودی عالم اشیع بھی موجود تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فنحاص کو دعوت ایمان دی، اور اسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو علامات تورات میں مذکور ہیں، یاد دلائیں۔ فنحاص نے کہا ہمیں اللہ ربّ العزّت کی ضرورت نہیں، اللہ تو فقیر ہے (نعوذ باللہ) وہ ہماری جانب ایسے ہی عاجزی کررہا ہے جیسے ہم اس کے ساتھ کرتے ہیں، لہٰذا ہم اس سے زیادہ غنی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ غنی ہوتا تو وہ ہم سے قرضے نہ مانگتا، وہ ہمیں سود سے منع نہ کرتا اور سود ہمیں ملتا، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے گستاخ کے چہرے پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے دشمن خدا! قسم بخدا!! اگر ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن اُڑا دیتا، جاؤ ہمارے خلاف جو کچھ کرسکتے ہو، کرگزرو!

فنحاص نے اس کی شکایت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی اور کہا کہ آپ کے یار نے ہمارے ساتھ یوں زیادتی کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں

نے فرمایا: اللہ کے اس دشمن نے بدترین گستاخی کی ہے جس پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے اسے تھپڑ رسید کردیا۔ فخاص اپنی گستاخی سے مکر گیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں۔

یہود کا اللہ تعالیٰ پر بہتان اور جوابِ خداوندی

اس کے بعد یہود کا ایک بہتان ذکر فرمایا۔ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے یہ حیلہ پیش کیا کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں یہ طریقہ تھا کہ صدقات کے مال کسی جگہ رکھ دیے جاتے تھے، اور آسمانی آگ ان کو آکر جلادیتی تھی، یہی صدقات کی قبولیت کی علامت ہوتی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ طریقہ ختم کردیا گیا، اس کو یہودیوں نے بہانہ بنایا اور کہنے لگے کہ اللہ ربّ العزّت نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس شخص پر ایمان نہ لائیں جس سے صدقات کو آگ لگنے والا یہ معجزہ ظاہر نہ ہو۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو تو جن انبیاء علیہم السلام نے یہ معجزہ دکھایا تھا، ان پر تو تم ایمان لاتے، مگر تم نے تو ان کی بھی تکذیب کی بلکہ ان میں سے بہت سوں کو قتل کرڈالا۔

تسلّیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اے نبی! اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ غمگین نہ ہوں، کیونکہ آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء گزرے ہیں، ان سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے، انہیں بھی ان کی اُمتوں نے جھٹلایا اور انہیں تکالیف پہنچائیں، انہوں نے صبر کیا، لہٰذا آپ بھی صبر کیجیے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقٰتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

عقل مند کون ہیں؟

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے توحید کے دلائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آسمان و زمین کی تخلیق اور رات اور دِن کے مرتب نظام میں عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ عقل والے کون ہوتے ہیں؟ ان کی علامات اور نشانیاں باری تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمائی ہیں اور ان کے اوصاف بھی ذکر فرمائے ہیں۔

پہلا وَصف

ان کا پہلا وصف یہ ہے کہ وہ ہر حال میں یعنی کھڑے ہونے کی حالت میں، بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے، غرض ہر حال میں اللہ ربّ العزّت کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور باری تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں۔

دوسرا وَصف

ان کا دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ آسمان وزمین اور پروردگارِ عالم کی دیگر صناعی میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس غور وفکر کے نتیجے میں انہیں باری تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے، اور وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ اے پروردگار! آپ نے یہ مخلوقات بلا وجہ پیدا نہیں فرمائیں۔ اسی معرفت کے نتیجے میں وہ اللہ ربّ العزّت کی عظمت کو پہچان کر اس سے دُعائیں کرتے ہیں، ان میں سے بعض دُعاؤں کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

نیک لوگوں کی دُعائیں

۱- ان کی پہلی دُعا یہ ہے کہ اے ہمارے ربّ ہمیں جہنّم کے عذاب سے بچائیے۔

۲- ان کی دوسری دُعا یہ ہے کہ ہمیں آخرت کی رسوائی سے بچائیے، کیونکہ جن لوگوں کو آپ نے جہنّم میں داخل کردیا، گویا اس کو سارے جہان کے سامنے رُسوا کردیا۔

۳- ہم نے آپ کی طرف سے آنے والے منادی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو سنا اور اس پر ایمان لائے، تو آپ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیجیے، اور ہمارے عیوب اور برائیوں کا کفّارہ فرمادیں اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت عطا فرما۔

۴- چوتھی دُعا یہ تھی کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ جنّت کی نعمتوں کا جو وعدہ ہم سے فرمایا تھا وہ ہمیں اس طرح عطا فرمائیے کہ قیامت میں کوئی رسوائی اور مواخذہ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعائیں قبول فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کسی عمل کرنے والے کا عمل

ضائع نہیں فرماتے، لہٰذا جو بھی نیک عمل کرے گا اللہ رب العزّت اس کو اس کا بدلہ اور اجر عطا فرمائیں گے، ان کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے اور انہیں ایسی جنتیں عطا فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

کامیابی کے چار اہم اُصول

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے اہلِ ایمان صبر کرو، دشمن کے مقابلہ میں جمے رہو، دشمن کے مقابلہ میں تیار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

مذکورہ بالا آیت سورۂ آلِ عمران کی آخری آیت ہے، اس آیت میں اللہ رب العزّت نے اہلِ ایمان کو مخاطب فرما کر کامیابی کے چار اصول بیان فرمائے ہیں، یہی آیت پوری سورت آلِ عمران کا خلاصہ ہے۔

۱۔ **صبر:** صبر سے مراد دین پر جمے رہنا، گناہوں سے بچنا اور مصائب پر ثابت قدم رہنا ہے۔

۲۔ **مصابرہ:** اس سے مراد دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا اور زیادہ شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

۳۔ **مرابطہ:** دشمنانِ دین سے مقابلہ کے لیے ہر وقت خود کو تیار رکھنا، تاکہ دشمن اسلامی سرحد کی طرف رخ کرنے کی جرات نہ کرے۔ یا شیطان سے حفاظت کے لیے دین کے احکام پر عمل کرنا۔

۴۔ **تقویٰ:** ان تینوں کے ساتھ ہر آن، ہر لحہ اور ہر موقع پر اللہ رب العزّت سے ڈرنا۔

جس شخص یا جماعت کے اندر یہ چار صفات پیدا ہو جائیں وہ دنیا بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں عقیدہ کی پختگی اختیار کرنے اور توحید کو اپنانے کو حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ آیاتِ محکمات پر عمل کرنے، اور آیاتِ متشابہات کی ٹوہ اور تحقیق میں نہ پڑنے اور اس سلسلے میں راسخین فی العلم کی راہ اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۔ دُنیا کی محبت اور خواہشاتِ نفسانیہ سے اپنے آپ کو بچاؤ، یہ ثابت قدمی کے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں۔

۴۔ مناقشہ و مباحثہ سے قبل متفقہ اور مشترک امور کا تعین کرو، تاکہ بات کسی نتیجہ تک پہنچ سکے۔

۵۔ اسلام اعتدال پسند دین ہے، اس لیے سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنے کے بجائے، اچھوں اور بروں کے بارے میں انصاف سے کام لو۔

۶۔ قرآنِ کریم حق اور ثابت قدمی کا راستہ ہے۔

۷۔ اگر ثابت قدمی مطلوب ہو تو قرآنِ کریم، دین دار طبقہ اور صالحین کی صحبت کو اختیار کرو، نیز اپنے آپ کو اختلاف سے بچاؤ۔

۸۔ محض شخصیت پرست مت بنو، نظریاتی بنو، پختہ نظریات اپناؤ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مقتدیٰ شخصیات کی اتباع کرو۔

۹۔ گناہوں اور معصیات سے بچو، بعض معاصی شیطان کے بہکاوے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

۱۰۔ اپنے امیر اور سپہ سالار کے حکم کی اطاعت کرو، کیونکہ ایک صاحب بصیرت سپہ سالار کے حکم کی مخالفت کا نتیجہ شکست کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔

۱۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُحد کے دن زخم پہنچنے کے واقعے کے ضمن میں، تمام دعوت کا کام کرنے والے افراد کو اس کٹھن راستے میں پہنچنے والی ہر طرح کی تکالیف اور قید و بند کی صعوبتوں پر صبر کی تلقین ہے۔

۱۲۔ ہر مخلص حاکم، دانشور، راہنما اور سچے داعی کو اپنے ماتحت افراد سے اجتماعی کاموں میں مشورہ کر لینا چاہیے، اور ان کے اچھے مشورے کو قبول کرنا چاہیے۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھو، کمزور نہ پڑو، نہ ہی غمگین رہو، اگر تم واقعی مومن ہو تو تم ہی سربلند ہو گے۔

۱۴۔ ہماری کوئی بھی تخلیق فضول نہیں ہے، خاص مقصد کے لیے ہے، اس لیے اپنے دل کے اندر دربارِ الٰہی میں جواب دہی کا احساس پیدا کر کے، اپنی زندگی کا حقیقی ہدف متعین کرو۔

۱۵۔ خود بھی صبر کرو دوسروں کی بھی صبر میں معاونت کرو۔ ہر خطرہ کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھو۔

۱۶۔ دشمن، لشکر کی شکل میں ہو یا فکر و نظر اور شبہات کی شکل میں ہو، ہر حال میں اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھو۔

تمت سورۃ آل عمران بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ النِّسَآء

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں چوتھے (۴) جبکہ نزول کے اعتبار سے بیانوے (۹۲) نمبر پر ہے۔ چوبیس (۲۴) رکوع اور ایک سو چھہتر (۱۷۶) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱۔ **سورۃ النساء:** ''نساء'' عربی زبان میں ''امراۃ'' کی جمع ہے، عورتوں کو کہا جاتا ہے، چونکہ اس سورت میں عورتوں کے حقوق تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اس لیے اسے سورۃ النساء کہتے ہیں۔

۲۔ **سورۃ النساء الکبریٰ:** اس سورت کو بڑی سورت النساء بھی کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ الطلاق کو بھی سورت النساء کہا جاتا ہے، تو ان دونوں سورتوں میں فرق کرنے کے لیے اس سورت کو سورۃ النساء الکبریٰ (بڑی) کہہ دیا جاتا ہے اور سورۃ الطلاق کو سورت النساء الصغریٰ (چھوٹی) کہہ دیتے ہیں۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت کے آخر میں تقویٰ کا ذکر تھا، اس سورت کے آغاز میں تقویٰ کا ذکر ہے۔

۲۔ سورۂ بقرہ میں یہود کی اصلاح کا بیان تھا، سورۂ آل عمران میں نصاریٰ کی اصلاح کا بیان تھا اور اس سورت میں اہلِ عرب کی اصلاح کا بیان ہے۔

سورت کی فضیلت

حدیث میں ہے کہ جس شخص نے ''**سبع طوال**'' (سات لمبی سورتیں) حاصل کرلیں وہ عالم ہے۔ ''**سبع طوال**'' درج ذیل ہیں:

۱-بقرہ۔	۲-آل عمران۔	۳-نساء۔	۴-مائدہ۔
۵-انعام۔	۶-اعراف۔	۷-توبہ۔	

(شعب الایمان بیہقی:۲۱۹۱)

مرکزی موضوع

۱-اس سورت کا مرکزی موضوع، اسلامی ریاست کے مفلوک الحال طبقات کے لیے قرآنی دفعات بیان کرنا ہے۔

۲-سورت کا مرکزی موضوع، عدل اور رحمت کو اجاگر کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں احکام رعیت، یعنی عوام سے متعلق نظام مملکت کی دفعات بیان کی گئی ہیں۔

۲-سورت میں احکام سلطانی، یعنی وہ احکام جن میں خاص طور پر حکمرانوں کو مخاطب بنا کر عوام کے حقوق سے انہیں آگاہ کیا گیا ہے، ذکر کیے گئے ہیں۔

۳-سورت میں ازالہ شرک، یعنی شرک کی مذمت اور تردید کی گئی ہے اور توحید کو اجاگر کیا گیا ہے۔

۴-سورت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لاحق ہونے والے بعض شبہات اور خدشات کے جوابات بھی ذکر فرمائے گئے ہیں۔

۵-معاشرے کی بنیاد گھرانہ ہوتا ہے۔ سورت میں مرحلہ وار خاندان کی بنیادوں کو بیان کیا گیا ہے۔

۶-معاشرے کو بے حیائی سے محفوظ رکھنے کے لیے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۷-بے حیائی کے اسباب منقطع کیے گئے ہیں۔

۸-بدکاروں کی اصلاح اور ان کے لیے توبہ کے دروازے کے کھلے ہونے کو بیان کیا ہے۔

۹-خواتین کے حقوق اور مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۰-رشتہ داروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کا بیان ہے۔

۱۱-سب طبقات بالخصوص اقلیتوں اور کمزوروں کے ساتھ عدل کا بیان ہے۔

۱۲-عقائد کو غلو اور افراط و تفریط سے محفوظ رکھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

''تقویٰ'' اور ''صلہ رحمی'' کا حکم

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے دو حکم ارشاد فرمائے ہیں: ایک تقویٰ کا اور دوسرا صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیات خطبۂ نکاح میں پڑھا کرتے تھے، اسی لیے اس آیت کا خطبۂ نکاح میں پڑھنا مسنون ہے۔

اس آیت میں اللہ رَبّ العزت نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اس پروردگار سے ڈرو، جس نے تم سب کو ایک ہی انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، اور انہی آدم علیہ السلام سے ان کی زوجہ اماں حوا علیہا السلام کو پیدا کیا گیا، پھر اس مقدس جوڑے سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کی گئیں۔ تو چونکہ سب بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لیے سب میں اخوت و برادری کا ایک مضبوط رشتہ قدرتی طور پر قائم ہے، اس رشتے کا لحاظ رکھو، خاص طور پر جن لوگوں کے ساتھ تمہارا نسبی تعلق ہے اور جو تمہارے رشتہ دار کہلاتے ہیں، ان کے ساتھ خصوصی طور پر حسن سلوک کرو، ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے سے بچو، اور اس اللہ رَبّ العزّت کا خوف اور ڈر اپنے دل میں پیدا کرو، جس کے نام پر تم سوال کرتے ہو۔

خواتین کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرو

آیات میں خاص اسلوب کے ساتھ عدل کی ترغیب دی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو مرد سے پیدا کیا، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی کوکھ سے بنایا، جب خاتون مرد سے بنی ہے، تو اس کے ساتھ زیادتی کیوں؟ اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ ہونا چاہیے۔

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ﴿٢﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴿٤﴾

اسلامی ریاست کے مفلوک الحال طبقات کے لیے قرآنی دفعات

اس سورت میں حق تعالیٰ شانہ نے فلاحی اسلامی ریاست کے لئے چوبیس دفعات بیان فرمائی ہیں، ان چوبیس دفعات میں سے پندرہ دفعات عوام اور رعایا کے لئے اور نو دفعات اہلِ حکومت اور انتظامیہ کے لئے بیان کی گئی ہیں، عوام و رعایا کے لیے ذکر کردہ پندرہ دفعات کا آغاز مندرجہ بالا آیات سے ہو رہا ہے، ذیل میں ان دفعات کی، آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں تفصیل درج کی جاتی ہے۔

دفعہ نمبر ا:۔یتیموں کی نگہبانی

یتیم بچوں کے متعلق ان کے وارثان اور اولیاء کو حکم ہے، کہ یہ بچے جب بالغ ہو کر سمجھدار ہو جائیں، تو ان کی منقولہ وغیر منقولہ جائیدادا اور اموال ان کو لوٹا دیے جائیں، یتیموں کے اچھے مال کو اپنے استعمال میں لا کر اپنا ردی مال تبادلے میں انہیں نہ دیا جائے اور نہ ہی یتیم کا مال ضائع کیا جائے، اور یتیموں کے مال کو ہڑپ کرنے والوں کے لئے تو سخت ترین وعیدیں ذکر کی گئی ہیں، یہ سب یتیم کے حقوق میں شامل ہے، یتیم کے مال میں خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے، ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق ان آیات کا نزول اس وقت ہوا، جب قبیلہ غطفان کے ایک شخص کے پاس یتیم بھتیجے کا بہت سا مال تھا، یتیم نے بلوغ کے بعد اپنا مال چچا سے طلب کیا تو چچا نے یہ مال دینے سے انکار کر دیا، یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر درِّ منثور)

یتیم سے متعلق اس سورت میں مزید بھی کئی ہدایات ارشاد فرمائی گئی ہیں، اور یوں یتیموں کے ساتھ عدل ورحمت اور شفقت اختیار کرنے کی جانب متوجہ کیا گیا۔

دفعہ نمبر ۲:۔یتیم لڑکی سے ناانصافی کے خدشے کے پیش نظر دیگر خواتین سے چار تک شادیوں کی مشروط اجازت

یتیم کے حقوق کے سلسلہ میں ایک اور ہدایت یہ فرمائی کہ اگر یتیم بچی جوان ہو گئی اور اس کا ولی (غیر محرم) مثلاً چچازاد، خالہ زاد یا ماموں زاد وغیرہ اس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اور شادی میں یہ رغبت صرف اس بنیاد پر ہے کہ وہ مال میں اس کی شریک ہے، لیکن شادی کے بعد اس لڑکی کے حقوق کے سلسلہ میں ناانصافی کا اندیشہ ہے، تو اس صورت میں بجائے لالچ میں یتیم لڑکی سے شادی کرنے کے، کہیں اور حسب منشا ایک تو کیا دو، تین، چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ ایک سے زیادہ بیویوں سے انصاف کرنے کی امید ہو، ہاں اگر کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہیں کر پائے گا، تو اس کے لیے لازم ہے کہ ایک ہی خاتون سے شادی کرے۔

اس آیت میں عدالت یعنی تقسیم وقت اور تقسیم نفقہ میں انصاف کی شرط پر ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت مرحمت فرمائی گئی ہے، چنانچہ آزاد مرد کے لئے چار تک اور غلام کے لئے دو شادیوں تک کی اجازت ہے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمومی قانون سے مستثنیٰ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس حوالے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے خصوصی حکم تھا۔

تعدُّدِ ازواج کا حکم عورتوں کی بھلائی کے لیے ہی ہے!

تعدد ازواج کے اس شرعی حکم میں حقیقتاً خواتین ہی کی رعایت رکھی گئی ہے، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ معاشرے میں

خواتین کی تعداد کا تناسب مردوں سے زیادہ ہے، اگر ایک سے زیادہ شادی کی اجازت نہ ہوتی تو معاشرے میں بہت سی خواتین زندگی بھر بے نکاح اور بے سہارا رہتیں، اس طرح وہ خواتین جو بیوہ ہوجاتی ہیں انہیں بھی کہیں اور نکاح کی اجازت نہ ہوتی، یوں خواتین کی ایک بڑی تعداد بے گھر و بے سہارا ہوجاتی، خواتین کے تحفظ کے لئے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی گئی اور اس اجازت کو عدل ومساوات کے ساتھ مشروط کردیا گیا، آج جو لوگ تعدد ازواج کے خلاف لب کشائی کرتے ہیں وہ بتائیں کہ ایک سے زیادہ شادی ممنوع ہوجانے کی صورت میں خواتین کا مستقبل کیا ہوگا؟ اگر معاشرے میں ایک مرد صرف ایک ہی شادی کرے تو جو عورتیں بچ گئیں یا بیوہ ہوگئیں، کیا انہیں بے سہارا چھوڑ دیا جائے؟ ہرگز نہیں، شریعت کا ہر حکم حکمت سے لبریز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدّد شادیاں حکمت پر مبنی ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نکاح وشادی کی چار تک تحدید نہیں رکھی گئی، بلکہ آپ کی مرضی پر یہ معاملہ موقوف رکھا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ شادیاں فرمائیں اور بیک وقت آپ کی خدمت اقدس میں نو بیویاں رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سے زیادہ نکاح کرنا، خدانخواستہ کسی نفسانی غرض کی وجہ سے نہ تھا اور نہ ہی آپ نے ایک سے زیادہ نکاح جوانی میں فرمائے، تعدد ازواج تو آپ نے پچاس سال کی عمر کے بعد اختیار فرمایا، اس میں بہت سی حکمتیں تھیں، مثلاً مختلف قبائل میں نکاح کی برکت سے یہ قبائل اسلام دوست بن گئے، نیز مسلمانوں کی ان قبائل سے دشمنیاں دوستیوں میں تبدیل ہوگئیں، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی اُمّت تک پہنچ جائے، تاکہ تربیت اولاد، حقوقِ اَزواج، حقوقِ اَصہار (سسرالی رشتہ داروں کے حقوق) خواتین کے مخصوص احکام، گھر کے معمولات، شب گزاری کی کیفیت، صلوٰۃ تہجد وغیرہ جیسے بیسیوں احکامات ازواج مطہرات امت تک پہنچادیں، جیسا کہ آپ کی گھر سے باہر کی زندگی اُمّت تک سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے پہنچادی۔

دفعہ نمبر ۳:- اَدائیگی مہر کی تاکید

انفرادی زندگی سے خاندانی زندگی میں قدم رکھتے ہوئے سب سے پہلا مرحلہ نکاح کا ہوتا ہے، مرد وعورت کے درمیان ''نکاح'' عبادت کے ساتھ ساتھ ایک معاملہ بھی ہے، یہ معاملہ گواہوں کی موجودگی میں فریقین کے درمیان طے شدہ مہر (اُجرتِ نکاح) پر منعقد ہوتا ہے، نکاح ہوتے ہی خاوند کے ذمہ مہر لازم ہوجاتا ہے، سورت کی چوتھی آیت میں مہر کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے، خاص طور پر وہ لڑکیاں جو یتیم ہیں ان کے مہر کی ادائیگی کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ''مہر'' خوشدلی اور رضا ورغبت سے ادا کرنا چاہیے، مہر کی ادائیگی کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ بیوی مہر کا مطالبہ کرے تب اسے ادا کیا جائے، مطالبہ کرنے یا نہ کرنے دونوں صورتوں میں ادائیگی ضروری ہے۔ ہاں اگر کوئی بیوی مہر وصول کرنے کے بعد اپنی خوشی اور رغبت سے واپس ہدیہ کردے تو یہ نہ صرف شوہر کے لئے جائز ہے، بلکہ اس کے لئے خوشگوار اور مزے دار رزق ہے۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بیوی کو حق مہر معاف کرنے کا اختیار ہے، تاہم شوہر جبر کے ساتھ بیوی سے مہر معاف نہیں کروا سکتا۔ سختی، جبر و اکراہ اور خاندانی روایات کے طور پر معاف کرایا گیا مہر، کسی صورت بھی معاف نہیں ہوتا، اس لئے رضا و رغبت کی یہی صورت بتائی گئی ہے کہ شوہر کی جانب سے مہر کی ادائیگی کر دی جائے، البتہ وہ تقاضے، مطالبے اور دباؤ کے بغیر خوش دِلی سے اپنے شوہر کو مہر ہدیہ کر دے تو سمجھا جائے گا کہ بیوی رضا و رغبت سے مہر معاف کر رہی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝۵ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا۝۶

دفعہ نمبر ۴:- یتیم بچّوں کی پرورِش کا طریقہ کار

ان آیات میں یتیم بچّوں کی پرورش اور ان کے مال کی حفاظت کے لیے متعدد ہدایات دی گئی ہیں۔

الف:- یتیم بچے کا مال و جائیداد اس کے ولی کے پاس امانت ہوتا ہے، کم سن اور کم سمجھ بچے کو اس کا مال تھما دینا یقیناً مال و اسباب برباد کر دینے کے مترادف ہے، اس لئے حکم ہے کہ یتیم بچے کے مال کی حفاظت کی جائے۔ یہ مال اللہ کی نعمت اور سرمایہ زندگی ہے۔ البتہ ان یتیموں کے لئے ان کے مال میں سے خورد و نوش اور لباس وغیرہ کا انتظام کیا جائے اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ یہ مال انہیں کا ہے، انہیں کو واپس کیا جائے گا، سپردگی کے وقت گواہ بنانے کا بھی حکم ہے، تاکہ بوقت ضرورت یتیم کا ولی اپنی براءت ثابت کر سکے۔

ب:- یتیموں کی متانت اور سمجھداری کو بھی آزماتے رہنے کا حکم ہے، جب یہ محسوس ہو کہ بچہ سمجھدار ہو کر نفع و نقصان کو سمجھنے کے قابل ہو گیا ہے، تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے، کسی بھی یتیم کے سمجھدار ہونے کی صورت میں اس کی معاملہ شناسی جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ معمولی رقم دے کر خرید و فروخت کا کہا جائے، اس سے اندازہ ہوگا کہ وہ کس قدر نفع و نقصان کو سمجھ پاتا ہے۔

ج:- یتیم کا ایسا مال جو اس کی ضرورت سے زائد ہو اسے بلاوجہ ضائع نہیں کرنا چاہیے، اسی طرح اس کے مال کو بلاضرورت محض اس لئے خرچ کرتے چلے جانا کہ اس کے بڑے ہونے سے پہلے پہلے مال ختم کر دیا جائے، ناجائز ہے۔

د:- اگر یتیم کی پرورش کرنے والا فقیر اور ضرورت مند ہے تو اس کے مال میں سے بقدر ضرورت اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ غنی اور مالدار ہے تو یتیم کا مال اپنے اوپر خرچ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا۝۷ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا
اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ
وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

دفعہ نمبر ۵:- خواتین اور بچّوں کے ساتھ عدل اور رحمت کو رَوا رکھا جائے

زمانہ جاہلیت میں خواتین کو میراث میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور نہ ہی نابالغ بچوں کو مستحق میراث سمجھا جاتا تھا، رحمتِ عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے کہ خاوند فوت ہوا، اس کے چھوٹے چھوٹے بچّے اور بچیاں اور بیوہ بے سروسامان اور بے سہارا ہو گئیں، متوفی کے بھائی نے آ کر پورے ترکے پر قبضہ جمالیا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، ان آیات میں حکم دیا گیا کہ ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے متروکہ مال سے مردوں اور عورتوں سبھی کو حصہ دیا جائے، خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ، ہر ایک کا حصہ بھی مقرر ہو چکا، مقرر شدہ حصے میں سے ہر چھوٹے بڑے مرد و زن کو تھوڑے یا زیادہ متروکہ مال میں سے حصہ میراث دیا جائے، کسی کو محروم نہ رکھا جائے۔ جہاں تک حصوں کے تقرر کا تعلق ہے اس کی تفصیل کے لئے مستقل آیات کا نزول ہوا۔ ان آیات میں خواتین اور بچّوں کے ساتھ عدل اور رحمت اختیار کرنے کا حکم ہے۔

غریب رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک کا حکم

وراثت کی تقسیم کے وقت اگر برادری اور خاندان کے ایسے لوگ بھی آ جائیں جو نادار اور مفلس ہوں، لیکن متوفی کے شرعی وارث نہ ہوں، ظاہر ہے کہ انہیں وراثت سے باقاعدہ حصہ تو نہیں دیا جا سکتا اور ان کو خالی ہاتھ بھیج دینا بھی یقیناً بدسلوکی کے زمرے میں آتا ہے، اس لیے ایسے غریب اور مفلس عزیزوں کو حسنِ سلوک کے طور پر کچھ کھلا پلا کر یا تھوڑا بہت دے کر رخصت کر دیا جائے، ہاں اگر انہیں مالِ وراثت سے کسی وجہ سے نفع نہ پہنچایا جا سکے، مثلاً وہ مال یتیم بچوں کا ہے تو ظاہر ہے ان کی اجازت بھی بالغ ہونے سے پہلے معتبر نہیں، اس صورت میں انہیں معقول بات کہہ کر یعنی نرمی سے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا جائے، مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ بھائی ہم مجبور ہیں، آپ کا وراثت میں حصہ نہیں بنتا اور نہ ہی میت نے آپ کے لیے وصیت کی ہے، اور ورثاء بھی نابالغ ہیں یا ورثاء اجازت نہیں دے رہے (اگر ورثاء بالغ ہوں) آپ معذرت قبول فرمائیں، الغرض ان سے حسنِ سلوک کیا جائے، بدسلوکی نہ کی جائے۔ گویا ان کے ساتھ بھی رحمت و شفقت کا معاملہ کیا جائے۔

یتیموں کے حق کی تاکید

یتیم کے ولی اور وصی اور دیگر رشتہ داروں کو، نہایت ہی بلیغانہ انداز سے، یتیم کے حق کی رعایت رکھنے کی تاکید کی گئی اور احساس دلایا گیا کہ ایک دن تمہیں بھی مرنا ہے اور تمہارے بھی چھوٹے چھوٹے بچّے ہوں گے، تم قطعاً پسند نہیں کرو گے کہ

تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد سے سختی یا ناانصافی برتی جائے تو تمہیں بھی چاہیے کہ دوسروں کی اولاد کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنی اولاد کے ساتھ روا رکھنا چاہو، اللہ سے ڈرو، یتیموں سے ترش اور سخت بات نہ کہو، بلکہ میٹھے اور اچھے بول بولو۔ ان کے شکستہ دلوں کو سہارا دو، ان کے دلوں کے توڑنے کا ذریعہ نہ بنو۔ یتیموں کے حقوق سے متعلق یہ اسلوب اختیار کر کے ان سے انصاف اور شفقت کرنے کی ترغیب دی گئی۔

یتیم کا مال کھانا، انگارے کھانا ہے!

جو کوئی یتیم کا مال بلا استحقاق کھا جاتا ہے، وہ اپنے پیٹ کو آتشِ جہنّم سے بھرتا ہے، اس کا انجام دوزخ کے انگاروں کے سوا اور کچھ نہیں، سو خیال کرو اور قطعاً یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، اسے کمزور اور بے سہارا جان کر، ظلم و جبر کے ذریعے اس کا مال و اسباب اور جائیداد کو ہڑپ نہ کر جاؤ۔ یتیم اگرچہ بظاہر بے سہارا ہے، لیکن اس کا سہارا سب سے مضبوط اور طاقتور ہے اور وہ سہارا خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں متعدد بار اور احادیث میں کثرت سے یتیم کے حقوق بیان کیے گئے ہیں، قرآنِ کریم کی سورۃ الضحٰی میں یتیموں پر سختی کرنے سے روکا گیا ہے۔

یتیم کا سہارا بننے والا جنّتی ہے!

حدیث مبارک میں ہے کہ جب یتیم روتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے دستِ قدرت پر اس کے آنسو لے لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس یتیم کو کس نے رُلا ڈالا؟ جس کے باپ کو میں نے مٹی تلے چھپا دیا، جو کوئی اسے خاموش کرائے گا میں اسے جنّت عطا کروں گا۔ (تفسیر کبیر: سورۃ الضحٰی)

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا
تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ
فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

دفعہ نمبر ۶: ۔ ورثاء کے حصوں کی تعین

گزشتہ آیات میں میت کے قریبی رشتہ دار خواہ مرد ہوں یا عورتیں، کی وراثت کی جانب اشارہ کیا گیا تھا، ان آیات میں قریبی رشتہ داروں کی وراثت میں حصوں کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ قرآنِ کریم نے جن رشتہ داروں کے حصص بیان کئے ہیں انہیں ''اصحاب فروض'' کہا جاتا ہے۔ اصحاب فروض کو متعین حصہ کی ادائیگی کے بعد اگر حصے باقی رہ جاتے ہوں تو

مزید رشتہ داروں کو بھی حصہ ملتا ہے۔ایسے قریبی رشتہ داروں کو ”عصبات“ کہا جاتا ہے۔عصبات کی تفصیل احادیث میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔انکے حصص کی تفصیل بھی قرآنِ کریم سے مستنبط ہے۔

ضابطہ کے مطابق میّت کے مال میں سے سب سے پہلے میت کی تجہیز وتکفین (کفن دفن) پر خرچ کیا جائے گا۔اس کے بعد بقیہ مال سے میّت کے ذمہ قرض کی ادائیگی کی جائے گی،قرض کی ادائیگی کے بعد میّت کی جانب سے اگر کسی کے لئے وصیت کی گئی ہے تو حسب وصیت اسے دیا جائے گا،لیکن اس کے لئے دو ہدایات ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔

۱-وصیت کل ترکہ کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ نہ ہو،اگر ایک تہائی حصہ سے زائد کے بقدر کسی کے لئے وصیت کی ہو،مثلاً آدھے یا پورے ترکہ کے بارے میں وصیت کی ہو کہ فلاں شخص،مسجد یا مدرسہ وغیرہ کو دے دی جائے،تب بھی صرف ایک تہائی حصہ سے ہی اس شخص یا ادارہ کو دیا جائے گا۔

۲-وصیت کسی وارث کے حق میں نہ ہو،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ“ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے،اب کسی وارث کے لئے وصیت (درست) نہیں“۔(جامع الترمذی:۲۱۳۱)

آیت میں ذکر کے لحاظ سے اگرچہ وصیت پہلے اور قرض بعد میں ہے،تاہم ادائیگی کے لحاظ سے قرض مقدم ہے، غالباً آیت میں وصیت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ اس بات کی تاکید ہے کہ وصیت کی تکمیل ضروری ہے،اگرچہ وہ شخص جس کے حق میں وصیت کی گئی مطالبہ نہ کرے یا اسے وصیت کا سرے سے علم ہی نہ ہو تب بھی وصیت کی تکمیل ضروری ہے،جبکہ قرض دہندہ قرض کا مطالبہ کرنے والا ہوتا ہے اس لئے ادائیگیٔ قرض کا اہتمام کیا جاتا ہے،لیکن وصیت کے ترک ہونے کا اندیشہ رہتا ہے،اسی حکمت کے پیشِ نظر وصیت کا ذکر پہلے کر دیا گیا۔

حصۂ اولاد

اگر ماں باپ فوت ہو جائیں تو بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہی وراثت کی حق دار ہیں،البتہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔”لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کا حصہ لڑکے کے حصہ سے مقدم ہے،یہ قرآنی اُسلوب عورتوں کی وراثت کی تاکید کے لئے ہے،اس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں خواتین کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا۔اگر ورثاء میں صرف ایک لڑکی ہے تو حسبِ حکم قرآنی اسے ترکہ کا آدھا حصہ ملے گا،اگر ماں باپ کی وارث دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہیں اور لڑکا کوئی نہ ہو تو ان لڑکیوں کو کل ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

لڑکی کے حصے پر اعتراض اور اس کا جواب

دورِ حاضر کا مغرب پرست طبقہ قرآنِ کریم کے قانونِ وراثت پر لب کشائی کرتے ہوئے لڑکوں اور لڑکیوں کے

حصوں میں تفاوت کو عورت کے ساتھ ظلم و زیادتی قرار دیتا ہے۔ یہ طبقہ مرد و زن میں مساوات کا راگ الاپتے ہوئے، اس بات کا مدّعی ہے کہ عورت اور مرد کا حصہ برابر ہونا چاہیے تھا، عورت کو مرد سے آدھا حصّہ دینا عورت کی حق تلفی ہے۔

حقیقت میں قرآنِ کریم اور اسلام پر یہ اعتراض مکمل قانونِ وراثت سے جہالت کی وجہ سے ہے۔ قرآنِ کریم کے قانونِ وراثت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کے مختلف صورتوں میں مختلف حصے مقرر کئے گئے ہیں، بعض صورتوں میں خواتین اور مردوں کا حصہ برابر ہے، مثلاً بیٹا فوت ہو جائے اور اس کی اولاد بھی ہو تو ماں باپ دونوں کو برابر چھٹا حصہ ملتا ہے، وغیرہ۔ بعض صورتوں میں خواتین کا حصہ مردوں کے حصہ سے بھی زیادہ ہے، مثلاً والد فوت ہو جائے اور اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو، اس کا حصہ کل مال کا آدھا ہے، جو مرد ورثاء سے زیادہ ہے۔ جبکہ چند صورتوں میں خواتین کا حصہ مردوں کے حصہ سے کم ہے۔ افسوس کہ ان متجددین کو قانونِ وراثت کی وہ جزئیات اور صورتیں نظر نہیں آتیں، جن میں خواتین کو مردوں سے بھی بڑھ کر حصہ دیا گیا ہے یا مردوں کے برابر حصہ دیا گیا ہے، صرف ایک صورت کو بنیاد بنا کر شور و غوغا برپا کرنا صرف اور صرف اسلام دشمنی ہی ہے۔ نیز اسلام نے کفالت کی ذمہ داری مردوں پر عائد کی ہے، کسبِ معاش بھی مردوں کے ذمہ ہے۔ خواتین پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ والدین کی وفات کے بعد غیر شادی شدہ بہنوں کی کفالت بھائیوں کے ذمہ ہے اور شادی شدہ بہنوں کی ان کے شوہروں کے ذمہ۔

بھائی کی ذمہ داریوں میں والدہ، بہنوں، دادا، دادی سب کی کفالت شامل ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بہن کی ذمہ داری بالکل نہیں، لیکن حصہ بھائی سے آدھا ہے، جبکہ بھائی کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں، لیکن حصہ صرف نصف زائد ہے۔ حقیقت میں اس صورت میں بھی خواتین کی رعایت رکھی گئی ہے۔

حصّۂ والدین

آیاتِ میراث میں اولاد کے حصص کی تفصیل کے بعد والدین کے حصص کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ماں باپ کی وراثت کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اگر اولاد میں سے کوئی فوت ہو جائے اور متوفی کی اولاد بھی ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو وراثت میں چھٹا حصہ ملے گا۔

۲۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو ایک ثلث (ایک تہائی) اور باپ کو باقی وراثت یعنی دو ثلث (دو تہائی) حصہ ملے گا۔

۳۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو، لیکن اس کے ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں، خواہ وہ بہن بھائی حقیقی ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی سب اس کے باپ کو ملے گا، بھائی بہن کو کچھ بھی نہیں ملے گا اور اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو پھر ماں کو ایک ثلث اور باپ کو دو ثلث ملیں گے۔

وضاحت

ورثاء کو جس قدر وراثت سے حصہ ملتا ہے، یہ سب قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال میں سے ملتا ہے، اس لئے حسب ضابطہ تجہیز و تکفین کے اخراجات، ادائیگی قرض اور ادائے وصیت کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔ مذکورہ بالا حصص اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں، ان میں اپنی شخصی یا اجتماعی رائے سے تبدیلی کی ہرگز اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان حصوں کے مقرر کرنے کی حکمت خود ہی ارشاد فرمائی کہ تم نہیں جانتے کہ کس سے تمہیں کتنا نفع پہنچے گا، یہ اللہ ہی جانتے ہیں اس لئے ان حصوں میں دخل اندازی نہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کو کافی سمجھو، انہیں کی پابندی کرو، اس میں تمام خیروں کی خیر بھی ہے اور وہ بڑا حکمت والا بھی ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗٓ أَخٌ أَوْ
أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوْٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

زوجین کی وراثت

اولاد اور ماں باپ کے حصوں کے بیان کے بعد زوجین (میاں بیوی) کی وراثت کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

۱۔ اگر بیوی فوت ہوجائے اور وہ لاولد ہو تو خاوند کو نصف جائیداد ملے گی۔

۲۔ اگر بیوی کا انتقال ہوجائے اور اس کی اولاد ہو خواہ ایک یا ایک سے زیادہ، لڑکا ہو یا لڑکی ہو، اسی خاوند سے ہو یا پہلے کسی اور خاوند سے، اس صورت میں شوہر کو ترکہ کا چوتھا حصہ ملے گا۔

۳۔ اگر خاوند فوت ہوجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔

۴۔ اگر خاوند فوت ہوجائے اور اس کی اولاد بھی ہو، اسی بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تو تمام کو مشترکہ طور پر ایک آٹھواں حصہ ملے گا، یہاں اس ضابطہ کی جانب ایک بار پھر متوجہ کردیا گیا ہے کہ وراثت کی تقسیم قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال میں سے ہوگی۔

صرف ماں شریک بہن بھائیوں کا حصہ

آیت کے آخر میں کلالہ کی وراثت کو بیان کیا جارہا ہے، کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کے والدین اور اولاد نہ ہوں، نیز امام ابوحنیفہؒ کی تفسیر کے مطابق اس کے اجداد یعنی دادا، دادی اور احفاد یعنی پوتا پوتی وغیرہ بھی نہ ہوں تو اس کے وارث

اگر ماں شریک ایک بہن یا ایک بھائی ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر ان بہن بھائیوں کی تعداد ایک سے زائد ہو تو ان سب کو ایک تہائی بطور وراثت کے ملے گا، جو کہ ان میں برابر تقسیم ہوگا۔ یہاں مرد و عورت کی وراثت برابر ہے۔ لیکن واضح رہے کہ بہن و بھائی کو وراثت باپ یا بیٹے کے ہوتے ہوئے نہیں ملتی۔ اگر باپ اور بیٹا نہ ہوں تو بہن بھائیوں کو وراثت مل سکتی ہے، اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ بہن بھائی حقیقی ہوں، یعنی ماں، باپ شریک ہوں۔

۲۔ بہن بھائی علاتی ہوں، یعنی صرف باپ شریک ہوں، ان دونوں قسموں کی وراثت کی تفصیل سورۃ النساء کے آخر میں بیان کی گئی ہے، ان صورتوں میں بہن بھائیوں کے حصہ میں تفاوت ہے۔

۳۔ بہن بھائی اخیافی ہوں یعنی صرف ماں شریک ہوں، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کا حکم بیان کیا گیا ہے، جس کی تفصیل اوپر بیان کر دی گئی ہے۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۷:۔ بدچلن بیوی

ابتدائے اسلام میں بدچلن اور بدکارہ خاتون کے لئے مذکورہ آیت میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایسی خاتون کی بدکرداری پر چار گواہ بنالئے جائیں، سو اگر یہ چار گواہ عدالت میں خاتون کی بدکاری کی گواہی دیں تو اسے تادم مرگ گھر میں قید رکھا جائے، اس کے ساتھ ہی اسی آیت کے آخر میں اشارہ دے دیا گیا کہ بعد میں اس جرم کی دوسری سزا مقرر کی جائے گی، گویا کہ اس سزا کے وقتی سزا ہونے کا عندیہ دیا گیا۔

اس کے بعد سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں، جن میں زنا کے مرتکب مرد و زن کے لئے سو کوڑوں کی سزا کا اعلان کیا گیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں کے لئے راستہ پیدا فرما دیا اور وہ یہ کہ غیر شادی شدہ بدکار مرد و عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں، اور شادی شدہ بدکار مرد و زن کو سنگسار کر دیا جائے۔ (سنن ابی داود: ۴۴۱۵)

سورۂ نور کی مذکورہ بالا آیت درج ذیل ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور: ۲)

ترجمہ:- زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ، اور اگر تم اللہ اور

یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اللہ کے دین کے معاملے میں اُن پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے، اور یہ بھی چاہیے کہ مومنوں کا ایک مجمع اُن کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔

اسی طرح شادی شدہ بدکار مرد و عورت کی سزا کی آیت کی تلاوت، قرآنِ کریم میں کی جاتی تھی، بعد میں اس آیت کی تلاوت منسوخ فرما کر حکم کو باقی رکھا گیا، اس منسوخ التلاوت آیت کا مفہوم یوں ہے:

بوڑھی عورت اور بوڑھا مرد جب زنا کریں، تو انہیں سنگسار کریں، یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے، اور اللہ غالب حکمتوں والا ہے۔

چنانچہ اسی حکم پر عہدِ نبوت، عہدِ خلافت راشدہ اور تمام اسلامی ادوار میں عمل ہوتا رہا، غیر شادی شدہ زنا کاروں کو سو کوڑے مارے جاتے اور شادی شدہ مرد و عورت کو سنگسار کر کے قتل کیا جاتا تھا۔ یہی زنا کی حتمی حد ہے۔ اور اللہ کی تجویز کردہ حدود میں ترمیم یا تبدیلی کا کسی کو اختیار نہیں۔

ہم جنس پرستی کی سزا

آیت نمبر ۱۶ میں خلاف فطرت عمل (ہم جنس پرستی) کی سزا کی جانب اشارہ ہے، ایسی بدکرداری کی بس اتنی سزا بتائی گئی، ایسے دونوں بدکاروں کو اذیت دو، اس اذیت کے طریقے متعین نہیں کیے گئے، یہ قاضی یا فقہاء کی تجویز پر چھوڑ دیے گئے۔ چنانچہ بعض فقہاء نے اس عمل کی سزا پہاڑ سے نیچے گرا دینا، بعض نے دیوار کے نیچے کھڑا کر کے دیوار ڈھا دینا، بعض نے زندہ جلا دینا، بعض نے قتل کر دینا اور بعض نے اس کے علاوہ بھی تجویز فرمائی، صحیح یہ ہے کہ یہ سزا حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے۔ حالات کے تقاضے کے تحت تھوڑی یا زیادہ سخت، سخت ترین یا ہلکی پھلکی جو سزا مناسب ہو دی جاسکتی ہے۔ ہاں! اگر یہ دونوں توبہ تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے اعراض کرو۔ اللہ توبہ قبول کرنے والے، رحم فرمانے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا
وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا
تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ
وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

دفعہ نمبر ۸:- خواتین سے متعلق رسومِ جاہلیت کا خاتمہ

مذکورہ آیات میں خواتین سے متعلق جاہلیت کی چند رسومات کی سختی سے تردید کی جارہی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں خواتین کے ساتھ مختلف انداز سے امتیازی اور ناروا سلوک رکھا جاتا تھا مثلاً:

۱۔شوہر کی وفات کے بعد اس کی منکوحہ کو بھی مالِ وراثت سمجھتے اور اس پر قابض ہو جاتے۔ بسا اوقات اس سے زبردستی نکاح بھی کر لیتے۔اس خاتون کو اپنی رضاء ورغبت سے کہیں شادی بیاہ کی اجازت نہ دیتے، بلکہ کہیں اور بھی اس کی شادی کرتے تو اپنی مرضی سے کرتے۔اگر وہ مرجاتی تو اس کے مال پر زبردستی قابض ہو جاتے۔

۲۔خواتین کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک روا رکھا جاتا، انہیں مارا پیٹا جاتا، ان کی ضروریات کا بھی زیادہ خیال نہ رکھا جاتا۔

۳۔اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا چاہتا، تو بلاوجہ پہلی بیوی پر تہمت لگا کر اور زیادتی کا ارتکاب کر کے اسے دیا ہوا حق مہر واپس لے لیتا۔

۴۔خواتین کو حق مہر کی ادائیگی میں کوتاہی روا رکھی جاتی۔

مذکورہ بالا آیات میں خواتین کے استحصال کو ممنوع قرار دے کر عائلی زندگی کا ایک بہترین معیار مقرر کیا گیا، اس سلسلہ میں چند ہدایات ارشاد فرمائی گئیں:

۱۔خواتین مالِ وراثت نہیں کہ ان کے مالک بن بیٹھو۔انہیں اپنے شوہروں کے وصال کے بعد مکمل آزادی حاصل ہے۔وہ عدت کی تکمیل کے بعد جہاں چاہیں نکاح کر سکتی ہیں۔انہیں ان کی ترجیح کے مطابق نکاح سے روکنے کا میت کے ورثاء کو قطعاً حق نہیں پہنچتا، نہ ہی اس کا حق مہر اور مال کسی کو ہڑپ کرنے کی اجازت ہے، خاتون کی وفات کی صورت میں اس کا ترکہ اس خاتون کے شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگا، یہ ترکہ اس کے فوت شدہ شوہر کے رشتہ داروں کی ملکیت نہیں۔

۲۔میت کے ورثاء بیوہ کے دوسرے نکاح میں صرف اس وجہ سے رکاوٹ بنتے ہوں، تاکہ یہ عورت جاتے ہوئے شوہر کی وراثت وترکہ سے حاصل شدہ مال واپس کر کے جائے، اس کے متعلق فرمایا یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔مال چھیننے کے لیے نکاح سے روک تھام درست نہیں۔وہ خاتون نکاح کرنے میں بھی خود مختار ہے اور شوہر کے ترکہ سے حاصل شدہ مال میں بھی خود مختار ہے، اِلّا یہ کہ وہ صریح بدچلنی کا ارتکاب کرے تو اس کا شوہر اپنی زندگی میں اس سے حق مہر کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

۳۔خواتین کے ساتھ حسنِ اخلاق اور حسن معاشرت اختیار کرو، نرمی اور متانت اپناؤ، اگر تمہیں ان کی بعض عادات وخصائل ناپسند ہیں تو صبر کرو۔کیا بعید ہے کہ اس عورت میں اس کمزوری کے ساتھ کچھ خوبیاں بھی ہوں، بسا اوقات خوبیاں کمزوریوں پر غالب آجاتی ہیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ جو چیز تمہیں ناپسند ہے حق تعالیٰ نے اس میں منفعت رکھی ہو۔وہ منفعت دینی بھی ہو سکتی ہے اور دنیاوی بھی، اس لیے تمہیں تحمل وبرداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور صبر سے بیویوں کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے، زمانہ جاہلیت کی طرح مار پیٹ اور گالم گلوچ سے احتراز کرنا چاہیے۔

۴۔بیوی کی تبدیلی کی صورت میں محض حق مہر کی واپسی کے لئے اپنی بیوی پر تہمت لگانا، اس پر بدچلنی کا داغ لگانا نہایت ہی قبیح حرکت ہے۔ایسا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، اس طرح بہتان لگا کر اور ظلم کا ارتکاب کر کے مال لینے سے بھلا تمہیں کیا فائدہ ہوگا، یہ جاہلیت کے رویے ہیں، ان کا ترک کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

۵-خواتین کو مہر کی ادائیگی کرنا ان کا حق ہے، بالخصوص صحبت کی نوبت بھی آ چکی ہو تو اب یہ مہر ایک طرح سے معاوضہ بن چکا ہے۔اس ملاپ کا عوض اس کے حق مہر کی ادائیگی ٹھہری۔خاتون کے اس حق کو کسی صورت دبایا نہیں جا سکتا اِلاّ یہ کہ وہ اپنی خوشی سے حق مہر واپس کر دے یا معاف کر دے۔مہر صنف نازک کا حق اس لیے بھی ہے کہ وہ بوقت نکاح تم سے پختہ عہد اور میثاق لے چکی ہے،اس عہد و میثاق کے ذریعے تم ان خواتین سے نفع مند ہوتے ہو، بھلا اب کیونکر تم مہر دبا سکتے ہو؟

۶-باپ دادا کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں یا دادی سے بھی تم نکاح نہیں کر سکتے۔یہ نہایت ہی بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔زمانہ جاہلیت میں اس رسم بد کو بھی روا رکھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی سختی سے منع فرما دیا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ
وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ
نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ
الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۹:-''محرمات'' کا بیان

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی حرمت کو بیان فرمایا ہے، مذکورہ آیات میں مزید تیرہ ایسی خواتین کا ذکر ہے، جن سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے، اور ایک خاتون کا ذکر اگلے پارے کی پہلی آیت میں ہے، یوں کل پندرہ خواتین ایسی ہیں جن سے نکاح کرنے کی شریعت اسلامیہ میں گنجائش نہیں ہے، خواہ وہ نکاح کے لیے راضی ہوں اور انہیں حق مہر ہی کیوں نہ دے دیا جائے۔ان محرمات میں چند وہ ہیں جن سے نکاح نسب کی وجہ سے حرام ہے اور چند وہ خواتین ہیں جن سے رشتہ رضاعت کی وجہ سے اور بقیہ وہ ہیں جن سے رشتہ مصاہرت (سسرالی، دامادی) کی وجہ سے نکاح حرام ہے۔ذیل میں ان کی مختصر فہرست ذکر کی جاتی ہے:

۱-ماں، اس میں نانی، پرنانی، دادی، پردادی سب شامل ہیں۔

۲-بیٹیاں، نواسیاں، نواسیوں کی اولاد، پوتیاں، پوتیوں کی اولاد سب سے نکاح حرام ہے۔

۳-بہنیں خواہ ماں شریک، باپ شریک یا حقیقی ہوں، سبھی حرام ہیں۔

۴-پھوپھیاں یعنی والد کی بہنیں خواہ ماں شریک، باپ شریک یا حقیقی ہوں۔

۵-خالائیں یعنی والدہ کی ہمہ قسم بہنیں۔

۶-بھتیجیاں اور ان کی اولاد بھی اسی زمرہ میں آتی ہے۔

۷-بھانجیاں اور ان کی بیٹیاں بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔

اس کے بعد ان خواتین کو بیان فرمایا، جن سے رضاعت یعنی دودھ پینے کی وجہ سے نکاح و بیاہ کرنا حرام ہے۔

۸- وہ خواتین جنھوں نے دودھ پلایا ہو۔

۹- دودھ شریک بہنیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ضابطہ یہ بات ارشاد فرمائی: ''جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں، وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں۔'' (جامع الترمذی:۱۱۰۹)

اب وہ رشتے بیان کیے جارہے ہیں، جو دامادگی کی وجہ سے حرام ہیں۔

۱۰- بیویوں کی مائیں (ساس)، خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔

۱۱- تمھاری بیویوں کی پہلے گھر سے بیٹیاں، چونکہ عموماً یہ شوہر کی زیرِ تربیت ہوتی ہیں، اس لیے آیت میں انھی کو ذکر کیا گیا ہے، اگر وہ شوہر کی زیرِ تربیت نہ بھی ہوں تب بھی شوہر پر حرام ہیں۔

۱۲- حقیقی بیٹے کی بیوی یعنی بہو سے نکاح کرنا بھی ہمیشہ کے لیے حرام ہے، ہاں اگر منہ بولا بیٹا ہو تو اس کی بیوہ سے بعد از طلاق یا وفاتِ زوج نکاح کر سکتے ہیں۔

۱۳- دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا، وہ بہنیں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔ اسی طرح ہر وہ دو خواتین جن میں سے ایک کو مرد فرض کریں تو دونوں کا باہم نکاح جائز نہ ہو، مثلاً پھوپھی بھتیجی، خالہ بھانجی وغیرہ، ایسی دو خواتین کا بھی یہی حکم ہے کہ انھیں ایک وقت میں ایک آدمی کے نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا۔

اگلے پارے کے آغاز میں جس خاتون کا ذکر ہے

۱۴- جو خواتین پہلے سے منکوحہ ہیں، ان کی کسی سے شادی یا نکاح ہو چکا ہے، تو جب تک یہ نکاح باقی رہے کسی اور مرد کے لیے ان سے نکاح کرنا جائز نہیں، اگر وہ مطلقہ یا بیوہ ہو کر اپنی عدت پوری کر لیں تو اب دوسری جگہ نکاح جائز ہے۔

''عدالتی خلع'' کا حکم

واضح رہے کہ ملک کے موجودہ عدالتی طریقہ کار میں جس طرح خلع اور تنسیخ سے عدالتیں نکاح ختم کر رہی ہیں، اس طریقہ کار میں خلع کے تقاضے پورے نہیں کیے جاتے، اسی لیے محققین علماء کے نزدیک عام حالات میں عدالتی خلع سے نکاح ختم نہیں ہوتا، نہ ہی ایسی خاتون کا شوہر سے طلاق لیے بغیر دوسری جگہ نکاح حلال ہے، البتہ خاص حالات جن میں مفتیانِ کرام رخصت دیں، کا حکم الگ ہے۔

۱۵- گزشتہ رکوع کے آخر میں سوتیلی ماں سے نکاح کی حرمت کا بیان بھی گزر چکا ہے۔

یہ وہ پندرہ رشتے ہیں جن سے قطعی طور پر نکاح و بیاہ جائز نہیں۔

پارہ نمبر ۵

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ
اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

دفعہ نمبر ۱۰:- شرائط اور مقاصدِ نکاح

آیت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے پہلے سے شادی شدہ خواتین سے نکاح کرنے کی حرمت بیان فرمائی ہے، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ مذکورہ پندرہ رشتوں کے علاوہ جملہ مسلمان اور اہل کتاب خواتین کے ساتھ نکاح جائز ہے جس کی چند شرائط نمایاں ہیں، اسی طرح اسلامی معاشرہ میں نکاح کی غرض و مقصد بھی واضح کردی گئی ہے۔ شرائط نکاح درج ذیل ہیں:

۱- "اَنْ تَبْتَغُوْا": نکاح کے لیے ضروری ہے کہ فریقین ایجاب وقبول کے الفاظ کہیں۔ ایک کہے میں نے نکاح کیا، دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ ایجاب وقبول کے بغیر محض ایک دوسرے کو پسند کر لینے سے نکاح نہیں ہوگا۔

۲- "بِاَمْوَالِكُمْ": طلب بھی مال کے بدلہ میں ہو، یعنی ایجاب وقبول کے ساتھ مہر کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ چنانچہ اگر نکاح مہر کا ذکر کیے بغیر بھی ہو جائے تب بھی مہر کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ اس صورت میں مہر مثل یعنی جو دلہن کے خاندان کی ہم عمر لڑکیوں کا طے ہوا تھا اتنا مہر ادا کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہوگا، اِلّا یہ کہ خاتون اپنی رضا اور رغبت کے ساتھ بلا جبر و اکراہ اور خاندانی روایات کے دباؤ اور مطالبہ کے بغیر از خود شوہر کو حق المہر معاف کر دے تو وہ معاف کر سکتی ہے۔ اسی طرح اگر نکاح کے بعد رخصتی سے قبل زوجین میں خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو، اور خاتون کے کسی عمل کی وجہ سے نکاح فاسد ہو جائے تو اب حق مہر ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر زوجین میں نہ اجتماع ہوا اور نہ خلوت صحیحہ، اور شوہر نے طلاق دے دی تو نصف مہر (آدھا حق مہر) خاوند کے ذمہ لازم ہوگا۔ اگر نکاح کے بعد رخصتی نہ ہوئی ہو لیکن زوجین خلوت میں محض ایک دفعہ ہی باہم ملاقات کر چکے ہوں، ملاقات صحبت سے مانع نہ، ہو تب بھی شوہر کے ذمہ پورا حق مہر ادا کرنا ضروری ہوگا۔

۳- "مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ" نکاح کی غرض گھر آباد کرنا ہے، یعنی خاندانی نظام کی بحالی و مضبوطی مقصود ہو، محض شہوت رانی اور خواہش کی تکمیل نہ ہو۔ گھر تب ہی آباد ہوتا ہے جب خاندانی نظم میں استحکام کی غرض سے نکاح ہو، اسی کی برکت سے اولاد کے ساتھ نسل انسانی بھی باقی رہتی ہے، رشتوں میں جوڑ اور خاندانوں میں اُلفتیں بھی برقرار رہتی ہیں، جبکہ محض شہوت رانی اور خواہش نفسانی کی تکمیل کی غرض سے نکاح نہ تو باہمی محبتیں استوار کرتا ہے اور نہ ہی اولاد کا ذریعہ ہے، بلکہ زندگی خود غرضی اور خواہش پرستی سے عبارت ہو جاتی ہے۔

۴- دیگر آیات سے چوتھی شرط بھی معلوم ہوتی ہے کہ مرد وعورت میں مخفی طور پر دوستی نہ ہو، بلکہ نکاح کا یہ تعلق گواہوں

کی موجودگی میں قائم ہو، چنانچہ نکاح کے لیے شرط ہے کہ ایجاب وقبول کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں کیا جائے۔ جبکہ احادیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ اعلانیہ نکاح کرو، مساجد میں منعقد کرو، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس نئے تعلق اور رشتہ داری کے گواہ بن جائیں اور مرد وزن پر کسی قسم کا الزام وتہمت نہ لگے۔

مہر کے سلسلے میں یہ بھی ہدایت دی گئی کہ مرد وزن دونوں باہمی رضامندی کے ساتھ مہر میں کمی بیشی بھی کر سکتے ہیں، چنانچہ خاوند اپنی رضا اور رغبت سے مقرر شدہ مہر سے زیادہ بھی اپنی منکوحہ کو دے سکتا ہے، اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا کہ خاتون طے شدہ مہر کا کل یا جزا اپنی رضا اور رغبت سے معاف بھی کر سکتی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

باندی سے نکاح کے اَحکام

جو شخص آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو، یعنی اس کے پاس معقول حق مہر یا نان ونفقے کا انتظام نہ ہو تو وہ کم مہر پر کسی مسلمان باندی کے ساتھ بھی نکاح کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ باندی اگر اپنے مولیٰ کی خدمت میں رہتی ہے تو خاوند کے ذمہ اس کا نان نفقہ نہیں ہوگا۔ نیز حق مہر بھی واجبی سا ہوگا۔ اگر مالک نے باندی اس کے شوہر کے حوالے کر دی، تب بھی اس کا خرچ آزاد خاتون سے تو بہت کم ہوگا۔ اس لیے مسلمان باندی سے بھی نکاح جائز ہے۔ ضرورت کے وقت باندیوں سے نکاح کے لیے ترغیبی انداز اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارا ایمان خوب معلوم ہے، آزاد اور غلام سبھی کے ایمان کو حق تعالیٰ جانتے ہیں، کیا بعید ہے کہ بعض باندیوں کا ایمان بعض آزاد خواتین سے زیادہ مضبوط ہو، جبکہ اصل کے لحاظ سے تم سب ایک ہو، ایک باپ کی اولاد ہو، ایک ہی دین کے پیروکار ہو، ایک ہی نبی کے اُمتی ہو، گویا کہ خونی اور دینی لحاظ سے ایک ہی خاندان ہو تو پھر باندیوں سے نکاح کرنے میں حرج کیا ہے؟ البتہ باندیوں سے نکاح ان کے مالکان کی اجازت سے کرو، نیز قاعدہ وقانون کے مطابق انہیں حق مہر بھی ادا کرو بشرطیکہ وہ خوشی سے قیدِ نکاح میں آئیں، مستی نکالنے والی اور خفیہ آشنائی رکھنے والی نہ ہوں۔ اس سے لزوم مہر اور گواہوں کی موجودگی کے ضروری ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔

نوٹ:- اِجماعِ اُمّت سے یہ بات طے ہے کہ اب دُنیا سے غلامی ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا دنیا میں کوئی غلام یا باندی نہیں رہی۔

''زِنا'' کی سزا

اگر مرد و زن شادی شدہ ہو اور زنا کریں اور عدالت میں چار گواہوں کی گواہی سے جرم ثابت ہو جائے یا عدالت میں چار مرتبہ اقرارِ جرم کیا گیا ہو تو از روئے سنت و اجماع امت اس جرم کی سزا سنگسار کرنا ہے، جبکہ غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سزا کے طور پر سو کوڑے سورۂ نور میں بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ آیات میں شادی شدہ غلام و باندی کی سزا کا ذکر ہے کہ اگر وہ زنا کریں تو ان کی سزا آزاد کی سزا کا نصف (آدھا) ہے، یعنی پچاس کوڑے۔

باندیوں سے نکاح کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو نکاح نہ کرنے کی صورت میں اندیشہ رکھیں کہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ سو اگر یہ اندیشہ نہ ہو اور قوت برداشت پیدا ہو جائے تو باندیوں سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے، تاہم قوت برداشت اور حوصلہ کے ہوتے ہوئے بھی باندیوں سے نکاح کر لیا جائے تو اگرچہ بہتر نہیں مگر حرام بھی نہیں ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ
مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۱۱:- حرام مال اور ناحق قتل سے اِجتناب کی تاکید

سورۃ النساء میں اب تک تین طرح کے ناجائز مال کھانے سے روکا جا چکا ہے۔

۱- یتیم کا مال۔

۲- بیوی کی اجازت و طیب خاطر کے بغیر اس کا حق مہر۔

۳- ورثاء کی وراثت۔

اب عمومی حرام خوری کی حرمت کا بیان ہے۔ جس میں سب لوگوں کے لیے عدل اور رحمت کا پہلو بیان کیا گیا ہے، اس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ تم مسلمان ایک دوسرے کا مال کسی بھی ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ مثلاً غصب، چھینا جھپٹی، چوری ڈکیتی، رشوت ستانی، امانت میں خیانت، بغیر کوئی کام کیے اُجرت و معاوضہ وغیرہ، یہ سب ناجائز ذرائع آمدنی ہیں، یہ تم پر حرام ہیں۔ ہاں! اگر دوسرے کا مال بطور تجارت اور خرید و فروخت کے حاصل کرو تو یہ حلال ہے۔

ایک حکم یہ بھی دیا: ''وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ اہلِ علم نے اس کی ایک تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی کا ناحق مال کھا کر یا گناہوں کے مرتکب ہو کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ دراصل گناہ خود ہلاکت ہے اور باعثِ ہلاکت بھی ہے، لہٰذا کسی کا ناحق مال کھانا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔

اس جملہ کی دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، یعنی نہ تو ایک دوسرے کے مال سے تعرض کرو

اور نہ ہی ایک دوسرے کی جانوں سے تعرض کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ مہربان اور رحم کرنے والے ہیں، یہ اس کی رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ اس نے تمہاری جانوں اور تمہارے اموال کے تحفظ کا قانون اپنے پسندیدہ دین کا حصہ بنا کر نازل فرمایا، ان اسلامی قوانین میں تمہارے لیے نفع ہی نفع ہے اور تم سب کی بہبود انہی قوانین میں ہے۔

تیسری تفسیر اس جملے کی بعض مفسرین نے یوں کی ہے کہ اپنی جانوں کو قتل نہ کرو یعنی خودکشی نہ کرو، ظاہر ہے کہ خودکشی بھی اسلامی شریعت میں حرام اور باعث عذاب ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر انسان کی جان حق تعالیٰ کی جانب سے امانت ہے، کوئی انسان اپنی جان کا مالک نہیں بلکہ انسانی جان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کے پاس یہ جان امانت ہے، اس امانت میں خیانت حرام ہے، چنانچہ احادیث میں خودکشی پر سخت وعیدیں مذکور ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

خودکشی کی سنگینی

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے لوہے کی کسی چیز سے خودکشی کی روزِ محشر اسے جہنم میں اس طرح لایا جائے گا کہ وہ مسلسل اسی آلے کے ساتھ اپنے پیٹ پر ضربیں لگا رہا ہوگا اور اسی حالت میں عرصہ دراز تک دوزخ میں رہے گا۔ اور جس کسی نے زہر خوری کے ساتھ خودکشی کی اسے جہنم میں اس حال میں لایا جائے گا کہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ زہر خوری کرتا ہوگا، ایسے ہی عرصہ دراز تک دوزخ میں رہے گا۔ جس کسی نے اپنے آپ کو رسّی کے ساتھ باندھ کر خودکشی کی، روزِ محشر رسّی کے ساتھ بندھا ہوا دوزخ میں لایا جائے گا اور عرصہ دراز تک ایسے ہی دوزخ میں رہے گا۔ (جامع الترمذی: ۲۰۰۲)

۲۔ حضرت جندب بن عبداللہ البجلیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص کو زخم تھا، اس نے چھری لے کر اس زخم کو کاٹ ڈالا جس سے خون جاری ہوا اور بند نہ ہوا یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہوگئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنے نفس کو عذاب دینے میں مجھ سے پہل کر لی لہٰذا میں نے اس پر جنّت حرام کردی۔ (بخاری و مسلم بحوالہ ابن کثیر)

اگر کوئی شخص ظلم و زیادتی کا مرتکب ہوا، مثلاً اس نے ظالمانہ طریقے سے کسی کا مال ہڑپ کیا یا ظلماً کسی کو قتل کیا تو ایسے ظالم شخص کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالم کو دوزخ میں ڈالنا حق تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔ اس کو دوزخ میں جلانے میں نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ ہی یہ امر مشکل ہے۔ اس لیے سب مسلمان گناہوں سے اجتناب کریں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کریں۔ جو شخص ظلم، قتل اور ناحق مال کھانے جیسے بڑے جرائم سے بچ گیا تو حق تعالیٰ شانہ اس کے چھوٹے گناہ بھی معاف فرما دیں گے اور ایسے شخص کو جنّت کا داخلہ نصیب فرما دیں گے۔

”صغیرہ“ اور ”کبیرہ“ گناہ کی تعریف

علامہ محمود آلوسیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں کبیرہ گناہ کی تعریف یوں نقل فرمائی: ”ہر وہ گناہ جس پر

شریعت نے سزا مقرر کی ہو یا اس گناہ پر وعید وارد ہو یا لعنت کی گئی ہو یا اس گناہ کی خرابی مذکورہ بالا گناہوں جیسی ہو یا ان سے بھی زیادہ ہو ایسے تمام گناہ کبیرہ ہیں اور جو گناہ ایسے نہ ہوں وہ صغیرہ ہیں۔''

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ۝

دفعہ نمبر ۱۲:- خدائی عطا کردہ کمالات میں آرزوؤں کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے مرد و زن میں سے جس جنس کو جو فضیلت، شرف، کمال اور خصوصیت عطا کی ہے، سبھی اسی پر راضی اور خوش رہیں۔ ایک دوسرے کی فضیلت و خصوصیت کو حرص کی نظر سے نہ دیکھیں۔ مرد حضرات خواتین کو حق تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ امور کے حصول اور خواتین مردوں کو عطا کیے گئے کمال و شرف کے حصول کی طمع و آرزو اور حرص و ہوس قطعاً نہ رکھیں۔ جس کو جو ملا اسی پر قناعت اور کفایت کرے۔ نہ تو اپنی جنس بدلنے کی کوشش کریں، جیسا کہ دورِ حاضر میں بہت سی خواتین آپریشن اور مصنوعی طریقے سے مرد بننے کی کوشش کرتی ہیں...... اور بہت سے مرد ایسی ہی تدبیروں سے خاتون بن جانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ سخت گناہ اور منع ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی جانب سے دیے گئے حقوق میں ایک دوسرے پر حسد رکھنا یا دوسرے کے حق کو سلب کرنے کی کوشش کرنا (مثلاً خواتین کا شہادت و میراث میں اپنے آپ کو مردوں کے مساوی قرار دینے کے مطالبات کرنا، سب خدائی بغاوت اور ایک دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ زنی ہے) باعث بغض و حسد ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ مرد و زن کا اپنا اپنا حصہ ہے، مرد اپنے اعمال کا اجر پائیں گے جبکہ خواتین اپنے اعمال کا صلہ پائیں گی۔ اجر تو سبھی کو برابر ملنا ہے۔ ہاں اللہ سے اپنے اعمال کے معاوضے میں زیادہ سے زیادہ ثواب و انعام کے طالب رہیں۔ اللہ کو سب معلوم ہے کہ کون کتنے اجر کا حق دار ہے اور کون کس فضیلت کا اہل ہے۔ ہر ایک کی جبلّت و فطرت کے مطابق اس کے احکام ہیں۔ لہٰذا مردوں کا وراثت میں بعض صورتوں میں خواتین سے زیادہ حق دار ہونا سب حکمتِ الٰہی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کے حصے مقرر کر دیے ہیں، ہر کسی کا والدین، قریبی رشتہ داروں اور جن سے معاہدہ ہوا، ان سب کے چھوڑے ہوئے مال میں حصہ ہے، اس حصہ کے بارے میں اللہ رَبّ العزّت نے ہدایت فرمائی کہ وہ پورا پورا ادا کر دو۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر گواہ ہیں کہ کون کس کو حق دے رہا ہے اور کون محروم کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا بھی علم ہے کہ کس وارث کا کتنا حصہ ہونا چاہیے۔

ابتدائے اسلام میں مسلمان خال خال تھے، زیادہ تر ان کے عزیز و اقارب غیر مسلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ دو بھائی ایک دوسرے کے مال کے وارث بھی ہوا کرتے تھے۔ بعد میں جب

ان کے قریبی رشتہ دار بھی مسلمان ہو گئے تو ان کا وراثت میں حصہ مقرر کر دیا گیا اور باہم معاہدے سے بنائے گئے بھائی اور منہ بولے بھائیوں کا میراث میں حصہ ختم کر دیا گیا۔ ہاں ان کے ساتھ حسن سلوک اور بوقت وفات ان کے لیے کچھ مال کی وصیت کرنا جائز رہا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

دفعہ نمبر ۱۳:- مرد حضرات کی خواتین پر فوقیت اور اس کے اسباب

مردوں اور عورتوں میں سے فطرتاً اور خلقتاً مرد کا درجہ عورت سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے اللہ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم اور نگران بنایا۔ اس فوقیت اور فضیلت کی وجہ سے ان دونوں صنفوں کے احکام بھی کچھ مختلف کر دیے گئے۔ لہٰذا خواتین کا یہ مطالبہ کرنا کہ ہمیں حقوق میں مردوں کے مساوی قرار دیا جائے، سراسر قرآنی احکام سے روگردانی، جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے۔ حق تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر جو نگرانی اور فوقیت کا درجہ دیا اس کے دو سبب ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت خود مردوں کو عطا فرمائی۔ گویا یہ فضیلت وہبی اور خداداد ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا، اور نہ ہی اس کی حکمت پر اعتراض روا ہے، فیصلہ خداوندی پر خوش و خرم رہنا اور رضا و رغبت سے قبول کر کے سرِ تسلیم خم کر لینا ہی مسلمانی ہے۔

۲- مردوں کو عورتوں پر دوسری فضیلت کسبی ہے۔ اس لیے کہ مرد خواتین پر خرچ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے حق مہر ادا کر کے اہل خانہ کی خوراک، لباس، سکونت اور ضروریات کی کفالت کریں۔ وہ کما کے لائیں اور اپنے اہل خانہ پر خرچ کریں۔ چونکہ عورتیں مردوں کی دست نگر ہوتی ہیں، اس لحاظ سے بھی مردوں کو فضیلت حاصل ہے۔ سو خواتین خاوندوں کی جائز امور میں اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ نیک عورتیں مردوں کی تابعداری کرتی ہیں۔ اللہ کے حکم کے مطابق خاوند کی عدم موجودگی میں بھی خاوند کی عزت اور مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ اپنے نفس و جان میں شوہر کے علاوہ کسی کا حق نہیں جانتیں۔ شوہر کے مال کو برباد کرنے کے بجائے اس کو اپنے پاس امانت سمجھتی ہیں۔ آیت کے آخر میں نیک بیوی کی یہی دو علامتیں بیان کی گئی ہیں: اطاعت و فرمانبرداری اور جان و مال میں امانت کی پاسداری۔

دفعہ نمبر ۱۴:- اِصلاحِ اَزواج کا مرحلہ وار طریق

اگر کسی شوہر کو اپنی اہلیہ کی جانب سے بدتمیزی، نافرمانی، نفرت و بغض یا بدزبانی کا معاملہ درپیش ہو تو حتی الامکان

اہل خانہ کی اصلاح کی تدبیر کرنی چاہیے۔ چنانچہ شوہر درج ذیل تین مرحلہ وار طریقوں سے اپنی بیوی کی اصلاح کی کوشش کر سکتا ہے:

۱۔ خاوند اپنی بیوی کو حکمت وبصیرت سے سمجھائے بجھائے، اسے اپنا گھر بسانے کی ترغیب دے۔ خاوند کی نافرمانی کی وعیدیں بیان کرے، نیز اللہ ربّ العزّت کے عذاب اور مستقبل کے خطرات سے ڈرائے۔ الغرض پہلے مرحلے میں زبانی کلامی تفہیم سے کام لے۔ بہت سی خواتین افہام وتفہیم اور وعظ ونصیحت سے اپنی اصلاح کر لیتی ہیں اور یہی خاوند کا مقصد ہے۔

۲۔ اگر وعظ ونصیحت، تفہیم وترغیب، خوفِ خدا اور عذابِ آخرت کی باتیں کارگر نہ ہوں بلکہ خاوند کے ساتھ ناروا سلوک اور نافرمانی برقرار رہے تو زبانی تفہیم کے بعد عملاً شوہر اپنی بیوی کو احساس دلائے۔ اس کی صورت یہ اختیار کرے کہ اپنی اہلیہ سے اپنی خواب گاہ جدا کر لے۔ اپنا رخ پھیر کر بیوی کو اس کی غلطی کا احساس دلائے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو ترک کلام بھی کر سکتا ہے تا کہ اس عارضی فرقت سے دائمی فرقت کے خطرے کا احساس بیدار ہو۔

۳۔ وعظ ونصیحت، ترک کلام اور بستر کی علیحدگی سے بھی کام نہ چلے اور زوجہ اپنی روش بدلنے پر تیار نہ ہو تو خاوند شرعی حدود وقیود میں مار پیٹ کے ذریعے بھی اصلاح کی کوشش کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے دو شرائط احادیث سے ثابت ہیں۔

الف:۔ ہلکی پھلکی مار ہو جس سے نہ تو زخم کا نشان ظاہر ہو اور نہ ہی ہڈی ٹوٹے۔

ب:۔ چہرے پر مار پیٹ نہ کی جائے۔ کیونکہ متعدد احادیث میں چہرے پر مارنے سے منع کیا گیا ہے۔

اگر مذکورہ بالا اصلاح کے تین طریقوں میں سے کسی ایک سے اصلاح ہو جائے اور خاتون اپنے اندر تبدیلی لے آئے تو اب خاوند اس کے ساتھ اپنا رویہ درست کرے اور بلا وجہ بہانہ سازی کر کے طلاق نہ دے، بلکہ گھر بسانے کی سعی کرے۔ اگر کوئی خاوند پھر بھی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی روا رکھتا ہے، بلا وجہ مار پیٹ کرتا ہے، بلا قصور ڈانٹ ڈپٹ اور بغیر کسی مقصد کے ترش روئی اختیار کرتا ہے، الغرض کسی بھی طور پر صنفِ نازک کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو اسے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حق تعالیٰ بلند وبالا، غالب اور سب سے بڑے ہیں۔ جو ظالم سے خوب انتقام لینے والے ہیں۔ بیوی کی بے بسی کے سبب سے چڑھائی کرنے والا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے محض بے بس اور عاجز جانے، اللہ سے ڈرے اور زیادتی نہ کرے۔

دفعہ نمبر ۱۵:۔ زوجین کی جانب سے قصور کی صورت میں اصلاح کا طریقہ

مذکورہ بالا دفعہ میں بیوی کی جانب سے کوتاہی کی صورت میں بیوی کی اصلاح کے طریق کار مذکور تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر نہ بسنے میں میاں بیوی دونوں کا قصور ہوتا ہے، زوجین باہمی اعتماد سے محروم ہوتے ہیں، ہر فریق دوسرے کا حق تلف کرنے کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے، ایسی صورت میں گھریلو نظام کی بقاء وحفاظت کا طریقہ درج ذیل ہے:

زوجین کی جانب سے باہمی لڑائی جھگڑے کی صورت میں حاکم وقت یا زوجین کے اولیاء کو چاہیے کہ وہ فریقین میں

صلح کی کوشش کریں۔ اگر یہ کاوش ثمر آور ہو تو بہتر، ورنہ خاتون کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک سمجھدار، نیک اور معاملہ شناس شخص جبکہ مرد کے قریبی تعلق داروں میں سے بھی ایک ایسی ہی صفات کا حامل شخص ثالث بنایا جائے۔ گویا ایک ثالث لڑکی کی جانب سے اور ایک لڑکے کی جانب سے مقرر ہو۔ یہ فریقین کا موقف سنیں، قصوروار کو متنبہ کریں اور اسے زیادتی سے روکیں۔ یہ دونوں ثالث خلوص دل سے صلح کی کوشش کریں۔ اگر یہ دونوں صلح کو مناسب جانیں اور زوجین میں مصالحت کروادیں تو اللہ تعالیٰ دونوں کا گھر بسانے پر قادر ہیں۔ اگر وہ دونوں ثالث اس نتیجے پر پہنچیں کہ فریقین میں نباہ اور گزارہ نہیں ہوسکے گا اور باہمی جدائی ضروری ہے تو اس جوڑے میں طلاق کا فیصلہ بھی کرسکتے ہیں۔

چنانچہ روایات میں موجود ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو ایک جوڑے میں اختلاف ہوجانے پر ثالث مقرر فرما کر یہ ہدایت دی کہ اگر آپ صلح کرواسکیں تو جانبین میں صلح کروادیں اور اگر جدائی مناسب جانیں تو فریقین میں جدائی کروادیں۔ (تفسیر دُرِ منثور)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

شانِ نزول

شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کرام کی دعوت کر رکھی تھی، جس میں مے نوشی کا بھی انتظام تھا، جب یہ سب کھا پی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام بنا دیا گیا، ان سے نماز میں ''قل یآ ایھا الکافرون'' کی تلاوت میں نشے کی وجہ سے سخت غلطی ہوگئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں تنبیہ کردی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔ (معارف القرآن)

''شراب'' کی تدریجی ممانعت کا دوسرا درجہ

شراب نوشی عرب کی پرانی عادت تھی، اور پوری قوم اس عادت میں مبتلا تھی، سوائے چند لوگوں کے جن کی طبیعت کو ہی اللہ ربّ العزّت نے ایسا سلیم بنادیا تھا کہ وہ اس خبیث چیز کے پاس کبھی نہیں گئے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوّت سے پہلے بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، چونکہ ایسی چیز کو چھڑانا جس کی عادت اور لت لگ چکی ہو، نہایت دشوار ہوتا ہے، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے تدریجی طور پر آہستہ آہستہ ذہن سازی کر کے مختلف مرحلوں میں شراب کو حرام فرمایا، پہلے مرحلے میں اللہ ربّ العزّت نے سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ شراب میں کچھ منافع بھی ہیں اور نقصان بھی، البتہ اس کے نقصانات زیادہ ہیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ شراب کا نہ پینا بہتر ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں حرمت شراب کا دوسرا مرحلہ ہے، جس میں نماز کے اوقات میں شراب پینے کی ممانعت کردی گئی۔

تیمّم کا طریقہ

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے طہارت کے کچھ احکام ذکر فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جنابت کی حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ پہلے غسل کیا جائے پھر نماز ادا کی جائے۔ اور اگر کسی وجہ مثلاً بیماری یا سفر کی وجہ سے پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، یعنی پانی کے استعمال کی صورت میں بیماری کے بڑھنے کا اندیشہ ہو یا سفر میں کوئی ایسا مقام آجائے جہاں پانی کا ملنا دشوار ہو، تو اس صورت میں اللہ رَبّ العزّت نے وضو اور غسل کے متبادل کے طور پر پاک مٹّی سے تیمّم کا حکم فرمایا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مٹّی پر ہاتھ مار کر چہرے پر پھیر لیے جائیں، دوسری مرتبہ مٹّی پر ہاتھ مار کر بازوؤں پر پھیر لیے جائیں، تیمّم مکمل ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۝ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓي اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝

شرعی اَحکام میں تحریف یہودانہ رَوِش ہے

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے یہودیوں سے شکوہ کیا اور مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ یہودیوں والے اعمال ہرگز اختیار نہ کرنا۔ یہود کی مذمت کرتے ہوئے اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جنہیں اللہ رَبّ العزّت نے کتاب عطا فرمائی ہے، وہ اس پر عمل کرنے کے بجائے کفر اختیار کر کے گمراہی کو گلے لگا رہے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی گمراہ کریں۔

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ان کی ایک بری عادت کا تذکرہ فرمایا کہ یہود اللہ رَبّ العزّت کی آیات اور تورات میں تحریف کرتے ہیں، یعنی تورات میں ذکر کردہ شرعی احکامات کو بدل دیتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرتے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سن لی، لیکن دل میں کہتے کہ ہم اس پر عمل نہیں کریں گے، اسی طرح دورانِ گفتگو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ "اِسْمَعْ" ہماری بات سنیے، لیکن ساتھ ہی دل میں کہتے کہ آپ کو کوئی خوشی اور مسرت کی بات نہ سنائی جائے۔ اور ان باتوں سے ان کا مقصد دین اسلام کا مذاق اڑانا اور (نعوذ باللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کی کوشش کرنا تھا، اسی لیے زبان موڑ کر بات کرتے تھے۔

اللہ رَبّ العزّت ان کے ہر عمل سے واقف ہے، اور یہ جو باتیں کر رہے ہیں، انہیں بھی اللہ رَبّ العزّت جانتے ہیں، اس لیے انہیں چاہیے کہ سیدھی بات کریں، ورنہ ان کو دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پھر اللہ رَبّ العزّت نے انہیں ایمان لانے کی دعوت دی اور ارشاد فرمایا کہ اے اہل کتاب! اس قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، ایسا نہ ہو کہ تمہارے آباؤ اجداد کی طرح تمہاری شکلیں بھی اللہ رَبّ العزّت مسخ فرمادیں اور تمہیں بندر اور خنزیر بنا دیا جائے، اور تم پر ایسی ہی لعنت فرمادیں، جیسے ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں پر فرمائی تھی (جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے)۔

''شرک'' ناقابلِ معافی جرم!

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے شرک کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت شرک کو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے، اس کے سوا جتنے بھی گناہ ہیں، خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، ان میں سے جس کو چاہیں گے معاف فرمادیں گے، لیکن مشرک کی کبھی معافی نہیں ہوگی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝

یہودیوں کا مسلمانوں کے خلاف منصوبہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرماجانے کے بعد مدینہ منورہ میں اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا، مدینہ کے یہودیوں کو اسلام کی یہ روز افزوں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، اور وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے مختلف تدبیریں کیا کرتے تھے، اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ یہود کا سردار کعب بن اشرف اپنے ساتھ ستر یہودی لے کر مکہ مکرمہ گیا اور مکہ مکرمہ والوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر اکسایا اور انہیں اپنے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ اہل مکہ نے اس سے کہا کہ تم ایک دھوکا دینے والی قوم ہو، ہمیں تم پر یقین نہیں ہے، اگر تم واقعۃً اپنی بات میں سچے ہو تو ہمارے بتوں کو سجدہ کرو۔ کعب بن اشرف نے باوجود اس کے کہ بت پرستی یہودی مذہب میں بھی حرام تھی، لیکن اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں اس نے بتوں کو سجدہ کیا، اس کے بعد اہل مکہ نے ان یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کرلیا، اسی دوران ابوسفیان نے کعب سے کہا کہ تم اہل علم ہو، تم ہمیں بتاؤ کہ ہم حق پر ہیں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کعب بن اشرف نے ان کی خوشنودی کے لیے کہا کہ تم حق پر ہو۔ اس پر اللہ رَبّ العزّت نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان اہل کتاب کو دیکھیے جو جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں، اور کافروں کو اہل ایمان کے مقابلے میں ہدایت اور حق پر قرار دیتے ہیں۔ اللہ رَبّ العزّت نے ان سب پر لعنت فرمائی ہے، اور جس پر اللہ رَبّ العزّت لعنت فرماتے ہیں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

”جِبْت“ اور ”طاغوت“ کا معنٰی

”جِبْت“ کا لفظ پورے قرآن پاک میں صرف ایک اسی جگہ استعمال ہوا ہے، البتہ ”طاغوت“ کا لفظ مختلف سورتوں میں سات مرتبہ آیا ہے۔ عام مفسرین جِبْت کا معنی بت اور طاغوت کا معنی شیطان کرتے ہیں، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ یہودی بتوں اور شیطان کے پجاری ہیں، جیسا کہ ان آیات کے شانِ نزول میں بیان ہوا کہ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے اسلام دشمنی کی بنا پر مشرکین مکہ کے کہنے پر بتوں کو بھی سجدہ کیا۔ امام ابن ہشامؒ فرماتے ہیں: ”الجبت عند العرب ما عُبِدَ من دون الله“ یعنی اہل عرب کے نزدیک ہر وہ چیز جبت ہے، جس کی اللہ ربّ العزّت کے سوا عبادت کی جائے۔ ”والطاغوت کل ما اضل من الحق“ اور ”طاغوت“ ہر وہ چیز ہے جو راہ حق سے گمراہ کر دے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

حکمرانوں سے متعلّق قرآنی دفعات

یہاں سے احکام سلطانی یعنی ان احکام اور دفعات کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے، جن میں خاص طور پر حکمرانوں کو مخاطب بنا کر عوام کے حقوق سے آگاہ کیا گیا ہے، اس سورت میں ایسی نو دفعات ہیں جنہیں اپنے اپنے مقام پر ذکر کیا جائے گا، مذکورہ آیات میں ان احکام میں سے پہلا حکم ذکر کیا گیا ہے۔

دفعہ نمبر ۱: ۔تقرّریوں میں اہلیت (میرٹ) پیش نظر رکھنے کی تاکید

اس دفعہ کا حاصل یہ ہے کہ اصحابِ اختیار و اقتدار، مناصب اور عہدوں پر تقرریوں میں اہلیت و لیاقت کو پیش نظر رکھیں۔ ہر پوسٹ پر تقرری قابلیت کی بنیاد پر ہو۔ اس لیے کہ منصب و عہدہ ایک امانت ہے۔ اور امانت کی سپردگی اس کے اہل کو ضروری ہے۔ اسی طرح مقدمات و تنازعات میں بھی عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ فیصلے میں اونچ نیچ یا رشوت ستانی اور ناجائز سفارش کا عنصر بالکل نہ ہو۔

”رشوت“ اور ”بدعنوانی“ سے بچو!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ کے یہودیوں میں رشوت ستانی اور بے انصافی کا مرض عام تھا۔ اس لیے بطور خاص مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ یہودیوں کی طرح تم اپنے نظام کو کجی کی جانب مائل نہ کرو، بلکہ عدل اور معیار کو برقرار رکھو۔ اس آیت کا شانِ نزول ایک واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے

کلید بردار عثمان بن طلحہ سے چابی طلب فرمائی۔ انہوں نے اول تو دینے سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زبردستی چابی وصول کی اور کعبۃ اللہ کھول کر اندر تشریف لے گئے۔ آپ جب باہر تشریف لائے تو آپ کے چچا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے کعبہ کی کلید برداری کا منصب طلب کیا۔ جبکہ پہلے یہ منصب عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا جواب مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس پر عمل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ کو طلب فرما کر چابی ان کے حوالے کی۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ چابی اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس رہے گی۔ چنانچہ کعبۃ اللہ کی چابی حضرت عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں ہی چلی آتی رہی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس حکم کے ساتھ ہی عوام الناس کو بھی پابند کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول (ﷺ) اور اپنے حکمرانوں اور اپنے علماء کی اطاعت کیا کریں۔ ان کے احکام کو دل و جان سے قبول کریں۔ حکمرانوں کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد ذکر کر کے اس امر کی جانب اشارہ فرمایا کہ حکمرانوں کی اطاعت ضروری ہے، بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے احکام کے خلاف کوئی حکم جاری نہ کریں۔ اگر حکمران اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے خلاف حکم جاری کریں تو نہ صرف یہ کہ اس کی اطاعت ضروری نہیں، بلکہ حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنا یہ حکم فوری واپس لے لیں تاکہ حق تعالیٰ کی معصیت لازم نہ آئے۔ اس لیے صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی حکم میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس حکم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب پھیر دو۔ ان سے جو راہنمائی ملے اسے قبول کر کے عمل پیرا ہو جاؤ، اہل ایمان کے لیے یہی بہتر اور اچھے انجام کا ذریعہ ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى
الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ
بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ
مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ
إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

جو حضور ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں، حضرت عمرؓ کا اس کے حق میں یہ فیصلہ ہے!

بشر نامی ایک منافق تھا، اس کا ایک یہودی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، یہودی نے کہا کہ چل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، ان سے فیصلہ کرائیں، مگر بشر منافق نے اس کو قبول نہ کیا، بلکہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس جانے اور اس سے فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کی، چونکہ اس جھگڑے میں یہودی حق پر تھا، اس لیے اسے یقین تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حق اور

انصاف کا فیصلہ کریں گے۔ بہرحال کچھ دیر کی بحث کے بعد دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے پر راضی ہو گئے، مقدمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، آپ نے معاملہ کی تحقیق فرمائی اور یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا، بشر اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا، اس لیے اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرانے کا مطالبہ شروع کر دیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں کے معاملہ میں سخت ہیں، اس لیے اسے گمان تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے حق میں فیصلہ فرمائیں گے، یہودی نے اس کو قبول کر لیا، دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، یہودی نے سارا واقعہ بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں، مگر یہ اس پر مطمئن نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بشر سے تصدیق چاہی، تو اس نے اقرار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا ٹھہرو میں آتا ہوں، گھر میں تشریف لے گئے اور ایک تلوار لے کر آئے، اور اس منافق کا کام تمام کر دیا اور فرمایا: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو، اس کا یہی فیصلہ ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو جو یہ دعوی کرتا ہے کہ میں پچھلی کتابوں پر بھی ایمان لایا تھا اور اس قرآن پر بھی ایمان رکھتا ہوں، حالانکہ فیصلہ کرانے کے لیے وہ ایک سرکش انسان کے پاس جانے کی ضد کرتا ہے، جبکہ انہیں اس سے روکا گیا ہے، اگر اس کے دل میں واقعی ایمان ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے حاضر ہوتا، کیونکہ نبی تو بھیجا ہی اسی لیے جاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس کے احکام کو مانا جائے۔ لیکن اس کا حال تو یہ ہے کہ جب اسے کہا جاتا ہے کہ آؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کراتے ہیں تو یہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگ جاتا ہے۔ لہٰذا انہیں جو مصیبت پہنچی ہے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہونے کی) وہ ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچی ہے، اور اللہ رَبّ العزّت ان کے دل میں چھپے نفاق سے خوب واقف ہیں۔ اگر یہ لوگ جھوٹی قسمیں اور باطل تاویلات کرنے کے بجائے اپنے قصور کا اعتراف کر لیتے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر خود بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی مغفرت کی دُعا کرتے تو اللہ رَبّ العزّت ان کی توبہ قبول فرما لیتے۔

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے مغفرت پانے کی صورت یہ ذکر فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مغفرت کی دُعا کی جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے لیے دُعا فرمائیں، تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جس طرح آپ کی حیاتِ طیبہ میں ہو سکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ (معارف القرآن) یعنی روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے استغفار کی درخواست کر سکتے ہیں۔

اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۲:- احتیاط و ہوشیاری سے جہاد کرنے کا حکم

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے احکام سلطانی سے متعلّق دوسری دفعہ کو بیان فرمایا ہے، اس دفعہ میں حق تعالیٰ نے اہل ایمان کو جہاد سے متعلّق بطور خاص حکم دیا کہ دشمنوں سے احتیاط برتی جائے۔ ان سے لڑتے وقت اسلحہ، آلات حرب وضرب، عقل ودانش، فہم وفراست، فوجی تربیت اور ہمہ قسم حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں۔ تاکہ دشمن تمہیں نقصان نہ پہنچائے اور کامیابی یقینی ہو۔ چنانچہ اس احتیاط وحزم کے ساتھ جہاد کرو، خواہ بصورت جماعت ولشکر جہاد کے لیے جاؤ یا انفرادی طور پر جاؤ۔ سبھی جاؤ یا چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں جاؤ۔ ہاں تم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو جہاد سے پیچھے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زبان سے اظہار اسلام تو کرتے ہیں، لیکن دل سے ایمان نہیں لائے۔ یہ خود بھی جہاد سے جی چراتے ہیں اور دوسروں کو بھی عملاً جہاد سے روکتے ہیں۔ مسلمانوں کو مصیبت وتکلیف میں مبتلا دیکھ کر کہتے ہیں: اللہ کا مجھ پر بڑا احسان عظیم ہوا کہ میں اس معرکے میں شریک نہ تھا، ورنہ میں بھی تکلیف زدہ اور مبتلائے مصیبت ہوجاتا۔ اور اگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل وکامیابی نصیب ہو تو کہتا ہے: اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا اور مجھے بھی کھلی کامیابی نصیب ہوتی۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا، جنگ وجہاد کی تیاری کرنا، کسی بھی چیز کے لیے اسباب کا حاصل کرنا یا احتیاط وپرہیز کرنا خلاف توکل نہیں۔ بلکہ عین توکل ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے بھی اسباب کے ساتھ توکل اختیار فرمایا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ'' اونٹ کا پاؤں باندھ ڈالو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ یہ الگ چیز ہے کہ اسباب واحتیاط سے تقدیر نہیں بدلتی۔ حق تعالیٰ نے جو چیز لکھی ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گی۔ قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو بھی واضح فرمایا ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (التوبۃ:۵۱)

کہہ دو کہ اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے، ہمیں اس کے سوا کوئی اور تکلیف ہرگز نہیں پہنچ سکتی، وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔

اسباب واحتیاط کے ساتھ سکون قلب اور ایک گونہ اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں اسباب واحتیاط اختیار کرنے یا نہ کرنے پر قضا لکھی ہوتی ہے۔ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد امامِ وقت کو اختیار ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں جہاد کے لیے روانہ کرے یا بڑی جماعتیں۔ انفرادی تشکیل پر کسی کو روانہ کرے یا اجتماعی تشکیل پر سب ہی کو خروج کا حکم دے۔ حسب موقع وضرورت احکام دیے جاسکتے ہیں۔ قرآنِ کریم کے بعض مقامات پر سب مسلمانوں کو جہاد کے لیے نکلنے کا جو حکم آیا، بعض مفسرین کے نزدیک وہ اس آیت سے منسوخ ہوگیا۔ اب ضرورت اور حالات کے مطابق اہل

ایمان کو امیرِ وقت جو مناسب حکم دے وہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ (ردّ المحتار علی الدر المختار: کتاب الجہاد، ۶/ ۲۰۴ مکتبہ رشیدیہ)

منافقین کے متعلق یہ حقیقت طشت از بام کردی گئی کہ یہ لوگ جہاد سے جی چراتے ہیں اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے پر، اپنے محفوظ رہنے کی خوشیاں مناتے ہیں اور مسلمانوں کو راحت پہنچے پر پشیمان ہوتے ہیں۔ آیت میں منافقین کو مسلمانوں میں ظاہر کے اعتبار سے شریک کر کے خطاب کیا گیا۔ چونکہ ظاہری طور پر وہ کلمہ گو تھے، اس لیے "**منکم**" تم میں سے فرمایا گیا۔ یہ خطاب ایمان کے اعتبار سے نہیں بلکہ ظاہری طور پر اسلام کے اعلان کی وجہ سے ہے۔

آیت میں مصیبت و تکلیف سے مراد میدان جہاد میں اہل اسلام کو حاصل ہونے والی موت شہادت، زخم یا ظاہری شکست ہے۔ ایسے موقع پر منافقین اپنی عدم موجودگی پر خوش و شادمان ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں: اگر ہم شریک جہاد ہوتے تو ہم بھی اسی طرح دُکھ اٹھاتے۔ اسی طرح "فضل" سے مراد مالِ غنیمت کا حصول، کامیابی اور خدائی نصرت ہے۔ مسلمان جب بھی جنگ میں کامیاب و کامران ہو کر مالِ غنیمت اور فتح مندی حاصل کرتے ہیں تو انہیں یہ آرزو ہوتی ہے کہ کاش! ہم بھی اس معرکے میں شریک ہو کر مستفید ہوتے۔ الغرض دو رُخی پالیسی پر گامزن ہو کر بزدل رہتے ہیں۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝

دفعہ نمبر ۳: - جہاد کی ضرورت و اہمیت

مذکورہ بالا تین آیات میں حکم جہاد، تقاضائے جہاد اور مقام و مرتبہ جہاد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اوّل الذکر اَمر کا نہایت ہی بلیغ پیرائے میں ذکر فرمایا کہ "اگرچہ منافقین جہاد سے جی چراتے ہیں لیکن مسلمان راہ خدا میں لڑ مریں" مسلمان تو اپنی حیات و دُنیا سبھی کچھ آخرت کے بدلے فروخت کر چکے ہیں۔ انہوں نے تو حق تعالیٰ سے آخرت و جنت خرید کر بدلے میں سب کچھ دینے کا عہد و پیماں کیا ہے۔ لہٰذا اہل ایمان اپنے اسی عقد و عہد کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دیں۔ رہی فتح و شکست مسلمان کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اسے جہاد میں فتح ہو تب بھی حق تعالیٰ کی جانب سے اجر و غنیمت نصیب ہو گی۔ اجر سے تو آخرت میں نوازا جائے گا اور غنیمت سے دنیا میں بہرہ ور ہو گا۔ اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہوا تو بھی مجاہد اجر عظیم کا مستحق تو بہر حال ہے۔ مسلمان کے لیے ہار تو ہے نہیں، وہ ہمیشہ فتح مند ہے اور اس کا اجر بھی اجر عظیم ہے۔

ثانی الذکر اَمر مقتضی جہاد کا بیان ہے۔ وہ یہ کہ اہل ایمان کو قتال و جہاد کا حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ قتال و جہاد

فی سبیل اللہ کا بہت بڑا تقاضا سامنے ہے۔ اور وہ ہے لاچار، کمزور، کلمہ گو مرد و زن اور کم سن بچوں کی گرفتاری، غیر مسلموں کی قید و بند کی صعوبتیں، جبکہ یہ لاچار دُہائیاں دے رہے ہیں اور دست بہ دُعا ہیں کہ انہیں آزادی نصیب ہو۔ مکہ مکرّمہ جو ابھی تک مشرکین کے قبضے میں تھا، میں کچھ کمزور مسلمان، خواتین اور بچے مشرکین کی قید میں تھے، وہ شب و روز یہ دُعائیں کرتے ''اے ہمارے ربّ! ہمیں اس شہر سے نجات عطا فرما کہ جس کے والی وحاکم اور لوگ ظالم و جابر ہیں، اور ہمیں اپنی جانب سے ولی و نصیر عطا کر۔''

حبر الأمت مفسر قرآن حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''میں اور میری والدہ محترمہ انہیں لوگوں میں شامل تھے، جو کُفار کی قید میں گرفتار تھے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

خلاصہ اینکہ آخر تم ایسے دہائی دینے والے مجبوروں، مقہوروں اور مظلوموں کی رہائی کے لیے قتال کیوں نہیں کرتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کی غیر مسلموں کے ہاتھوں گرفتاری اور قید پر فرضیت جہاد کی تاکید میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ بالخصوص جب کلمہ گو مسلمان خاتون کُفار کی قید میں ہو تو اہل ایمان پر اس کی رہائی و آزادی فرض ہوجاتی ہے۔

فتاویٰ سراجیہ اور عالمگیری میں مرقوم ہے: ''اِمْرَأةٌ سُبِیَتْ فِی الْمَشْرِقِ وَجَبَ عَلٰی اَهْلِ الْمَغْرِبِ اَنْ یُّخَلِّصُوْهَا'' یعنی اگر کوئی خاتون مشرق میں گرفتار ہوجائے تو اہل مغرب پر اس خاتون کو رہا کرانا واجب ہوجاتا ہے۔

ثالث الذکر امر، مرتبہ جہاد اور فضائل مجاہدین ہے۔ اس کے ساتھ ہی جہاد میں جس امر کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اسے بھی متعین کر دیا گیا کہ اہل ایمان تو اللہ کی راہ میں ہی جہاد کرتے ہیں۔ ان کا مرنا، جینا راہِ خدا میں ہوتا ہے۔ وہ ربّ کی خوشنودی کے لیے اپنی جان ہتھیلی پہ لیے پھر رہے ہیں۔ ان کا مطمح نظر جاگیر، دولت، عزت، شہرت، داد و تحسین کا حصول اور ناجائز رعب جمانا نہیں۔ نہ ہی ان کے پیش نظر حکومتوں کا حصول ہے۔ وہ تو صرف حکم الٰہی کے تحت ہی اس کے دشمنوں سے لڑتے ہیں۔ ان کی جنگ و جدل راہِ حق سے اعراض کرنے والوں سے ہے اور حق تعالیٰ کی خاطر نہ ذاتی عداوت، نہ نفسی انتقام، بس بغض فی اللہ کا اظہار اور حُبّ فی اللہ پر عمل ہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ جبکہ غیر مسلم وکُفار راہ طاغوت میں لڑتے ہیں۔ ان کی پیش نظر طاغوت و شیطان کی خوشنودی اور طاغوتی نظام کی مضبوطی ہے۔ یہ مجاہد و محارب میں واضح فرق ہے۔ حضرات مفسرین نے طاغوت کی متعدد تفاسیر فرمائی ہیں:

۱۔ طاغوت بت کو کہتے ہیں۔

۲۔ طاغوت شیطان ہی کا نام ہے۔

۳۔ اللہ کے سوا جس کسی کی بھی پوجا کی جائے وہ طاغوت ہے۔

خلاصہ سب تفاسیر کا ایک ہی ہے کہ طاغوت سے مراد باطل ہے۔ اہلِ کُفر باطل کے لیے لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے ان دوستوں سے لڑو بھڑو۔ شیطان کے مکر و فریب کمزور ہیں، جو کبھی غالب نہیں آسکتے۔ باطل بھی ایک دن ختم ہوجاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے۔ لہٰذا تم مردانگی کے ساتھ باطل کا مقابلہ کرو۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ
إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ
لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝
أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا
يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝

شانِ نزول

مکہ میں ہجرت کرنے سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستایا کرتے تھے، مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور رخصت مانگتے کہ ہم کفار سے قتال کریں اور ان سے ظلم کا بدلہ لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو منع فرماتے کہ مجھے قتال کا حکم نہیں ہے، بلکہ صبر اور درگزر کرنے کا حکم ہے، نیز فرماتے کہ جو احکام تمہیں دیے جا چکے ہیں یعنی نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے، اس پر عمل کرتے رہو، اس بات کو مسلمانوں نے قبول کرلیا، پھر ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو جہاد کا حکم ہوا تو ان کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ ہماری درخواست قبول ہوئی، لیکن بعض کچے مسلمان کافروں کے ساتھ قتال کرنے سے ایسے ڈرنے لگے، جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے، یا اس سے بھی زیادہ، اور آرزو کرنے لگے کہ کاش کچھ دن اور قتال کا حکم نہ آتا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

جہاد سے ہی موت نہیں آتی!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان حضرات کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم موت سے ڈر کر جہاد سے جی کیوں چُراتے ہو، موت سے تو تم کسی بھی حالت میں نہیں بچ سکتے، تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ لے گی، خواہ تم اپنے گھر میں اپنے بستر میں یا کسی مضبوط قلعہ میں بند ہی کیوں نہ ہو، موت کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا، تو جب موت سے فرار ممکن ہی نہیں تو اس سے ڈرنے اور جہاد سے جی چُرانے کا کیا فائدہ؟

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے منافقین کی ایک بُری عادت کو ذکر فرما کر انہیں تنبیہ فرمائی ہے۔ منافقین کی عادت تھی کہ اگر انہیں کوئی فتح یا کامیابی ملتی تو کہتے کہ یہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ملی ہے، اور اگر کبھی کوئی تکلیف یا پریشانی پیش آتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو طعنے دیتے ہوئے کہتے کہ یہ تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس طرزِ عمل کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو جو بھی حالت درپیش ہو، خواہ کوئی کامیابی ہو یا پریشانی، سب اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ لوگ بات سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهٖ ۖ وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰٓى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ
الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

بغیر تحقیق بات اُڑا دینا منافقین کا وطیرہ ہے!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے منافقین کے ایک اور قبیح طرزِ عمل کو بیان فرما کر اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ منافقین کی عادت تھی کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کر دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، تو وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آئے، جب دروازے پر پہنچے تو آپ نے سنا کہ مسجد کے اندر لوگوں میں بھی یہی ذکر ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اس خبر کی تحقیق کرنی چاہیے، چنانچہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق کرنے کے بعد میں مسجد کی طرف واپس آیا اور دروازے میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ ان منافقین کو جب کوئی خوشی یا پریشانی کی خبر ملتی ہے تو یہ بغیر تحقیق کے اسے آگے پھیلا دیتے ہیں، حالانکہ ان کو چاہیے کہ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحب رائے و اختیار لوگوں کو پہنچاتے، تاکہ وہ اس کی تحقیق کرتے اور اس میں غور و فکر کر کے اس کی صحیح حقیقت معلوم کرتے۔ اگر اللہ ربّ العزّت کا فضل و کرم شاملِ حال نہ ہوتا تو تم میں سے اکثر شیطان کی پیروی میں لگے ہوتے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۗ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
أَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوْا
مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ إِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ أَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ
صُدُوْرُهُمْ أَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَإِنِ
اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ
اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّأْمَنُوْكُمْ وَيَأْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۗ كُلَّمَا رُدُّوْا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَإِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ
وَيُلْقُوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۚ وَأُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا
لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

دفعہ نمبر ۴:- منافقین کے متعلّق خصوصی ہدایات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے احکام سلطانی کی دفعات میں سے چوتھی دفعہ بیان فرمائی ہے، جس کا تعلق منافقین کے ساتھ ہے اور اس دفعہ میں منافقین سے متعلّق خصوصی احکام دیے گئے ہیں۔

منافق کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ جو شخص دل سے ایمان نہ لایا ہو، محض زبانی اظہارِ ایمان کر کے حصول مفادات چاہتا ہو، لیکن یہاں منافقین کے مفہوم میں مذکورہ بالا لوگوں کے علاوہ وہ غیر مسلم بھی شامل ہیں، جو دل و جان سے کُفر کرتے تھے مگر مسلمانوں کے حملوں سے بچاؤ اور اپنی جان بخشی کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے میل جول رکھتے تھے۔ ایسے منافقین اور کُفّار کے بارے میں اہل ایمان کی دو جماعتیں ہوگئیں تھیں۔ ایک جماعت کا کہنا یہ تھا کہ ایسے لوگوں سے میل جول رکھا جائے۔ اُس جماعت کے پیش نظر ایسے غیر مسلموں کی ہدایت کی امید اور اصلاح کی توقع تھی۔ جبکہ دوسری جماعت کا موقف یہ تھا کہ ان لوگوں سے بالکل میل جول بند کر دینا چاہیے۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں برتنی چاہیے۔ بعض مفسرین نے تحریر فرمایا ہے کہ ان آیات کا نزول ان منافقین کے بارے میں ہوا جو غزوہ احد میں شرکت کے لیے چلے لیکن راستے سے واپس ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں اختلاف کرنے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس اختلاف کرنے پر اہل ایمان کو تنبیہ بھی فرمائی کہ ان منافقین و کافرین کو اپنا خیر خواہ اور حمایتی مت سمجھو اور نہ ہی ان کے ایمان کی توقع رکھو۔ یہ تو الٹا تمہاری گمراہی کے درپے ہیں۔ ان کی بدعملیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے گمراہ کردہ شخص کو بھلا تم کیسے ہدایت دے سکتے ہو؟ ایسے لوگوں کو تو جہاں پاؤ قتل کرو۔ نہ ہی انہیں اپنا دوست بناؤ اور نہ ہی ان کی کسی قسم کی مدد کرو۔ ہاں ان میں جو لوگ صحیح طور پر اسلام قبول کر لیں اور ہجرتِ مدینہ (جو اُس وقت قبولِ اسلام کے لیے فرض کا درجہ رکھتی تھی) کو اختیار کر لیں تو پھر وہ تمہارے بھائی ہیں۔ ان پر دست درازی نہ کرو، بصورت دیگر ان سے کوئی رعایت نہ ہوگی۔ البتہ دو قسم کے لوگوں سے تم تعرض نہ کرو:

۱- وہ منافق جو ایسے غیر مسلموں کے ہاں رہائش پذیر ہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے، وہ تمہارے عہد و پیمان میں ہونے کی وجہ سے امن میں ہیں، ایسے منافقوں کو سر دست قتل نہ کرو، کیونکہ یہ بھی بالواسطہ تمہاری پناہ میں آ گئے۔

۲- ایسے لوگ جو نہ تو تم سے دست و گریبان ہونا چاہتے ہیں اور نہ ہی اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ غیر جانبدار ہو کر تم سے صلح چاہتے ہیں اور اس صلح پر وہ قائم بھی ہیں تو انہیں بھی قتل نہ کرو، بلکہ ان کی صلح جوئی کو اللہ تعالیٰ کا احسان جانو کہ اس نے تمہیں ان لوگوں سے بچا لیا۔ اگر ربّ چاہتا تو یہ بھی تم پر مسلط ہو جاتے۔ لہٰذا ان کی صلح سے فائدہ اٹھاؤ۔

مذکورہ بالا دو جماعتوں کے علاوہ ایک اور جماعت بھی ہے جو تم سے صلح کا عہد و پیمان کرتے ہیں، لیکن جب اپنی قوم کا پلڑا بھاری دیکھتے ہیں تو عہد و میثاق کو توڑ کر اپنی قوم کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کوئی رعایت نہ دو، بلکہ انہیں جہاں پاؤ، قتل کرو۔ ان لوگوں نے عہد شکنی سے خود ہی اپنے خلاف حجت قائم کر دی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ

اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ مِنْ

قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا

فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۵:۔قتل کی مختلف صورتیں اور اَحکام

احکام سلطانی میں سے پانچویں دفعہ کو بیان کیا جا رہا ہے، جس میں قتل سے متعلق چند ہدایات دی گئی ہیں۔

پہلی ہدایت: کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان کو ناحق قتل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، قتل ناحق کبیرہ گناہ ہے، البتہ اگر غلطی اور چوک کی وجہ سے نادانستہ طور پر کسی سے کوئی بے گناہ شخص قتل ہو جائے تو اس کے ذمہ شرعی طور پر دو چیزیں لازم ہیں:

۱۔کفّارہ: قتل کا کفّارہ یہ ہے کہ ایک مؤمن غلام کو آزاد کیا جائے اور اگر غلام دستیاب نہ ہوں (جیسے آج کل نہیں ہیں) تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے جائیں۔

۲۔مقتول کے ورثاء کو دیت کی ادائیگی: دیت اگر نقدی کی شکل میں دی جائے تو تیس کلو، چھ سو اٹھارہ گرام چاندی یا چار کلو تین سو چوہتر گرام سونا دینا لازم ہیں، اور اگر دیت میں اونٹ دیے جائیں تو سو اونٹ دینا لازم ہیں، جن کی تفصیل کتب فقہ میں درج ہے۔ اگر مقتول کا کوئی وارث یا تمام ورثاء دیت معاف کرنا چاہیں تو انہیں اس کا اختیار ہے۔

واضح رہے کہ کفّارہ، قاتل کو خود ادا کرنا پڑتا ہے، جبکہ دیت قاتل کے عاقلہ (اہل نصرت یعنی خاندان وغیرہ) پر آتی ہے۔

دوسری ہدایت: اگر مقتول (جو غلطی یا چوک کی وجہ سے قتل ہوا ہے) حربی ہو اور دار الحرب میں ہی رہتا ہو، لیکن مؤمن ہو، تو اس صورت میں صرف کفّارہ یعنی ایک غلام آزاد کرنا واجب ہوگا۔

تیسری ہدایت: اگر مقتول (جو غلطی یا چوک کی بنا پر قتل ہوا) ذمی یا مستامن ہو، یعنی ویزہ لے کر ہمارے ملک میں آیا ہو، تو اس صورت میں دیت بھی لازم ہوگی، جو اس مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی، اور کفّارہ ادا کرنا بھی لازم ہوگا۔

قتلِ ناحق کی سنگینی

مندرجہ بالا آیات میں سے آخری آیت میں اللہ ربّ العزّت نے قتل عمد یعنی اگر کسی نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا ہو، کی اخروی سزا بیان فرمائی ہے کہ ایسا شخص جو کسی مؤمن کو جان بوجھ کر ناحق قتل کرے تو وہ اللہ ربّ العزّت کے غضب اور لعنت کا مستحق ہوگا اور قیامت میں اس کا ٹھکانا جہنّم ہوگا، جہاں وہ عرصہ دراز تک رہے گا، اور اگر کوئی شخص مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنّم کی آگ میں جلے گا۔

واضح رہے کہ قتل عمد کی دنیوی سزا کا ذکر یہاں نہیں ہے، بلکہ وہ سورۃ البقرہ میں ذکر کی جا چکی ہے، اور وہ سزا قصاص ہے، یعنی جان بوجھ کر قتل کرنے والے شخص کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

دفعہ نمبر ۶:- جس کے مسلمان ہونے کا اِحتمال ہو، اسے قتل کرنا جائز نہیں

گزشتہ آیات میں مؤمن کو قتل کرنے سے سختی سے منع کیا گیا تھا، اس آیت میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ کسی کے مؤمن کے لیے اس کا ظاہری طور پر مسلمان ہونے کا اقرار کرنا کافی ہے، جو شخص اسلام کا اظہار کرے اس کو قتل کرنا کسی بھی صورت درست نہیں ہے۔ اس آیت کے پس منظر میں متعدد واقعات ذکر کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجاہدین کا ایک دستہ بھیجا، جن میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب وہ موقع پر پہنچے تو سب لوگ بھاگ گئے، صرف ایک شخص رہ گیا، جس کے پاس بہت مال تھا، اس نے صحابہ کرام کے سامنے کلمہ پڑھ لیا، مگر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ کر کہ دل سے نہیں کہا، بلکہ اپنی جان و مال بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے، اس کو قتل کر دیا، جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو بلا کر سخت تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب کلمہ تمہارے مقابلہ میں دعویدار ہوگا تو تم کیا جواب دو گے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ جب کہیں سفر میں ہو تو اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو، اور کسی ایسے شخص کو جو تمہیں سلام کرے، یہ نہ کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو، تم بھی تو قبول اسلام سے پہلے ایسے ہی تھے، پھر اللہ ربّ العزّت نے تم پر احسان کیا، تمہیں اسلام کی توفیق دی اور کفّار کے نرغے سے نجات دی، لہٰذا آئندہ ایسا کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیا کرو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۷:- خاص حالات میں ہجرت کی ترغیب

مذکورہ بالا آیت میں مکہ مکرمہ کے کلمہ گو باسیوں کو جانب مدینہ ہجرت کی ترغیب اور حکم دیا جارہا ہے۔ یاد رہے کہ فتح مکہ سے قبل اہل اسلام کے لیے مدینہ منورہ ہجرت کرنا فرض تھا۔ تارک ہجرت کا اسلام قبول نہ تھا، کیونکہ ایک طرف تو مکہ وگرد ونواح میں رہ کر احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا ممکن نہ تھا۔ دوسری جانب جمعیت کا استحکام اور اہل اسلام کی قوت کا اجتماع بھی ضروری تھا۔ اس بنا پر ہجرت لازم قرار دے دی گئی تھی۔ اسی لیے آیت میں تارکین ہجرت کو ظالم یعنی گناہگار قرار دے دیا گیا۔

قرآنی اصطلاح میں ہر گناہ ظلم اور گناہگار ظالم کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ ہر گناہ درحقیقت اپنے ساتھ ہی زیادتی ہے، گویا گناہگار اپنے اوپر ہی ظلم کرتا ہے۔ ایسے لوگ جنہوں نے ہجرت نہ کرکے اپنے آپ پر ظلم کیا بوقت موت ان سے فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ وہ جواباً کہتے ہیں کہ ہم کمزور اور ضعیف تھے، ہجرت کی قوت نہ رکھتے تھے۔ تب فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کرتے؟ یہی لوگ دوزخی ہیں اور دوزخ برا انجام ہے۔

اہل علم فرماتے ہیں کہ آج بھی اگر کسی علاقے میں سکونت پذیر ہو کر احکام اسلام پر عمل پیرا ہونا ممکن نہ ہو تو ایسے علاقے کو خیرباد کہہ کر، کسی بھی ایسے علاقے کی جانب ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے، جہاں آزادی کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل کیا جاسکے۔ ہجرت کبھی تو دارالکفر سے دارالاسلام کی جانب ہوتی ہے، جیسے عہد نبوت کی ابتدا میں مکہ دارالکفر تھا اور مدینہ دارالاسلام بن گیا، چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تھی۔ کبھی ہجرت دارالفساد سے دارالامن کی جانب ہوا کرتی ہے، جیسے صحابہ کرام نے مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔

ترک ہجرت کی مذکورہ بالا وعید ان مسلمانوں کے لیے ہے، جو قدرت کے باوجود تارک ہجرت ہوں۔ البتہ جو لوگ معذور و مجبور ہوں یا کمزور و ناتواں ہوں یا ایسی خواتین اور چھوٹے بچے جو ہجرت کی تدبیر نہ کرسکیں اور راستے سے واقف نہ ہوں یا دوسرے ملک میں ویزے وغیرہ کے مسائل ہوں، تو ایسے لوگوں کو ہجرت کے حکم سے معافی اور استثنیٰ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف و درگزر فرمانے والے ہیں۔

آخر ہجرت میں کیا رُکاوٹ ہے؟

آیت نمبر ۱۰۰ میں ہجرت کے لیے تین موانع کا ازالہ کیا جارہا ہے۔ عموماً تین قسم کے خدشات کی وجہ سے ہجرت کو ترک کیا جاتا ہے:

۱- جہاں ہجرت کر کے جائیں گے، کیا معلوم وہاں سکونت ملے یا نہ ملے؟

۲- نئی جگہ اور مقام پر روزگار کا کیا ہوگا؟

۳۔ خدانخواستہ سفرِ ہجرت میں موت واقع ہو جائے تو گھر سے بھی گئے اور ہجرت کی تکمیل بھی نہ ہوئی۔ کہیں اجر سے محروم تو نہیں ہو گئے؟

''سفر وسیلۂ ظفر''

حق تعالیٰ نے ان تینوں موانع اور رکاوٹوں کا ازالہ فرمایا ہے۔ پہلی رکاوٹ کے بارے میں فرمایا جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے زمین میں جگہ وٹھکانہ بھی عطا ہوگا اور سکونت ورہائش بھی۔ دوسرے خطرے کا ازالہ ''سعۃ'' کے لفظ سے فرمایا کہ ہجرت کرنے والے کو حق تعالیٰ کی جانب سے وسعت ورزق بھی عطا ہوگا۔ تیسرے خطرے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض راستے میں کسی کی موت واقع ہو گئی تو اگرچہ ہجرت کا عمل مکمل نہ ہو، تاہم اسے حق تعالیٰ پورے عمل ہجرت کا اجر وثواب عطا فرمائیں گے اور ساتھ مغفرت ورحمت سے بھی نوازیں گے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ حج وعمرہ اور جہاد پر جانے والے ایسے عازمین، جن کی راستے میں موت واقع ہو جائے، ان کے لیے بھی حج وعمرہ اور جہاد کا پورا پورا اجر ملنے کا اعلان فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ ہجرت مدینہ کا حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گیا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''لا ھجرۃ بعد الفتح'' یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی۔ (صحیح بخاری: ۱/ ۲۸)

گناہوں سے ہجرت اب بھی ضروری ہے!

ہجرت ظاہرہ یعنی ترکِ وطن کا حکم تو اب بوقت ضرورت ہوگا۔ البتہ ہجرت باطنہ یعنی ترکِ ذنوب (گناہوں کو چھوڑنا) کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیغ انداز میں یوں بیان فرمایا ہے: ''المھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ'' یعنی مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۷/ ۴۹۹) ظاہر ہے کہ یہ حکم ہر مسلمان کے لیے ہر زمانہ میں ہر مقام پر قائم ہے۔ خلاصہ کلام اینکہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ **ہجرتِ ظاہرہ**: دین واسلام کی خاطر ترکِ وطن کرنا۔
۲۔ **ہجرتِ باطنہ**: گناہ اور اللہ کی نافرمانی کو ترک کرنا۔

پہلا حکم بوقت ضرورت ہے، یعنی جب کسی مقام پر رہتے ہوئے شریعت پر عمل کرنا ممکن نہ ہو یا جان وایمان کا خطرہ ہو تب وطن چھوڑنا ہوگا، جبکہ دوسرا حکم ہر مسلمان مرد وزن کے لیے ہمہ وقت ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ۝ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ
مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ
يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ

وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم
مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمُ
الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا
تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

دفعہ نمبر ۸:۔سفر اور خوف کی نماز کے اَحکام

اس دفعہ میں اللہ ربّ العزّت نے حالت سفر اور حالت خوف یعنی جنگ وغیرہ کی حالت میں نماز پڑھنے کے احکام ذکر فرمائے ہیں۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔سفر سے متعلّق احکامِ صلوٰۃ کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ سفر جو تین منزل ہو یعنی اڑتالیس میل یا تقریباً ۷۸ کلومیٹر کا ہو، اس سفر میں اپنے شہر سے نکلتے ہی سفر کے آغاز سے واپس شہر آنے تک ظہر، عصر اور عشاء کی نماز بجائے چار رکعتوں کے دو رکعت فرض رہ جاتی ہے، اس تخفیف کو قصر کہا جاتا ہے، ایسے ہی اگر مذکورہ بالا مسافت پر کسی مقام میں پندرہ روز سے کم قیام کی نیت ہو تب بھی نماز میں یہ رعایت حاصل ہوتی ہے۔ ہر چند کہ یہ تخفیف و رعایت سفر کی مشقتوں اور صعوبتوں کی وجہ سے مرحمت فرمائی گئی تاہم اب یہ مشقت و صعوبت نہ ہونے کی صورت میں بھی ہر قسم زمینی، فضائی، بحری سفروں میں حاصل ہوگی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفری رعایتی نماز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ھدیہ اور گفٹ قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے ہدیے کو قبول کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ نماز کی اس تخفیف میں سنتیں نفل کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اگر سفر جاری ہو تو سنتیں ترک کی جاسکتی ہیں لیکن اگر سفر میں کہیں اقامت ہو تو فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق سنتیں ادا کر لینی چاہئیں۔

۲۔حالت خوف میں نماز سے متعلّق قانون شریعت یہ ہے کہ حالت جہاد وغیرہ میں اگر غیر معمولی حالات ہوں اور دشمن کا خوف زیادہ ہو جائے، ایک جماعت کے ساتھ اجتماعی طور پر نماز ادا کرنے میں دشمن کے حملہ کر دینے کا خوف ہو تو اس حالت میں بھی نماز ترک نہ کی جائے، بلکہ معمول کے طریقہ سے ہٹ کر مذکورہ بالا آیات اور احادیث نبویہ میں بتائے گئے طریقے سے جماعت کے ساتھ نماز ادا کر لی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی صورتحال غزوۃ ذات الرقاع میں پیش آئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صلوٰۃ الخوف پڑھائی، اس نماز کی تفصیل کتب احادیث وفقہ میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجد کی جانب جہاد کے لیے تشریف لے گئے، اس جہاد کے دوران نماز کا وقت ہوا تو ہم دشمن کے سامنے آ کر صف آراء ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم فرمایا، ایک جماعت کو (نصف نماز) پڑھائی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل رہی، پہلی

جماعت نصف نماز ادا کرنے کے بعد دشمن کے مقابل چلی گئی اور دوسری جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی نصف نماز پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا، یہ لوگ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنی نماز کی تکمیل کی اور دشمن کے مقابل چلے گئے، دوسری جماعت نے آکر اپنی نماز پوری کی۔ (صحیح البخاری: ۱/ ۲۰۰، ابواب صلاۃ الخوف۔ مکتبہ رحمانیہ)

مذکورہ بالا طریقہ کی جانب ہی آیت مذکورہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ علمائے اُمّت کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ صلوٰۃ الخوف اب بھی مشروع ہے۔ اور خوف کی حالت میں امیر لشکر یا اس کا قائم مقام امام اس طرح نماز پڑھائے، اس طریقہ کے مطابق جماعت کے ساتھ سب شرکاء کی نماز بھی ہو جائیگی اور دشمن کو حملہ کا موقع بھی نہیں ملے گا۔

حالت جہاد میں اہل اسلام کو خصوصی طور پر ذکر خداوندی کا بھی حکم دیا گیا، اس سلسلہ میں یہاں بھی ہدایت کی گئی کہ نماز سے فراغت پانے کے بعد بھی ہر حال میں یادِ خداوندی کا فریضہ سرانجام دیتے رہو۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے کسی حال میں ذکر اللہ سے غفلت نہ برتو۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝
وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن
كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ
الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝

دفعہ نمبر ۹: - شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کیجیے

اس دفعہ میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر چند خصوصی احکام عطا فرمائے ہیں۔
ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ پر قرآنِ کریم اس لیے نازل کیا تاکہ آپ اللہ کے دیے ہوئے علم وبصیرت سے لوگوں کے باہمی تنازعات میں فیصلے فرمائیں اور کسی بھی دغاباز کی طرف سے آپ دفاع نہ فرمائیں اور اگر ایسی کوئی صورت پیدا ہوگئی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔ خیانت کرنے والوں کی جانب سے آپ مت جھگڑیے، بلاشبہ اللہ خائن گناہگاروں کو پسند نہیں فرماتے۔

ان آیات کا نزول ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک عمر رسیدہ صحابی حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے ہاں رات کو چوری ہوگئی، چور آٹے کا تھیلہ اور اسلحہ لے گیا۔ آٹا مدینہ منورہ میں ناپید تھا۔ اس صحابیؓ کے عمر کے تقاضے کی وجہ سے آٹا باہر سے منگوایا گیا تھا۔ چور ''بشیر'' نامی ایک منافق تھا جو بظاہر کلمہ گو تھا۔ آٹے کے تھیلے میں سے آٹا راستہ میں گرتا گیا، منافق نے یہ آٹا اور اسلحہ ایک یہودی کے پاس رات کو ہی امانت رکھوا دیے، صبح ہوئی تو حضرت رفاعہ

رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے کو اطلاع دی، وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موقر صحابی ہیں، چنانچہ جب گھر ادیکھا گیا تو ''بشیر'' کے گھر تک جا پہنچا، لیکن تلاشی میں سامان نہ ملا، پوچھ گچھ پر منافق نے یہودی کا نام لے لیا اور سامان بھی یہودی کے گھر سے برآمد ہوا۔ اس بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال ہونے لگا کہ چور یہودی ہی ہے، دوسری جانب ''بشیر'' نامی منافق کے قبیلہ ''بنو ابیرق'' کے لوگوں نے حرم نبوی میں آ کر اپنے فرد ''بشیر'' کی حمایت کی کہ ''بشیر'' بے قصور، جبکہ یہودی قصوروار ہے، لہٰذا سزا یہودی کو دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان بشیر کی بے گناہی اور یہودی کے مجرم ہونے کی طرف ہو گیا تھا، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نتیجہ تک نہ پہنچے تھے کہ مذکورہ بالا آیات کا نزول ہوا جن میں ایک طرف تو ''بشیر'' نامی منافق کا پردہ چاک کر دیا گیا اور یہودی کو بے گناہ قرار دینے کی جانب اشارہ ہوا، دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ آپ حق تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ علم ودانش سے فیصلہ فرمایا کریں، محض ظاہر اور عوامی رائے عامہ سے فیصلہ نہ کریں! اور نہ ہی کسی خائن کا دفاع کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی ''بنو ابیرق'' کو تنبیہ کی گئی کہ محض قبائلی اور خاندانی اشتراک کی وجہ سے کسی کا دفاع کرنا مناسب نہیں اور نہ ہی ایسے شخص (جو خیانت کا مرتکب ہوا ہے) کی وکالت کرنا روا ہے۔ چنانچہ ''بشیر'' نامی چور پردہ چاک ہونے کے بعد سزا کے خوف سے مدینہ منورہ سے راہ فرار اختیار کر کے مکہ مکرمہ چلا گیا اور دل کے کفر کو زبان پہ لا کر اعلانِ ارتداد کیا اور وہیں حالتِ کفر میں مر گیا۔

مذکورہ بالا آیات سے چند مسائل معلوم ہوئے:

۱۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام اولی الامر کو پابند بنایا گیا ہے کہ لوگوں کے باہمی تنازعات اور جھگڑوں میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں، سنت وشریعت کا یہ فیصلہ دراصل قرآن ہی کا فیصلہ ہوگا اور نزولِ قرآن کی غرض اصلی یہ بھی ہے کہ قرآنی اصول وضوابط اور سنت وشریعت کے مطابق نجی، انفرادی، اجتماعی، عدالتی، معاشی اور معاشرتی معاملات چلائے جائیں۔

۲۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ کریم کے ساتھ ایک خاص علم بھی عطاء فرمایا تھا، جسے سنّت وحدیث یا وحی غیر متلو سے تعبیر کرتے ہیں، یہ حقیقت ''بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ'' سے معلوم ہوتی ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص علوم عطا کیے گئے تھے، بلا شبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اولین وآخرین کے علم سے زیادہ اور کامل ہے، بایں ہمہ غیب دان ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے، اگر کوئی دیگر شخصیت ''عالم الغیب'' ہوتی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان اس موقع پر ''بشیر'' (جو ظاہری طور پر مسلمان تھا) کی جانب قطعی طور پر نہ ہوتا۔

۴۔ جس شخص کے متعلق یقین ہو کہ وہ مقدمہ میں ناحق ہے، اس کی حمایت و وکالت جائز نہیں، اس ناجائز حمایت کے ساتھ ملزم کو دنیا میں فائدہ پہنچانے والا شخص آخرت میں خود مجرم بن کر عذابِ خداوندی سے محفوظ نہیں رہ سکے گا، غلط جانتے ہوئے ملزم کو نفع پہنچانا اپنے لیے عذاب آخرت لینے کے مترادف ہوگا۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

سرگوشیوں سے متعلق ہدایت

مذکورہ بالا آیات کا تعلق گزشتہ آیات میں مذکور واقعہ سے ہے کہ ایک منافق نے چوری کے جرم کا ارتکاب کیا اور ایک غیر مسلم کو ناجائز پھنسانے کی کوشش کی، نیز اپنی چرب لسانی، قوم وقبیلہ کے زور سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متاثر کرنے کی کوشش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی جانب سے فوراً تنبہ ہوا اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے اس کی حقیقت واضح ہوگئی۔ اس سارے عمل میں مجرم کی سرگوشیوں کا دخل تھا، نیز منافقین کی عام عادت تھی، وہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشیاں کرنے کی کوشش کرتے، آپس میں بھی کانا پھوسی کرتے اور دوسروں کو تشکیک وتشویش میں مبتلا کرتے۔ منافقین کی ان باہمی سرگوشیوں میں لوگوں کی غیبت، عیب جوئی، ناجائز شکایات شامل ہوتیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرکے اپنا اعتماد لوگوں میں ظاہر کرتے۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس عمل کی مذمت فرمائی کہ ان باہمی سرگوشیوں کے ذریعے باتوں کو بلاوجہ چھپانے میں کوئی بھلائی نہیں۔ سچی باتیں چھپائی نہیں جاتیں، انہیں تو کھولا اور بیان کیا جاتا ہے، البتہ چھپانے کی تو درج ذیل اشیاء ہیں:

۱۔ صدقہ وخیرات کی بات قابل اخفاء ہے، تاکہ ضرورت مند کو شرمندگی اور ندامت نہ ہو، اس کی عزتِ نفس و خودداری کو متاثر کئے بغیر اس کی ضرورت کو پورا کردیا جائے۔

۲۔ کسی ناواقف ونادان کو غلطی سے بچائے تو خاموشی کے ساتھ، تاکہ اسے کسی قسم کی ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ ایسے شخص کو شرمندگی سے بچانے کیلئے صحیح صورت حال سے آگاہ کردے، صحیح راہنمائی کرے یا غلطی کی درستی کرادے۔

۳۔ باہم متحارب ومتنازع فریقوں میں صلح کرانے کے لئے انہیں قریب لانے اور ان کی نفرتوں کو محبتوں میں بدلنے کے لئے فریقین سے الگ الگ خفیہ طور پر بات کرنا، انہیں سمجھانا بجھانا، ان کی نفرتوں کے خاتمے کے لئے توریہ تک کرنا جائز ہے، یہ سب امور اخفاء وپوشیدگی کے ساتھ سرانجام دیے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا امور جو شخص رضائے الٰہی کے لیے سرانجام دے گا، اسے حق تعالیٰ اجر عظیم سے نوازیں گے، بشرطیکہ ان اعمال میں ریاکاری، شہرت یا دنیوی غرض کو دخل نہ ہو۔

دِین کے اہم مآخذ

امرِ حق کے واضح ہوجانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کوئی معنی نہیں رکھتی، جو شخص حق کھل جانے کے بعد اس معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے متفقہ راستے کو چھوڑ کر اپنی نئی راہ

اپنائے، اسے اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ گمراہ فرماتے ہیں، بلکہ اسے دوزخ میں ڈالتے ہیں، اس کا مقام و مستقر نہایت ہی بُرا ہوتا ہے۔ آیت نمبر ۱۱۵ سے دین کے چار اصولوں میں سے دو اصول واضح ہوئے:

۱۔ سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۲۔ اِجماعِ اُمّت۔

اُمّت کے علماء کا جس مسئلہ پر اجماع و اتفاق ہو جائے تو وہ امر حکمِ شرعی بن جاتا ہے، اس آیت کی رو سے اجماع سے روگردانی سُنّت سے روگردانی کی طرح راہِ جہنّم اور ضلالت ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ“ بے شک اللہ ربّ العزّت میری اُمّت۔ یا فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمّت۔ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اور اللہ ربّ العزّت کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے، اور جو کوئی الگ ہوا وہ الگ ہوا جہنّم کی طرف۔“ (جامع ترمذی: ۲۱۶۷)

فائدہ: - دین کے دیگر دو اُصولوں میں کتاب اللہ اور قیاس شرعی شامل ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝
إِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُوْنَ إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ
نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ
خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا
يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ۝ أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝

”شرک“ کی معافی نہیں ہو سکتی!

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ربّ العزّت شرک کے جرم کو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، (اسی میں کُفر بھی شامل ہے کہ اس کی بھی معافی نہیں ہے) اس کے علاوہ جس جرم اور گناہ کو چاہیں گے، معاف فرما دیں گے۔

شیطان کا طریقِ واردات

اس کے بعد مشرکین کے شرکیہ افعال کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ ربّ العزّت کو چھوڑ کر چند زنانہ چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور شیطان کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ اللہ ربّ العزّت نے شیطان کو راندہ درگاہ بنا دیا ہے اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، اس کی دشمنی کا عالم یہ ہے کہ جب پروردگارِ عالم نے اسے راندہ درگاہ کرنے کا فیصلہ سنایا تو بجائے معافی مانگنے کے اس نے کہا کہ میں ضرور آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا اور ان میں سے بعض کو اپنی اطاعت پر لگاؤں گا، انہیں آرزوئیں دلاؤں گا، جس سے ان کے دلوں میں گناہ کا ڈر ختم ہو جائے گا اور وہ بے خوف ہو کر گناہوں پر جری ہو جائیں گے، اور میں انہیں شرکیہ اعمال کرنے کی تعلیم دوں گا، جس سے

وہ بتوں کے نام پر جانوروں کے کان تراشا کریں گے اور اللہ ربّ العزّت کی بنائی ہوئی صورتیں بگاڑا کریں گے، جیسا کہ آج کل اس کا مشاہدہ عام ہے، مردوں کا داڑھی منڈوانا، عورتوں کا ابرو ترشوانا، بدن گدوانا وغیرہ اسی میں شامل ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو اللہ ربّ العزّت کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت کرے گا، ان سب کا ٹھکانا جہنّم ہے، جس سے وہ بچ نہیں سکیں گے۔

اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور شیطان کی اطاعت کرنے کے بجائے اللہ ربّ العزّت کے احکام کی پاسداری کرتے رہے، انہیں اللہ ربّ العزّت ایسی جنتیں اور باغات عطا فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ ربّ العزّت کا ان سے وعدہ ہے اور اللہ ربّ العزّت سے زیادہ بات کا سچا اور وعدے کا پکا بھلا کون ہو سکتا ہے؟

ان آیات میں شرک کرنے کو شیطان کی پوجا کرنا بتایا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مادہ جنس کی پوجا کرتے ہیں۔ ایک تو اس وجہ سے کہ مشرکین کے عقیدہ کے مطابق نعوذ باللہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور یہ فرشتوں کی پوجا کو روا سمجھتے تھے، اور دوسرا اس وجہ سے کہ ان کے نظریات کے مطابق ان کے مشہور بت لات، منات اور عزّیٰ مؤنث تھے، اس لیے فرمایا گیا کہ یہ لوگ مؤنث کی پوجا کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ ہی اولاد، وہی تنہا مستحق عبادت ہے۔

شیطان کا طریق واردات گمراہ کرنا اور لوگوں کو جھوٹی امیدیں اور آرزوئیں دلانا ہے، جیسے آج کل لوگ خواہ مخواہ کی آرزوؤں میں ہوتے ہیں، مثلاً ہمیں روزِ محشر فلاں نجات دلائے گا، اللہ تعالیٰ رحیم ہے، گناہوں سے کچھ نہیں ہوتا وغیرہ، اس کے علاوہ شرکیہ رسمیں مثلاً جانوروں کے کان کاٹنا، کسی شخصیت کے نام پر بھی شیطانی عمل ہے، آج کل بہت سے لوگ درباروں پر ملنگ بن کر کان چھدوا کر کانوں میں رنگ، ہاتھوں میں کڑے پہنے ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی میں شامل ہیں۔ اسی طرح لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ شکل تبدیل کروانا بھی شیطانی واردات ہے، اس میں مردوں کا عورتوں کی شکل اختیار کرنا عورتوں کا مردوں کی شکل اختیار کرنا، جنس تبدیل کرنا وغیرہ سب شامل ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا
تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى
بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا
تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا
يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝

اِشکالات کے جوابات

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور خواتین کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہدایات ذکر فرمائی تھیں، جب وہ ہدایات نازل ہوئیں اور عورتوں کو میراث میں حصہ دار قرار دیا تو بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ شاید یہ احکام عارضی نوعیت کے ہیں اور کسی وقت منسوخ ہو جائیں گے، لیکن جب یہ حکم منسوخ نہیں ہوئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا، اسی طرح یتیم بچیوں کے حقوق سن کر لوگ یتیم بچیوں سے شادی کرنے سے ڈرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ احکام عارضی نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لیے ہیں۔

اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ آپ سے عورتوں کے متعلق سوال پوچھتے ہیں، آپ ان سے فرما دیجیے کہ اللہ ربّ العزّت اور اس کا نازل کردہ قرآن تمہیں عورتوں کے متعلق ہدایات دیتے ہیں (جو کہ اس سورت کے آغاز میں گزر چکی ہیں)، جن عورتوں کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے اور ان سے نکاح کرنا بھی چاہتے ہو، ان کے بارے میں بھی اللہ ربّ العزّت تمہیں حسن سلوک کرنے اور ظلم سے باز رہنے کی تلقین فرماتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی یتیم لڑکی اپنے چچازاد کی سرپرستی میں ہوتی اور وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی زیادہ ہوتا، تو وہ چچازاد اس کے بالغ ہونے پر خود اس سے نکاح کر لیتا تا کہ اس کے مال پر قبضہ کر سکے، لیکن اسے مہر اتنا نہیں دیتا تھا جتنا اس جیسی لڑکی کو دینا چاہیے، اور اگر وہ لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو نہ خود اس سے نکاح کرتا اور نہ کسی اور سے اس کا نکاح کرتا تھا تا کہ اس کا مال ہاتھ سے نہ چلا جائے، اسی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

میاں بیوی میں اختلاف کا حل

۲۔سورت میں پہلے بھی میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں اس کا حل نکالنے اور خاندان کے بڑوں کو معاملہ سلجھانے کی تلقین کی گئی تھی، اب یہاں اسی سلسلہ میں ایک مزید ہدایت دی جا رہی ہے، ارشاد فرمایا کہ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو، تو انہیں چاہیے کہ باہمی اتفاق کی کوئی بھی صورت اپنا کر صلح کر لیں۔ اور اس کے لیے اگر ان میں سے کسی کو اپنے کسی حق سے دستبردار ہونا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں، مثلاً بیوی شوہر سے کہے کہ میں اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کروں گی، آپ مجھے اپنے نکاح سے نہ نکالیں، ایسی صورت میں خاوند کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائے اور طلاق پر اصرار نہ کرے، کیونکہ مصالحت کا رویہ ہی بہتر ہے۔ اگر کوئی شخص ان ہدایات پر عمل کر کے بیوی سے نباہ کی کوشش کرے اور اللہ ربّ العزّت سے ڈرتے ہوئے اس کے حقوق ادا کرتا رہے تو یہ اس کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کا ذریعہ ہوگا۔

البتہ اگر مصالحت کی تمام کوششوں کے باوجود نباہ کی کوئی صورت سامنے نہ آئے، تو ایسی صورت میں اس رشتہ کو ان دونوں پر تھوپے رکھنا ان کی زندگی کو اجیرن بنا سکتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں طلاق اور علیحدگی کا راستہ اختیار کرنا بھی جائز ہے،

اور اگر یہ جدائی اور علیحدگی خوش اسلوبی سے عمل میں آجائے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لیے ایسے راستے پیدا فرما دیتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ (حاشیہ آسان ترجمہ قرآن)

غیر اختیاری چیزوں پر مؤاخذہ نہیں ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک سے زائد شادیوں کی اجازت اس وقت ہے کہ جب تمام بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کمی اور کسر نہ رہے، اگر کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ ایک سے زائد شادیوں کی صورت میں ان بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں انصاف نہیں کر سکے گا تو اس کے لیے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت نہیں ہے۔

اس آیت میں اسی حکم سے متعلق مزید تفصیل بیان کی گئی ہے کہ وہ حکم بیویوں کے ظاہری حقوق کے متعلق تھا، جہاں تک رہا کسی ایک بیوی سے قلبی تعلق، محبت اور لگاؤ کا دوسری بیویوں سے زیادہ ہونا! تو اس کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے، انسان اگر چاہے بھی کہ تمام بیویوں سے ایک جیسی محبت رکھے تو یہ اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اس پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ کیونکہ مؤاخذہ ان چیزوں پر ہوتا ہے جو انسان کے اختیار میں ہوں، غیر اختیاری چیزوں پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بیویوں کے ظاہری حقوق میں کسی قسم کی کمی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے، ایسا نہ ہو کہ ایک بیوی سے قلبی تعلق زیادہ ہونے کی وجہ سے دوسری بیویوں کو یکسر فراموش کر دے، ایسا کرنا شریعت کے احکام کے خلاف ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اختیاری چیزوں میں بیویوں میں انصاف فرماتے اور غیر اختیاری چیز یعنی محبت کے متعلق یوں دُعا فرماتے: ''اللھم ھذا قسمی فیما املک ولا تؤاخذنی فیما لا املک'' یا اللہ! یہ میری اختیاری معاملات میں تقسیم ہے، آپ مجھ سے غیر اختیاری معاملہ میں مؤاخذہ نہ فرمایئے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۳۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ''من احب الناس الیک؟'' سب لوگوں میں آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عائشہ!'' پھر سوال کیا گیا کہ مردوں میں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا والد، یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ (سنن ترمذی: ۳۸۳۶)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

گواہی دینے میں انصاف سے کام لو!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ عدل وانصاف پر قائم رہو اور ہمیشہ سچی گواہی دو، اور جو چیزیں سچی گواہی یا عدل وانصاف قائم کرنے میں رکاوٹ ہو سکتی ہیں، ان کو خاطر میں نہ لاؤ، لہٰذا اگرچہ

گواہی تمہارے اپنے خلاف، ماں باپ یا رشتہ داروں کے خلاف ہی دینی پڑے، اس میں غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام نہ لو، اسی طرح گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ یہ امیر ہے اس کو نفع پہنچانا چاہیے، یا یہ غریب ہے اس کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت کو ان دونوں کے ساتھ زیادہ تعلق ہے، اور باوجود اس تعلق کے باری تعالیٰ عدل وانصاف کا حکم دے رہے ہیں تو تمہیں بھی اسی کا پاس رکھنا چاہیے۔ اگر تم گواہی کے معاملہ میں ان ہدایات پر عمل نہیں کرو گے تو اللہ ربّ العزّت تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے، وہ خود تم سے حساب لیں گے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًاۨ ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝

عزّتوں کا مالک صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے منافقین کے چند غلط اعمال ذکر فرما کر انہیں تنبیہ فرمائی ہے اور ان اعمال کا وبال اور انجام ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ منافقین کا دوغلا پن یہ ہے کہ وہ بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود قلبی تعلق اور دوستی مؤمنین کو چھوڑ کر کُفّار کے ساتھ لگاتے ہیں، اور اس سے ان کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ جس طرح ان کُفّار ومشرکین کو دنیوی طور پر شان وشوکت حاصل ہے تو ہمیں بھی ان کے ساتھ رہ کر عزت اور شوکت مل جائے گی، اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس لغو خیال کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ ان کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں جن کے پاس خود عزت نہیں، عزتوں کا مالک تو اللہ ربّ العزّت کی ذات والا صفات ہے، سو اگر کوئی عزت کا طالب ہے تو اسے پروردگارِ عالم سے رجوع کرنا چاہیے، اس پاک ذات کو ناراض کر کے اس کے دشمنوں سے عزت کی امید رکھنا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ۙ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًاۙ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

منافقین کی علامات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے منافقین کے چند اعمال اور ان کی علامات بیان فرمائی ہیں، تاکہ اہلِ ایمان ان اعمال سے اجتناب کرنے کی کوشش کریں، وہ علامات درج ذیل ہیں:

۱۔منافقین اللہ تعالیٰ سے فریب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی فریب نہیں کر سکتا، دھوکا بے خبر کو دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہیں۔ اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں، ان کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں جبکہ دل میں کُفر پال رکھا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ فریب کو اپنے ساتھ فریب قرار دیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکا دہی کی سزا ضرور دیں گے، وہ غافل نہ رہیں۔

۲۔منافقین نماز سستی اور غفلت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، کیونکہ ان کے دل میں ایمان ہی نہیں ہے، جس کی وجہ سے نماز کی قدر و منزلت سے بھی ان کے دل خالی ہیں، جس کی وجہ سے وہ یا تو نماز پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھیں تو سستی سے وقت گزار کر پڑھتے ہیں، یہ منافقین کا طرزِ عمل ہے، مسلمانوں کو اس سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً بیماری یا نیند کی وجہ سے نماز رہ جائے تو اس کا حکم الگ ہے۔

۳۔منافقین ریاکار ہوتے ہیں، یا تو نماز پڑھتے ہی نہیں، اور اگر پڑھیں بھی تو سستی کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھتے ہیں، اللہ رَبّ العزّت کی رضا مقصود نہیں ہوتی، انہیں نمازوں میں آتے ہیں جن میں مسلمان ان کو دیکھیں، عشاء اور فجر میں چونکہ اندھیرا ہوتا ہے، اس لیے یہ غائب رہتے ہیں، یہ دو نمازیں ان پر بہت بھاری ہیں۔

۴۔منافقین کے دل اللہ رَبّ العزّت کی یاد سے خالی ہوتے ہیں، اور ان کی زبانیں بھی ذکرِ خداوندی سے محروم ہوتی ہیں۔

۵۔منافق کبھی مسلمانوں کے پاس آتے ہیں، کبھی کافروں کے پاس جاتے ہیں، وہ نہ ادھر کے نہ اُدھر کے، دونوں کے درمیان آوارہ جانور کی طرح مذبذب رہتے ہیں، ادھر بھی بنائے رکھنی، ادھر کو بھی لگائے ہوئے ہیں۔ ان کی یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی استعداد کی خرابی کی وجہ سے راہِ راست سے ان کو بہکا دیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ بے راہ کر دیں، اس کو راہِ راست پر لانے کا کوئی طریقہ کارآمد نہیں ہوتا۔

اس کے بعد اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم ایسے کافروں سے دوستیاں نہ لگاؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ ان سے دوستی کر کے اپنے مجرم ہونے پر حجت قائم کر لو جس کے نتیجے میں تمہارا انجام بھی وہی ہو جو ان کا ہوگا۔ ان کا انجام تو یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے، اور کوئی ان کی شنوائی کرنے والا نہیں ہوگا، ہاں اگر یہ اسی زندگی میں توبہ کر لیں اور اپنے عقیدے اور اعمال کی اصلاح کر لیں اور اللہ رَبّ العزّت کی دی ہوئی شریعت کو مضبوطی سے تھام لیں اور اخلاص کے ساتھ شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہو جائیں تو اللہ رَبّ العزّت انہیں بھی اہلِ ایمان کے ساتھ شامل فرما لیں گے، اور انہیں بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے، اگر یہ ایمان لے آئیں اور حق شناس بندے بن کر باری تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کریں تو اللہ رَبّ العزّت انہیں عذاب دے کر کیا کریں گے، اللہ رَبّ العزّت تو بہت قدردان ہیں۔

پارہ نمبر ٦

یہ پارہ سورۂ نساء کے بقیہ حصے اور سورۂ مائدہ کے بیشتر حصے پر مشتمل ہے

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ
اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ
اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

کسی کی پردہ دری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ترغیب و ترہیب کے انداز میں دنیا سے ظلم و جور مٹانے کا قانون ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی کو کسی کا کوئی عیب معلوم ہو جائے تو اس کا افشاء نہیں کرنا چاہیے، بری بات کا زبان پر لانا بھی برا ہے، البتہ مظلوم مستثنیٰ ہے، اگر کسی پر کوئی ظلم ہوا ہو تو اسے اس بات کی اجازت ہے کہ حاکم یا قاضی کے پاس ظلم کی شکایت کرے، عدالت میں چارہ جوئی کرے، البتہ اگر مظلوم عفو و درگزر سے کام لے تو وہ رحمت الٰہی کا مستحق ہوگا۔

میڈیا کا منفی کردار

افسوس کہ آج فحاشی، عریانی، بدکاری، قتل و سفاکیت اور ہر قسم کی برائیوں کو ذرائع ابلاغ پر مرچ مصالحے لگا کر پیش کیا جاتا ہے اور ویڈیوز اپ لوڈ کی جاتی ہیں، دوسروں کو بلیک میل کیا جاتا ہے، مغربی خوشنودی کے لیے دیندار طبقے کی کمزوریوں کو اچھالا جاتا ہے، یہ سب منفی کردار ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ البتہ مظلوم کی دادرسی کے لیے متعلقہ فورم اور اداروں کے سامنے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو بیان کر سکتا ہے، مثلاً تھانہ، عدالت وغیرہ، لیکن برائی کی تشہیر مناسب نہیں ہے۔

اس قانون کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ منافقوں کے نام مشہور نہ کریں، کسی کی برملا برائی کرنے میں اندیشہ ہے کہ وہ بگڑ جائے، بے باک ہو کر کھلا مخالف بن جائے، اس لیے عام پیرایہ میں نصیحت کرنی چاہیے، یا تنہائی میں نصیحت کی جائے، اس میں اصلاح کی زیادہ امید ہے۔

رسولوں پر ایمان لائے بغیر نجات ناممکن!

پھر فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانے مگر اس کے رسولوں پر ایمان نہ لائے، یا بعض رسولوں کو مانے بعض کو نہ مانے وہ اللہ کے نزدیک مومن نہیں، بلکہ کھلا کافر ہے، جس کی نجاتِ آخرت کی کوئی راہ نہیں۔

دورِ حاضر کے بعض متجددین، بعض قرآنی آیات کا غلط مطلب لیتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ نجات کے لیے توحید

اور قیامت پر ایمان لانا کافی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا کوئی ضروری نہیں، اسی بنیاد پر ان کے نزدیک یہودی، عیسائی، سکھ وغیرہ اگر ایمان باللہ اور ایمان بالقیامت رکھتے ہوں تو وہ بھی جنتی ہوں گے، مذکورہ آیت نے اس نظریہ کی تردید کردی۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور رسولوں کو نہیں مانتے وہ پکے کافر ہیں۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

یہودیوں کا بے جا مطالبہ اور ان کے جرائم کی فہرست

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ایک مطالبہ ذکر فرمایا۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ یہودیوں کے کچھ سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آ کر مطالبہ کیا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہوئی تھی، اسی طرح کی ایک کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آسمان سے لائیں، تو ہم ایمان لائیں گے، ان کا مطالبہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ دل سے ایمان لانا چاہتے تھے، بلکہ وہ ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے یہ مطالبہ کررہے تھے، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتِ حال سے آگاہ فرمایا اور آپ کو تسلی دی کہ یہ اس قوم کا وطیرہ ہے کہ یہ اللہ ربّ العزّت کے رسولوں کو ستاتی ہی رہتی ہے، ان کے آباؤ اجداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں اللہ ربّ العزّت کی ذات کو کھلم کھلا دکھایا جائے، ان کی اس گستاخی پر آسمان سے بجلی آئی اور ان سب کو ہلاک کردیا، ان کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور باری تعالیٰ کی مدد و نصرت کے نمونے دیکھنے کے باوجود بچھڑے کو معبود بنا کر اس کی عبادت کرنے لگ گئے تھے، اس سب کے باوجود ہم نے عفو و درگزر سے کام لیا، اسی طرح ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ان لوگوں نے تورات کو ماننے سے صاف انکار کردیا تھا، جس پر ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کردیا، ان کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ جب شہر کے دروازے میں داخل ہوں تو نہایت عاجزی سے داخل ہونا، ہم نے انہیں یہ بھی حکم دیا تھا کہ ہفتہ کے روز مچھلیوں کا شکار نہ کرنا، انہوں نے ہمارے ان سارے احکام کی خلاف ورزی کی، ہمارے عہد کو توڑ ڈالا، ان کے جرائم کی فہرست بہت لمبی ہے، یہ عادی مجرم ہیں، اس لیے آپ ان کے ان بے جا مطالبات سے کبیدہ خاطر نہ ہوں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝

یہودیوں کے مزید جرائم اور ان کا وبال

گزشتہ آیات میں یہود کے بے جا مطالبات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ان کے جرائم کو ذکر فرمایا، ان آیات میں ان کے مزید جرائم اور ان کا وبال اور نتیجہ ذکر فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہودیوں کے عہد توڑنے، اللہ ربّ العزّت کی آیات کا انکار کرنے، انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے، حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگانے اور اس جیسے دیگر جرائم کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے ان سے قبولِ حق اور ایمان لانے کی صلاحیت اور استعداد سلب کر لی، اس وجہ سے اب ان کی بڑی تعداد ایمان نہیں لا سکے گی، بلکہ ہمیشہ کی گمراہی ان کا مقدر رہو گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی ناکام یہودی سازش

ان کے جرائم کی فہرست گنواتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ کیا، اور وہ آج تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا سولی چڑھانے میں کامیاب نہیں ہو سکے، بلکہ انہیں مغالطہ لگ گیا، اور اس مغالطہ میں انہوں نے اپنے ہی ایک آدمی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں!

یہودیوں کو یہ مغالطہ کیوں پیش آیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کا ارادہ کیا تو انہیں گرفتار کرنے کے لیے گھر پر دھاوا بول دیا، سب سے پہلے "طیطلانوس" یا "شمعون" نامی شخص گھر میں گھسا، اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو آسمان پر اٹھا لیا اور اس شخص کی صورت حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دی، جب باقی لوگ گھر میں گھسے، تو اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر پکڑ لیا، اور جوش، جنون اور جذبات میں اسے قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا، پھر پریشان ہو کر کہنے لگے کہ اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ہمارا آدمی کہاں ہے، اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے، اسی وجہ سے ان میں اختلاف ہو گیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا یا نہیں، جو لوگ قتل کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے، اور آج تک اسی شش و پنج میں مبتلا ہیں۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ لوگ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر سکے اور نہ انہیں سولی چڑھا سکے، بلکہ ان پر معاملہ مشتبہ کر دیا گیا، یہ اس بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں، ان کے پاس سوائے اپنے گمان

پر عمل کرنے کے اور کوئی ٹھوس علمی دلیل نہیں ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل ہی نہیں کیا، یہی یقینی اور حتمی بات ہے، اللہ رَبّ العزّت نے انہیں آسمان پر اٹھالیا، اور اللہ رَبّ العزّت غالب ہے، حکمت والا ہے۔

اہم تنبیہ!

بعض لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی طور پر اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں، اور ''رفع'' سے مراد رفع جسمانی کے بجائے رفع روحانی یا بلندی درجات لیتے ہیں، یاد رکھیے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی مع روحانی ہوا ہے نہ کہ صرف روحانی، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے اور سولی پر چڑھائے جانے کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کی حفاظت کی اور انہیں اٹھالیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع جسمانی تھا، کیونکہ قتل ہونا اور سولی پر چڑھایا جانا ایسے افعال ہیں جن کا ورود جسم پر ہوتا ہے، نہ کہ روح پر، تو جس چیز کو قتل ہونے اور سولی پر چڑھائے جانے سے بچایا گیا، ظاہر ہے اسی کو آسمان پر اٹھایا گیا ہوگا، اور روح کو نہ کوئی قتل کر سکتا ہے اور نہ ہی سولی پر چڑھا سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ رفع جسمانی تھا۔

مسلمانوں کا عقیدہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے قریب اتارے جانے پر بکثرت احادیث موجود ہیں، جو تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں، اسی بنا پر مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح مع الجسد آسمان پر اٹھایا گیا ہے، اور وہ قربِ قیامت میں آسمان سے اتریں گے۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی قرآنی دلیل

اس کے بعد پھر ضمناً یہ ذکر کیا کہ قربِ قیامت میں جب دجال ظاہر ہوگا، تو حضرت عیسیٰؑ آسمانوں سے زمین پر اتریں گے، اور اس کو قتل کریں گے، اس وقت یہود و نصاریٰ دونوں کو یقین آجائے گا، کہ وہ قتل نہیں کیے گئے، نہ ہی سولی پر چڑھائے گئے تھے، بلکہ آسمان پر زندہ اٹھالیے گئے تھے، اس لیے فرمایا: ''وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ'' اس میں پیشین گوئی ہے کہ ہر یہودی اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان پر ایمان لائے گا، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے تک تمام یہودی آپ پر ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے اور اس وقت ہر یہودی اور عیسائی ان پر ایمان لائے گا۔

پھر فرمایا: قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود و نصاریٰ دونوں کے خلاف مدعی ہوں گے، یہودیوں کے خلاف ان کی عداوت و عناد میں غلو کی بنا پر اور عیسائیوں کے خلاف ان کی محبت میں غلو اور انہیں خدا کا بیٹا قرار دینے کی وجہ سے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

كَثِيرًا ۝ وَأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ
مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

یہود کے پانچ جرائم اور ان کی سزا

ان دو آیات میں نہایت جامعیت کے ساتھ یہود کے پانچ جرائم اور ان کا دنیوی و اخروی وبال اور انجام بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ ظلم: یہودیوں کا پہلا جرم "ظلم" ہے، ظلم سے مراد کفر اور دیگر کبیرہ گناہ ہیں، جو یہودیوں میں عام تھے۔

۲۔ لوگوں کو ایمان لانے سے روکنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودی لوگوں کو ایمان لانے اور حق قبول کرنے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے، اور اس کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیا کرتے تھے۔

۳۔ سود کھانا: یہود بڑی سود خور قوم ہے، نزولِ قرآن کے وقت بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی حال ہے، حالانکہ سود خوری کی حرمت تورات میں بھی موجود تھی، اس کے باوجود انہوں نے سود خوری سے اجتناب نہ کیا۔

۴۔ لوگوں کا مال ناحق کھانا: سود خوری کے علاوہ یہودی دیگر ناجائز ذرائع سے بھی لوگوں کا مال ہڑپ جاتے تھے، مثلاً رشوت لینا، پیسوں کے بدلے جھوٹی گواہی دینا اور جادو ٹونے کے ذریعہ پیسے بٹورنا وغیرہ ان میں عام تھا۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا: یہود کی اکثریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائی، حالانکہ وہ آپ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے۔

ان جرائم کی وجہ سے اللہ رب العزت نے انہیں دنیا میں یہ سزا دی کہ ان پر بہت سی حلال اور پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں، اور ان کا اخروی انجام یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ
وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ
قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۝ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ
وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا
أَنْزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلٰئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ
سَبِيلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلٰلًا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ
طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ۝

یہودیوں کے مطالبے کا جواب

گزشتہ رکوع کے آغاز میں یہودیوں کا ایک احمقانہ سوال ذکر کر کے اس کا جواب دیا گیا تھا، ان آیات میں اسی

سوال کا ایک دوسرے انداز سے جواب دیا جا رہا ہے، کہ تم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لیے یہ شرط لگاتے ہو کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لا کر دکھائیں، تو بتاؤ کہ جن انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے، ان کو تو تم بھی نبی مانتے ہو، حالانکہ ان پر اسی طرح وحی نازل ہوتی رہی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے، تو کیا وجہ ہے کہ ان کو تو نبی تسلیم کرتے ہو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہو۔ وحی اترنے کے ایک سے زائد طریقے ہیں:

۱۔ایک صورت یہ ہے کہ اللہ کتاب اتار دیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتری۔

۲۔ایک صورت یہ ہے کہ فرشتہ اللہ رَبُّ العزّت کا پیغام لے کر آئے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اترا۔

۳۔ایک صورت یہ ہے کہ اللہ رَبُّ العزّت بغیر فرشتے کے واسطہ کے دل میں بات اتار دیں۔

ان میں سے جو بھی طریقہ ہو مقصد تو اللہ کا پیغام پہنچنا ہے، اور وہ جس طرح پہلی صورت سے پورا ہوتا ہے، اسی طرح باقی طریقوں سے بھی پورا ہو جاتا ہے، اس لیے تمہارا یہ اعتراض بے جا ہے۔

جن انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے، ان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام شامل ہیں۔ ان سب انبیاء علیہم السلام کو اللہ رَبُّ العزّت نے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ لوگوں پر اتمام حجت ہو جائے اور ان کے پاس توحید پر ایمان نہ لانے کا کوئی بہانہ نہ رہے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص ایمان نہ لائے اور گمراہی پر ہی ڈٹا رہے، تو ایسے لوگوں کو اللہ رَبُّ العزّت ہدایت نہیں فرماتے اور آخرت میں ان کے لیے جہنّم کا عذاب تیار کیا گیا ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَھُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

عیسائیوں کے جرائم

اب تک یہودیوں کے نقائص کا ذکر تھا، اب عیسائیوں کے نقائص کا بیان ہے۔ یہودی انبیاء علیہم السلام کے گستاخ تھے، کیونکہ ان میں حب مال اور حب جاہ کا غلبہ تھا۔ یہ حقیقت ہے جب آدمی پر دنیا کی محبت کا غلبہ ہو جائے، اور وہ زر پرست اور دولت کا پجاری بن جائے تو اس کی طبیعت میں توہین اور گستاخی غالب آجاتی ہے۔ یہودیوں کی طبیعتوں میں توہین اور گستاخیوں کا غلبہ تھا۔ جبکہ عیسائی ان کے برعکس تھے، ان میں غلو تھا۔ وہ احترام نبی میں حد سے آگے بڑھ گئے اور اعتدال کو

چھوڑ دیا، انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کا ادب کرتے کرتے ان کو خدا اور معبود بنا لیا۔ یہ تو عقیدہ میں غلو تھا اور عمل میں غلو یہ کہ عبادت کرتے کرتے راہب بن گئے، اور جنگلوں میں رہائش اختیار کرلی، اور اللہ رَبّ العزّت کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا۔ اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے انہیں اسی غلو سے منع فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے اہل کتاب! دین میں غلو یعنی حد سے تجاوز نہ کرو، جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے انہیں حرام سمجھو اور جن کو حلال قرار دیا ہے انہیں حلال جانو، اور اللہ رَبّ العزّت پر جھوٹ نہ باندھو بلکہ سچ بولو، اور وہ سچ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں، بلکہ وہ پاک بی بی سیدہ مریم علیہا السلام کے صاحبزادے ہیں، اللہ رَبّ العزّت کے رسول ہیں، اللہ رَبّ العزّت کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے ہیں، اسی لیے انہیں کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اور چونکہ ان کی پیدائش میں باپ کا دخل نہیں تھا، بلکہ محض اللہ رَبّ العزّت کے ارادے اور اس کی قدرت سے آپ کی پیدائش ہوئی ہے، اس لیے آپ کو روح اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ رَبّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت اکیلے ہی معبود برحق ہیں، وہ اولاد سے پاک ہیں، آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے، وہی ہر ایک کا کارساز ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا اور جزء قرار دیتے ہو، یہ تو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو خود اپنے آپ کو اللہ رَبّ العزّت کا بندہ قرار دیتے تھے، انہیں خود کو خدا کا بندہ کہلانے میں کوئی عار نہیں تھی، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کو اس بات سے کوئی عار ہے، اس لیے کہ اللہ رَبّ العزّت کا بندہ ہونا اور اس کی عبادت کرنا تو نہایت عزت کا مقام ہے، سو جو لوگ خود کو خدا کا بندہ کہلواتے ہیں، اللہ رَبّ العزّت پر ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں، انہیں اللہ رَبّ العزّت ان کا پورا پورا اجر عطا فرمائیں گے، البتہ جو لوگ خود کو اللہ رَبّ العزّت کا بندہ کہلوانے میں عار محسوس کرتے ہیں، اور تکبّر کرتے ہیں، انہوں نے بھی ہمارے پاس ہی آنا ہے، اور ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

بُرہانِ خداوندی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے تمام انسانیت کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے برہان (دلیل) بھی آچکی ہے، اور ہم نے تمہارے پاس ایک واضح نور بھی نازل کیا ہے۔ اس برہان اور نور سے کیا مراد ہے؟ راجح قول کے مطابق برہان سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور نور سے مراد قرآنِ کریم ہے۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد فرمایا کہ جو بھی اللہ ربّ العزّت پر ایمان لائے اور اس کے احکامات اور اس کے دین کو مضبوطی سے تھام لے تو اللہ ربّ العزّت اسے اپنی رحمت یعنی جنّت میں داخل فرمائیں گے اور انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

''کلالہ'' کی میراث کے اَحکام

۳۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے میراث سے متعلق احکام ذکر فرمائے تھے، اب اسی کا تتمہ سورت کے اختتام پر ذکر کیا جارہا ہے، جس میں کلالہ کی میراث کے مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔

کلالہ کی تعریف پہلے بھی گزر چکی ہے، کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جس کے نہ والدین ہوں اور نہ اولاد۔ اس کے ترکہ کی تقسیم سے متعلق درج ذیل احکام دیے گئے ہیں:

۱۔ اگر صرف ایک سگی بہن یا علاتی (باپ شریک) بہن ہو تو، وہ ترکہ کے نصف کی حقدار ہوگی، باقی نصف عصبہ رشتے دار (چچا، چچازاد بھائی) وغیرہ کو ملے گا۔ اور اگر یہ عصبہ رشتہ دار موجود نہ ہوں تو باقی آدھا بھی بہن کے حصے میں آئے گا۔

۲۔ اگر عورت کلالہ ہو، یعنی اس کے والدین اور اولاد نہ ہو، صرف بھائی ہوں، خواہ ایک ہو یا زیادہ تو وہ اس کے پورے ترکہ کے وارث ہوں گے۔

۳۔ اگر کلالہ مرد کی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو یہ دونوں بہنیں کل ترکہ کے دو تہائی حصے کی حقدار ہیں،، باقی ایک تہائی ترکہ عصبہ رشتے دار (چچا، چچازاد بھائی وغیرہ) کا ہوگا۔ اگر کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو یہ باقی تہائی بھی بہنوں ہی کو ملے گا۔

۴۔ اگر کلالہ مرد یا عورت کے بھائی اور بہن دونوں ہو تو ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ مرد کا حصہ عورت کے مقابلے میں دگنا ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے یہ مسائل اس لیے بیان کیے، تاکہ تم احکام الٰہی اچھی طرح سمجھ جاؤ، کوئی غلطی کر کے گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے تقویٰ کا درس دیتے ہوئے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا۔

۲۔ سورت میں معاشرے کے کمزور طبقات یعنی عورتیں، بچوں اور یتیموں کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔

۳۔ معاشرتی احکام یعنی نکاح، وراثت، وصیت وغیرہ سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔

۴۔ ایک فرد کے لیے کون سی خواتین سے نکاح کرنا حلال ہے اور کن سے حرام ہے، اس کی وضاحت ذکر کی گئی ہے۔

۵۔ حکمرانوں سے متعلق احکام کے بارے میں متعدد دفعات ذکر کر کے راہنمائی فرمائی گئی ہے۔

۶۔ شرک کی مذمت اور توحید کا اثبات کیا گیا ہے۔

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی، کفّار کے اعتراضات و شبہات کے جوابات بھی مذکور ہیں۔

۸۔ ایک سے زائد نکاح کرنے کی شرائط اور شادی کے بعد ہونے والے اختلافات کے حل کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔

۹۔ سفر اور خوف کی حالت میں نماز کے احکام اور قتل خطاء کی صورت میں دیت وغیرہ کی تفصیل اس سورت میں دی گئی ہے۔

۱۰۔ یہود و نصاریٰ کی مختلف عادات و رسومات بد کا تذکرہ کر کے ان کی تردید کی گئی ہے اور مسلمانوں کو وہ عادات اپنانے سے منع کیا گیا ہے۔

تمت سورة النساء بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے پانچویں (۵) اور نزول کے اعتبار سے ایک سو بارہ (۱۱۲) نمبر پر ہے۔ سولہ (۱۶) رکوع اور ایک سو بیس (۱۲۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

''مائدہ'' عربی میں دسترخوان کو کہتے ہیں۔ سورت میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ دُعا کرنے کی فرمائش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسمانی غذاؤں سے بھرا ہوا ایک دسترخوان نازل فرمائے۔ اس واقعہ کی مناسبت سے اس سورت کا نام ''مائدہ'' رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں مختلف معاہدے مثلاً نکاح اور مہر کے معاہدے، وصیت، امانت، وکالت اور اجارہ وغیرہ ذکر کیے گئے تھے، اس سورت میں ان معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع معاہدات کی پاسداری ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں کھانے، پینے، شکار اور ذبح سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔
۲۔ سورت میں عائلی قوانین واحکام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔
۳۔ قسموں اور ان کے کفّارے کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۴۔عدالتی احکام اور گواہوں سے متعلق امور پر رہنمائی کی گئی ہے۔
۵۔مسلمانوں کا دیگر مذاہب بالخصوص اہل کتاب کے ساتھ میل جول رکھنے کی حدود ذکر کی گئی ہیں۔
۶۔اس سورت میں شریعت کے پانچ مقصودی امور کو وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے:
۱......دین کی حفاظت۔ ۲......جان کی حفاظت۔
۳......عقل کی حفاظت، مثلاً شراب کی قربت سے عقل کی حفاظت وغیرہ۔
۴......عزّت کی حفاظت۔ ۵......مال کی حفاظت۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ
وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا
الْهَدْىَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ
فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى
الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

معاہدات کی پاسداری

سورت کی پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب فرما کر حکم فرمایا کہ اے اہل ایمان! اپنے معاہدوں کو پورا کیا کرو۔ اس میں تمام اقسام کے معاہدات شامل ہیں، خواہ وہ بندوں اور اللہ ربّ العزّت کے درمیان ہوں یا بندوں کے آپس میں معاہدات ہوں۔

معاہدات کی اقسام

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ معاہدات کی جتنی قسمیں ہیں، وہ سب اس آیت کریمہ میں داخل ہیں۔ پھر فرمایا کہ ابتدائی طور پر معاہدات کی تین قسمیں ہیں:
۱۔وہ معاہدہ جو انسان کا رب العالمین کے ساتھ ہے، مثلاً: ایمان، طاعت کا عہد یا حلال وحرام کی پابندی کا عہد۔
۲۔وہ معاہدہ جو ایک انسان کا خود اپنے نفس کے ساتھ ہو، جیسے: کسی چیز کی منت اپنے ذمہ مان لے یا قسم اٹھا کر کوئی چیز اپنے ذمہ لازم کر لے۔
۳۔وہ معاہدہ جو ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ ہو یا ایک جماعت وتنظیم کا دوسری جماعت وتنظیم کے ساتھ ہو یا حکومتوں کے عالمی معاہدات ہوں۔ ان تمام معاہدات میں جو جائز شرطیں باہم طے کی جائیں، ان کی پابندی ہر فریق پر لازم ہے۔ معاہدات میں جائز شرط کی قید اس لیے لگائی کہ خلاف شرع شرائط پر معاہدے کرنا اور اسے قبول کرنا ناجائز ہے۔

حلال وحرام چیزوں کے اَحکام

ایفائے عہد کی تلقین کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے حلال وحرام اور جائز وناجائز کے احکام ذکر فرمائے ہیں، اس سلسلہ میں پہلا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے لیے پالتو جانور حلال کردیے ہیں، پالتو جانوروں سے مراد اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ ہیں، ان کا تفصیلی ذکر سورۃ الانعام میں کیا جائے گا، اوران کے علاوہ بھی دیگر کچھ جانور جو وحشی ہیں، حلال قرار دیے گئے ہیں، جیسے ہرن، بقرِ وحشی وغیرہ۔ البتہ کچھ جانور جن کی کچھ تفصیل سورۃ الانعام میں ذکر کی جائے گی، حرام قرار دیے گئے ہیں، ان میں مردار جانور، خنزیر، وغیرہ اور وہ جانور جن کے اندر نجاست کا عنصر ہے، یا وہ جانور جو کچلیوں سے شکار کرتے ہیں، وہ سب حرام ہیں۔ البتہ یہ یاد رہے کہ جو جانور حلال ہیں، ان کو بھی حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں ہے۔

شعائر اللہ کی تعظیم

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ایک اور خصوصی حکم ارشاد فرمایا کہ شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرو۔ شعائر، شعیرۃ کی جمع ہے، جس کے معنی ہے علامت، شعائر اللہ یا شعائر اسلام سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اسلام کی نشانیاں اور ان سے وابستگی مسلمان ہونے کی علامات سمجھی جاتی ہیں، جیسے: کعبہ، مسجد نبوی، تمام مساجد، قرآنِ کریم، نماز، اذان، حج، ختنہ وغیرہ، ان سب کی بے حرمتی کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔ اسی طرح مقدس اور محترم مہینوں کی بے حرمتی سے بھی منع کیا گیا۔ مقدس مہینوں سے مراد وہ مہینے ہیں جن میں باہمی جنگ کرنا شرعاً حرام تھا، یہ کل چار مہینے ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ اسی طرح حرم مکہ میں قربان ہونے والے جانور، خصوصاً وہ جانور جن کے گلے میں قلادہ (ہار) ڈالا گیا ہے، اور وہ لوگ جو حج کے لیے مسجد حرام کی طرف روانہ ہوں، ان کی بے حرمتی اور ان کے ساتھ بدسلوکی سے مکمل اجتناب برتا جائے۔

باہمی مدد و نصرت کا قرآنی معیار

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرنے کے لیے ایک معیار مقرر فرمایا ہے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین اور اس کی خلاف ورزی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت کے لیے نیکی اور تقویٰ کو معیار بناؤ، یعنی ان کاموں میں دوسروں کے ساتھ تعاون کرو جن میں شریعت اسلامیہ کے کسی حکم پر زد نہ پڑتی ہو، ظلم اور گناہ کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۔ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۔ ذٰلِكُمْ
فِسْقٌ ۔ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

متعدّد حرام کردہ چیزوں کی تفصیل

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے حرام چیزوں کو مختصراً ذکر فرمایا، جو درج ذیل ہیں:

۱- ''المیتة'': مردار جانور، یعنی وہ جانور جو ذبح کیے بغیر اپنی طبعی موت مرجائے یا غیر شرعی طور پر ذبح کیا جائے۔

۲- ''الدم'': ذبح کے وقت رگوں سے نکلنے اور بہنے والا خون۔

۳- ''لحم الخنزیر'': آیت میں خنزیر کے گوشت کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن باتفاق مفسرین اس سے مراد خنزیر کا پورا جسم ہے، جس میں چربی اور پٹھے، اس کے بال اور ہڈیاں وغیرہ شامل ہیں، اس کے کسی جزء سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔

۴- ''ما اهل لغیر اللہ بہ'': وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر مختص کر دیا گیا ہو یا ذبح کے وقت اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، یہ بھی حرام اور کھلا شرک ہے۔ یہی حکم ہے کھانے پینے اور پہننے کی ہر اس چیز کا جو غیر اللہ کے نام پر بطور نیاز دی گئی ہو۔

۵- ''المنخنقة'': وہ جانور جو دم گھٹ جانے یا گلا دبانے کی وجہ سے مرجائے۔

۶- ''الموقوذة'': وہ جانور جو کسی چوٹ کی وجہ سے مرجائے۔

۷- ''المتردیة'': وہ جانور جو کسی پہاڑ، ٹیلہ یا بلند عمارت یا کنویں میں گر کر مرجائے، وہ بھی حرام ہے۔

۸- ''النطیحة'': وہ جانور کسی ٹکر، تصادم اور حادثہ میں مرجائے یا کسی دوسرے جانور کی سینگ اور ٹکر سے مرجائے۔

۹- ''ما اکل السبع'': وہ جانور جس کو کسی درندے نے پھاڑ دیا ہو اور وہ مر گیا ہو۔ البتہ اگر ان چاروں صورتوں (جانور کا دم گھٹ گیا ہو، چوٹ لگی ہو، بلندی سے گرا ہو یا کسی ٹکر اور تصادم کی وجہ سے گر گیا ہو) اور جانور کے مرنے سے پہلے اس کو شرعی طور پر ذبح کرلیا گیا، اور ذبح کرنے والا مسلمان یا صحیح العقیدہ اہلِ کتاب ہو تو وہ حلال ہوجائے گا۔

۱۰- ''ما ذبح علی النصب'': وہ جانور جو کسی بت، پیر یا ولی کا تقرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے خاص مقام پر ذبح کیا جائے، وہ بھی حرام اور شرک ہے، اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو۔

۱۱- ''ان تستقسموا بالازلام'': وہ گوشت بھی حرام ہے جو جوئے کے تیروں کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں اور دونوں حرام ہیں:

۱...... جاہلیت کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک مشترکہ اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے، جس کا طریقہ یہ تھا کہ مختلف تیروں پر حصے لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر ہر شریک ایک تیر نکالتا تھا، جس کے نام جو تیر نکل آتا، اس کو گوشت میں سے اتنے حصے دیے جاتے تھے جو اس تیر پر لکھے ہوتے تھے، اور جس کے ہاتھ میں ایسا تیر آتا جس پر کوئی حصہ لکھا ہوا نہ ہوتا، اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا، یہ جوا اور سٹہ بازی تھی، اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔

۲......زمانہ جاہلیت میں کعبہ کے مجاور کے پاس ایک سے زائد تیر ہوتے تھے، جن کے ذریعہ قسمت آزمائی اور فال لی جاتی تھی، ان میں سے ایک تیر پر ''نعم'' ایک پر ''لا'' لکھا ہوتا اور ایک تیر پر کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا۔ جب کسی شخص کو اپنی قسمت یا مستقبل کے کسی کام سے متعلق تردد ہوتا تو وہ ان تیروں کے ذریعہ فیصلہ کرتا، اگر وہ تیر نکلتا جس پر ''نعم'' لکھا ہو تو وہ کام کر گزرتا تھا، اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر ''لا'' لکھا ہوا تھا تو اس کام سے باز رہتا اور اگر خالی تیر نکلتا تو فال اور قرعہ دوبارہ نکالا جاتا۔ چونکہ یہ صورت توہم پرستی اور مشرکانہ عقیدے پر مبنی تھی، اس لیے اسلام نے اسے حرام قرار دے کر اس کا خاتمہ فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ جوگیوں اور نام نہاد عاملوں کے پاس جانا اور ان سے قسمتوں کے حال معلوم کرنا گناہ اور حرام ہے، بلکہ کفر کا اندیشہ ہے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، اور اس طرح غیر اللہ کو عالم الغیب یقین کیا جاتا ہے۔

آج کل بھی طرح طرح کے فال نکالے جاتے ہیں، یہ سب غیر شرعی ہیں، کسی بھی کام میں تردد کے خاتمہ کے لیے شریعت نے استخارہ اور مشورہ کا طریقہ دیا ہے۔

تکمیلِ دین

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو بہت بڑی خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آج کے دن کفار تمہارے دین پر غالب آنے سے مایوس ہو چکے ہیں، اس لیے اب تم ان کا کوئی خوف نہ رکھو، صرف میرا خوف رکھو، آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، یعنی نزول قرآن سے جو مقصود تھا (انسانوں کو جامع دین اور شریعت دینا) وہ پورا ہو گیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے منتخب کر لیا ہے۔ اب قیامت تک یہی دین رہے گا۔

یہ آیت ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ (۹ ذی الحج) کے دن نازل ہوئی، جبکہ مکہ اور تقریباً سارا عرب فتح ہو چکا تھا، پورے جزیرۃ العرب پر اسلامی قانون نافذ تھا۔ اس سے پہلے تو کفار مکہ اور عرب کے دیگر مشرکین یہ منصوبے بنایا کرتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو جڑ سے ختم کر دیا جائے، کیونکہ مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور وہ مالی و دنیوی لحاظ سے نسبتاً کمزور بھی تھے، لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر جب مسلمانوں کا عظیم الشان جم غفیر مکہ مکرمہ پہنچا تو سارے عرب میں ان کی دھاک بیٹھ گئی اور کفار و مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے۔

اَحکام کی آخری آیت

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' یہ آیت تقریباً قرآن کی آخری آیت ہے، اس کے بعد اَحکام سے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، البتہ ترغیب و ترہیب سے متعلق چند آیات اس کے بعد بھی نازل ہوئی ہیں۔

حرام جانوروں سے متعلّق ایک اِستثنا

آیت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ان جانوروں سے متعلّق جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے کہ انہیں اللہ ربّ العزّت نے حرام قرار دیا ہے، ان سے ایک خاص صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص بھوک کی شدت سے بیتاب ہو جائے اور اسے ہلاکت کا اندیشہ ہو، تو ایسی حالت میں اگر وہ محض اپنی جان بچانے کی خاطر ان حرام جانوروں میں سے کچھ کھالے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ اس کی نیت پیٹ بھرنے اور لذت حاصل کرنے کی نہ ہو، بلکہ صرف اتنا کھائے کہ اس کی جان بچ جائے۔ (معارف القرآن)

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤

پاکیزہ اور حلال چیزیں

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا جن کو شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے، اس آیت میں ان جانوروں کا تذکرہ ہے جو حلال ہیں۔ نیز ان آیات میں شکاری کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرنے کا حکم اور اس کی شرائط بھی ذکر کی گئی ہیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ شکاری کتے اور باز وغیرہ کے ذریعہ شکار حلال ہونے کے لیے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ کُتّا، یا باز، سکھایا اور سدھایا ہوا ہو۔

شکاری جانور کی تعلیم کا اُصول

سکھانے اور سدھانے کا اصول یہ ہے کہ جب کتّے کو شکار کے لیے چھوڑا جائے، تو وہ شکار پکڑ کر لے آئے، خود اس کو کھانے نہ لگے۔ اور باز کے لیے اصول یہ ہے کہ جب اس کو واپس بلایا جائے تو وہ فوراً آجائے، اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو۔

۲۔ اپنے ارادے سے کتّے یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑا جائے، یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کرلے۔

۳۔شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگے، بلکہ تمہارے پاس لے آئے۔

۴۔جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑا جائے تو "بسم اللہ" پڑھ کر چھوڑا جائے۔

اگر یہ چاروں شرطیں پوری ہوں اور جانور دَم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے، ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو بغیر ذبح کے حلال نہ ہوگا۔ بعض شکاریوں میں کوتاہی پائی جاتی ہے کہ وہ جانور یا تیر سے شکار کرتے ہوئے جواز کی شرائط کا خیال نہیں کرتے، ان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بس شکار ہاتھ سے نہ جائے، اس لیے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، حکمِ شرعی میں کوتاہی نہ کرو، اللہ جلد حساب لینے والے ہیں، حساب کا دن دور نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

حلال وحرام کا معیار حکمِ اِلٰہی ہے

اگلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے اعلان فرمادیا کہ آج ہم نے تم پر تمام پاکیزہ چیزیں حلال کردیں، اب کوئی انہیں حرام نہیں کرسکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی مرضی سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں کرتے تھے، تو آج بھی کسی کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دے یا حرام کردہ چیزوں کو حلال کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا درحقیقت شرک فعلی ہے جو نا قابل معافی جرم ہے۔

شرک کی اَقسام

شرک دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔شرک اعتقادی: اللہ کے سوا کسی اور کو مشکل کشاء، حاجت روا اور معبود سمجھنا، یا اس کی کسی صفت میں دوسروں کو شریک سمجھنا۔

۲۔شرک فعلی: اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام، یا حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا۔

شرک کی یہ دونوں قسمیں حرام اور نا قابل معافی جرم ہیں۔

"اہلِ کتاب" کون ہیں؟ اور ان کے ذبیحے کا حکم

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم بیان فرمایا کہ ان کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔

قرآن وسنّت کی تصریحات کے مطابق اہل کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ ہیں، جو تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے ہوں، اور اپنے دین پر قائم ہوں۔ جو لوگ نام کے عیسائی اور یہودی ہوں، لیکن عقیدہ کے اعتبار سے خدا کے وجود، نبوّت ووحی اور ملائکہ وغیرہ کے قائل نہ ہوں، وہ ملحد ہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہے، اگرچہ خاندانی نسبت کی بنا پر وہ یہودی یا نصرانی کہلاتے ہوں، آج بیشتر یہودی اور عیسائی اپنے دین پر قائم نہیں، بلکہ دہریے اور منکر خدا بن چکے ہیں، ایسے لوگوں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کی تفصیل

اہل کتاب کے ذبائح سے متعلّق حکم بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان کی خواتین سے نکاح کرنے کے حکم کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا تو درست ہے ہی، اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح کرنا درست ہے۔ البتہ اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنے کے متعلّق تھوڑی تفصیل سمجھ لیجیے:

۱۔ جو عورتیں مذہبی اعتبار سے واقعی یہودی یا عیسائی ہوں، لیکن عفت وعصمت اور پاک دامنی کا ان کے ہاں لحاظ نہ ہو، تو ایسی عورتوں سے کسی مسلمان مرد کا نکاح بہتر نہیں ہے۔

۲۔ جو عورتیں واقعی اہل کتاب ہوں، اور ان کے بارے میں پاکدامن ہونے کا گمان ہو، لیکن وہ مسلمانوں کا ملک نہ ہو، بلکہ غیر مسلموں کو غلبہ حاصل ہو، ایسی جگہ کتابیہ عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، چنانچہ علامہ جصاصؒ فرماتے ہیں: "یکرہ نساء اهل الحرب من الکتابیات۔" (احکام القرآن ۱/۳۲)

۳۔ موجودہ حالات میں مسلم ملکوں میں بھی ایسی عورتوں سے نکاح کرنا کراہت سے خالی نہیں، چنانچہ علامی شامیؒ فرماتے ہیں: "یفید کراهة التنزیه فی غیر الحربیة" (ردالمحتار: ۳/۴۵) ایسی عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے اولاد اور نسل کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

جمہور صحابہ وتابعین عیسائی اور یہودی عورتوں کے ساتھ فی نفسہ نکاح حلال سمجھنے کے باوجود متعدد مفاسد کی بنا پر ایسی عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے۔ سیّدنا حذیفہ بن یمانؓ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا، سیّدنا فاروق اعظمؓ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا، جس میں فرمایا کہ: میں آپ کو قسم دیتا ہوں، میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کردو، مجھے خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتدا کریں گے، اور اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن وجمال کی وجہ سے، مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں گے، مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی؟ (معارف القرآن)

حاصل یہ کہ قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ کے لحاظ سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے اجتناب کریں۔

۴۔ مسلمان عورتوں کا کسی بھی غیر مسلم مرد بشمول اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے نکاح جائز نہیں ہے۔

نوٹ:۔ مفتیان کرام کے نزدیک شیعہ سنی کا بھی باہم نکاح جائز نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۶﴾

''وضو'' اور ''غسل'' کا حکم

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے طہارت سے متعلق چند احکام بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے وضو کے بارے میں حکم ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! جب بھی تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو وضو کر لیا کرو، اور وضو میں چار احکام بجا لانا فرض ہے: ۱۔منہ دھونا۔ ۲۔کہنیوں تک ہاتھ دھونا۔ ۳۔سر کا مسح کرنا۔ ۴۔ٹخنوں تک پاؤں دھونا۔ یہ چار احکام وضو کے فرائض ہیں، ان کا بجالانا وضو کی صحت کے لیے ضروری ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب انسان حدث اصغر کی حالت ہو، اگر انسان حدث اکبر یعنی جنابت کی حالت میں ہو تو وہ صرف وضو کرنے سے پاک نہ ہوگا، بلکہ اس کے لیے مکمل بدن کو پاک کرنا اور اچھی طرح غسل کرنا ضروری ہے۔

حکمِ تیمّم

چونکہ بسا اوقات انسان کسی ایسے مقام میں ہوتا ہے جہاں پانی دستیاب نہ ہو، یا انسان ایسی بیماری کی حالت میں ہو کہ پانی اس کے لیے نقصان دہ ہو، تو ایسی صورت میں وضو کے متبادل کے طور پر اللہ ربّ العزّت نے تیمم کا حکم مرحمت فرمایا ہے۔ ''تیمم'' سے مراد یہ ہے کہ پاک مٹی پہ ہاتھ مار کر اپنے چہرے اور دوسری مرتبہ ہاتھ مٹی پر مار کر کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیر لیا جائے۔ اس طرح کرنے سے بھی انسان شریعت کی نگاہ میں پاک قرار دیا جائے گا۔

ان احکام سے مقصد انسان کی پاکی اور صفائی کا خیال رکھنا ہے، اور چونکہ تمام احکام شرعیہ میں سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہے، اسی طرح طہارت کے احکام میں بھی شریعت نے بہت لچک رکھی ہے، چنانچہ پانی دستیاب نہ ہونے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی صورت میں مٹی سے طہارت حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾

عدل و انصاف کی بالادستی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو ہر حال میں عدل و انصاف قائم رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! تم اللہ ربّ العزّت کی خوشنودی کے لیے احکام کی پوری پابندی کرنے والے اور گواہی دینے

کے موقع پر انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں انصاف کا دامن چھوڑنے پر مجبور نہ کرے، ہر حال میں عدل سے کام لو، کیونکہ عدل ہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تقویٰ باری تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

عدل وانصاف کی راہ میں عام طور پر دو رکاوٹیں ہوتی ہیں:

۱۔اپنی یا اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف داری۔

۲۔کسی شخص کی دشمنی اور عداوت، مذکورہ آیت میں عدل وانصاف سے متعلق عمومی حکم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف کی راہ میں حائل ہونے والی دوسری رکاوٹ کا خاص طور پر ذکر کیا کہ کسی فریق کی دشمنی تمہیں عدل وانصاف کا دامن چھوڑنے پر مجبور نہ کرے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ
اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ
سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ
مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا
ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ ⑭ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا
عَنْ كَثِيْرٍ ڛ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ
وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯

یہود کی عہد شکنی اور اس کے بُرے ثمرات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل سے لیے ایک میثاق اور عہد کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ پوری بنی اسرائیل قوم جو بارہ خاندانوں پر مشتمل تھی، ان کے ہر خاندان میں سے ایک سردار منتخب کیا گیا اور ہر سردار نے اپنے خاندان کی جانب سے اس میثاق پر عملدرآمد کرنے کی ذمہ داری لی۔ اللہ ربّ العزّت نے انہیں ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے ان عہد و میثاق کی پابندی کی تو میری مدد و نصرت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی، اور جو اس میثاق کو توڑے گا وہ راہِ حق سے دُور ہو جائے گا۔ اس کے بعد میثاق کی درج ذیل دفعات ذکر فرمائی گئی:

۱۔نماز کا اہتمام۔

۲۔زکوٰۃ کی ادائیگی۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام پر ایمان۔

۴۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ تعاون اور ان کی مدد و نصرت۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دینا، یعنی زکوٰۃ کے علاوہ بھی اللہ رَبّ العزّت کی راہ میں خرچ کرنا۔

ان دفعات کو ذکر کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے اس میثاق اور معاہدہ پر عمل کیا تو تمہارے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے اور تمہیں جنّت عطا کی جائے گی جس میں دائمی راحت وعافیت ہوگی۔ لیکن اگر کسی نے کفر اور سرکشی اختیار کی اور اس میثاق پر عمل نہ کیا تو وہ اپنے ہاتھوں تباہی کے گڑھے میں جا گرے گا۔

اس ترغیب اور ترہیب کے باوجود بنی اسرائیل نے اس عہد کا پاس نہ رکھا اور اس کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا فرمادیا، ان پر لعنت کی گئی، اور ان کے دلوں کو سخت کردیا جس کی وجہ سے ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی، اور ان پر حق بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ تورات میں تبدیلی اور تحریف کرنے لگے اور احکام شریعت میں خیانت کا ارتکاب کرنے لگے۔

نصاریٰ کی عہد شکنی اور نتیجہ!

یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کے احوال بھی بتلائے گئے، کہ ان سے بھی اللہ تعالیٰ کے حکموں پر قائم رہنے کا وعدہ لیا گیا تھا، لیکن انہوں نے بھی اللہ رَبّ العزّت کے عہد کو توڑ دیا، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بغض وعداوت ڈال دی، اور ان کی آپس میں دشمنیاں پیدا ہوگئیں، پھر قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کے وبال کا پتہ چل جائے گا۔

نجات صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں ہے!

لہٰذا اے اہلِ کتاب! اگر تم جہنم سے نجات چاہتے ہو اور آخرت کی رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ جو تمہیں تورات کے ایسے بہت سے احکام بتاتے ہیں جن کو تم چھپاتے ہو اور تمہاری غلطیوں پر درگزر کرتے ہیں، اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے پاس اپنے نبی کو بھیجا ہے اور ان پر قرآن جیسی مقدس کتاب نازل کی ہے، جو لوگوں کو کفر اور گناہوں کی تاریکی سے ایمان اور اعمال صالحہ کی روشنی فراہم کرتی ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر بشر تھے؟

کچھ لوگ آیت "قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ" پڑھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کردیتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں، (العیاذ باللہ) بشر نہیں، حالانکہ آپ کی بشریت مشاہدہ بھی ہے اور قرآنِ کریم کا ارشاد بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان قریشی ہاشمی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب حضرت آدم

علیہ السلام تک موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، پھوپھیاں، بیٹیاں، نواسے، ازواجِ مطہرات وغیرہ سب تھے، اگر آپ بشر نہیں تو یہ سب کیسے ہیں؟

قرآنِ کریم نے بھی "هل كنت الا بشرا رسولا" اور "قل انما انا بشر" وغیرہ ذکر فرما کر آپ کی بشریت کی صراحت فرمادی۔

رہی بات کہ اس آیت میں نور و کتاب سے کیا مراد ہے؟ اس کی دو تفسیریں ہیں:

۱۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں "نور" اور "کتاب مبین" سے مراد قرآنِ کریم ہے، دونوں میں عطف تفسیری ہے، "نور" کی تفسیر کتاب سے کی گئی ہے، وجہ یہ ہے کہ اگلی آیت میں "يهدى به" کی ضمیر مفرد کی ہے، جو قرآن و کتاب کی طرف راجع ہے۔ اگر نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور کتاب سے مراد قرآن لیا جائے تو ضمیر تثنیہ کی ذکر کی جانی چاہیے تھی۔ قرآنِ کریم نے دوسرے مقامات پر صراحت سے نور بول کر قرآن مراد لیا ہے۔ مثلاً: "انزلنا اليكم نورا مبينا" "ہم نے تمہاری طرف واضح نور اتارا، ظاہر ہے کہ اتارا تو قرآن گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تولد ہوئے ہیں۔

۲۔ نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لیکن نور سے مراد آپ کی وصف ہے نہ کہ ذات، یعنی ذات کے لحاظ سے آپ بشر ہیں، لیکن وصف کے لحاظ سے نور، چنانچہ تفسیر خازن میں ہے کہ اللہ رَبّ العزّت نے آپ کو نور کہا ہے کیونکہ آپ کے ذریعہ ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۞ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۞

عیسائیوں کے ایک غلط عقیدے کی تردید

عیسائیوں کا ایک فرقہ کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہیں۔ اللہ رَبّ العزّت نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس طرح خدا اور معبود ہو سکتے ہیں، حالانکہ اگر اللہ رَبّ العزّت انہیں اور ان کی والدہ کو وفات دینا چاہیں، تو وہ نہ خود کو بچا سکتے ہیں اور نہ اپنی والدہ کو، حقیقت یہ ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان موجود تمام مخلوقات کا اکیلا مالک صرف اللہ رَبّ العزّت ہے، تو جو ذات ہر چیز کی مالک ہو وہی معبود کہلانے کے حق دار ہے۔

اللہ کے محبوب ہونے کا دعویٰ!

یہود و نصاریٰ اپنی تمام اعتقادی، عملی اور اخلاقی خرابیوں کے باوجود یہ دعوی کرتے تھے کہ ہم اللہ رَبّ العزّت کے

پیارے اور محبوب ہیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم واقعۃً اللہ ربّ العزّت کو محبوب ہو تو وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دیتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم ایک عام انسان ہو، اللہ ربّ العزّت کی مرضی کہ وہ جسے چاہے عذاب دے، جسے چاہے معاف کر دے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

یہود کی ایک اور عہد شکنی اور خطرناک نتیجہ!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے یہود کی ایک اور عہد شکنی کو ذکر فرما کر اس کا انجام بیان فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام میں فلسطین کا علاقہ تھا، فرعون نے مصر میں ان کو غلام بنا رکھا تھا، جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب وہ فلسطین میں جا کر آباد ہوں۔ اس وقت فلسطین اور شام پر ایک کافر قوم کا قبضہ تھا، جو عمالقہ کہلاتی تھی، لہٰذا اس حکم کا لازمی تقاضا تھا کہ بنی اسرائیل فلسطین جا کر قوم عمالقہ سے جہاد کریں، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ جہاد میں فتح تمہاری ہی ہوگی، اللہ ربّ العزّت نے یہ سرزمین تمہارے مقدر میں لکھ دی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں فلسطین کی طرف روانہ ہوئے، جب فلسطین کے قریب پہنچے تو بنی اسرائیل کو پتہ چلا کہ قوم عمالقہ تو بڑے طاقتور لوگ ہیں، دراصل یہ لوگ قوم عاد کی نسل سے تھے، بڑے زبردست ڈیل ڈول کے مالک اور ہیبت ناک قد و قامت کے لوگ تھے، بنی اسرائیل ان کے ڈیل ڈول سے ڈر گئے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے کہ "جب تک یہ قوم یہاں موجود ہے، ہم اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے، آپ اور آپ کا پروردگار جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں" یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے، اس نے فتح کا وعدہ کر رکھا ہے، صرف دو اشخاص حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت کالب ہر مرحلے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفادار رہے، انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ پر بھروسہ کر کے آگے بڑھو، اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تم ہی غالب رہو گے، لیکن قوم نے ان

کی ایک نہ سنی، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے اللہ! آپ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادیجیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی اوراس عہد شکنی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوگئے اور سزا کے طور پر انہیں صحرائے سینا (وادیٔ تیہ) میں چالیس سال تک محصور کردیا، اسی میں بھٹکتے رہے، نہ آگے بڑھنے کا راستہ ملتا تھا، نہ پیچھے مصرلوٹ جانے کا، یہیں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال ہوا۔ ایک نسل مکمل ختم ہوگئی، اگلی نسل آئی اوران کے نبی حضرت یوشع علیہ السلام بنے، انہوں نے جاکر جہاد کیا اور علاقہ فتح کیا تب جاکر ان کو اس عذاب سے نجات ملی۔

وادیٔ سینا کو ''تیہ'' کہنے کی وجہ

وادیٔ سینا کو ''تیہ'' اس لیے کہتے ہیں، قرآنِ کریم نے بنی اسرائیل کے لیے فرمایا: ''يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ'' کہ یہ اس زمین میں میں بھٹکتے پھریں گے، جب کوئی شخص راہ سے بھٹک جائے، تو عربی میں کہتے ہیں ''تاہ فلان''۔ اسی سے اس وادی کا نام تیہ پڑگیا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ
قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ
اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ
اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى
بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ
وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝

ہابیل اور قابیل کا قصہ!

ان آیات میں ظلم اور حسد کا انجام ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماکر یہود اور ان جیسے باغیوں اور حاسدوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ سنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ ان دو بیٹوں سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہابیل اور قابیل ہیں۔

ان کے واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ یہ دونوں بھائی تھے، قابیل بڑا اور ہابیل چھوٹا تھا۔ جب حضرت آدم وحوّا

علیہا السلام اس دنیا میں آباد کیے گئے، تو اس وقت سب سے بڑی ضرورت نسل انسانی کی افزائش تھی، جس کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی کہ حضرت حوا علیہا السلام کو مسلسل جڑواں اولاد ہوتی، جن میں سے ایک لڑکا ہوتا اور ایک لڑکی، حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں حکم یہ تھا کہ ایک ہی بطن سے پیدا ہونے والے بھائی بہن ایک دوسرے کے لیے حرام تھے، دوسرے بطن کی اولاد سے ان کا نکاح ہوتا تھا، چنانچہ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام ''اقلیماء'' تھا اور وہ زیادہ خوبصورت تھی، ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی اور بہن کا نام ''لیلودا'' تھا، وہ اتنی خوبصورت نہیں تھی، جس کی وجہ سے قابیل اپنی ہی جڑواں بہن سے نکاح کرنے پر مصر تھا، حضرت آدم نے اسے سمجھایا، لیکن وہ نہ مانا، پھر حضرت آدمؑ نے ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی نذر پیش کرنے کی تلقین کی کہ جس کی نذر قبول ہوجائے گی، اس کا نکاح اس خوبصورت لڑکی سے ہوگا، ہابیل کے پاس مویشی تھے، اس نے ایک فربہ مینڈھا پیش کیا، قابیل کے پاس کھیتی تھی، اس نے پیداوار کا ناقص حصہ پیش کیا، ہابیل کی قربانی پر دستور کے مطابق آسمانی آگ اتری، جو قبولیت کی علامت تھی، قابیل کی قربانی پر آگ نہیں اتری، مگر اس کے باوجود قابیل نے نہ مانا اور قتل کی دھمکیاں دینے لگا، اس دھمکی کے جواب میں، ہابیل نے کہا کہ وہ پھر بھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا، تو اب اس کی ہمت بڑھ گئی، اور آخر کار اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔

چونکہ یہ روئے ارض پر پہلا قتل تھا، اس لیے قابیل کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ہابیل کی لاش کے ساتھ کیا کرے؟ اللہ رَبّ العزّت نے ایک کوّے کے ذریعے اسے تعلیم دی کہ ایک کوّا دوسرے کوّے کو دفن کرنے کے لئے زمین کھودنے لگا، اس سے مفہوم ہوا کہ یوں زمین میں قبر بنائی جائے اور اس میں ہابیل کو دفنا دیا جائے۔

آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ شروع ہی سے مردہ کو زمین میں دفن کرنے کا طریقہ رہا ہے، نہ کہ لاش کو جلانے کا، مردے کو زمین میں دفن کرنے میں مردے کا احترام بھی ہے اور ماحولیاتی آلودگی سے حفاظت بھی۔ جلانے میں انسان کی بے حرمتی ہے۔

اِنسانی جان کی قدر و منزلت

ہابیل و قابیل کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے قتل ناحق کی مذمت اور انسانی جان کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس نے ناحق کسی ایک انسان کو قتل کیا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی تو اس نے سب کی جان بچائی۔

اصل چیز انسانی زندگی کا احترام اور اس کی اہمیت کا احساس ہے، اگر کوئی شخص اس جذبہ واحساس سے عاری ہوکر ایک شخص کا قتل کر بیٹھے، تو وہ اپنے بے جا مقاصد کے لیے بہت سے انسانوں کا قتل بھی کر سکتا ہے، اور جو انسانی زندگی کی اہمیت وحرمت کو سمجھتا ہے، وہ ایک گروہ کی جان بچانے کی بھی کوشش کرے گا اور ایک شخص کی بھی، اسی کو قرآن کریم نے اس بلیغ اور مؤثر فقرہ میں بیان کیا ہے۔

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

ڈاکوؤں اور فسادیوں کی سزا

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ڈاکوؤں اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کی سزا بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی جماعت یا جتھا اجتماعی قوت کے ساتھ ڈکیتیاں کر کے امن عامہ کو برباد کریں اور حکومت کے قانون کو علانیہ توڑنے کی کوشش کریں تو ان کی سزا میں درج ذیل تفصیل ہے:

۱۔ اگر ڈکیتی کے دوران دارالاسلام کے کسی شہری کو قتل کریں، مگر مال نہ لوٹیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

۲۔ اگر کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں سولی چڑھا دیا جائے۔

۳۔ اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے، کسی کو قتل نہیں کیا تو ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں۔

۴۔ اور اگر انہوں نے نہ کسی کو قتل کیا اور نہ ہی مال لوٹ سکے، بلکہ پہلے ہی گرفتار ہو گئے تو ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو جلا وطن کر دیا جائے یا قید میں ڈال دیا جائے۔ یہ ان لوگوں کی دنیوی سزا اور رسوائی ہے، اور آخرت میں اس سے بھی بڑھ کر عذاب ہوگا۔

البتہ اگر یہ ڈاکو حکومت کے گھیرے میں آنے اور گرفتار ہونے سے پہلے پہلے اگر توبہ کرلیں اور رہزنی سے باز آجائیں تو ان سے حد (سزا) معاف ہو جائے گی اور اللہ ربّ العزّت بھی ان کے جرم کو معاف فرمادیں گے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱبْتَغُوٓا۟ إِلَيْهِ ٱلْوَسِيلَةَ وَجَٰهِدُوا۟ فِى سَبِيلِهِۦ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

”وسیلہ“ کے اَحکام

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو تین چیزوں کا حکم فرمایا ہے:

۱۔ تقویٰ اختیار کرو۔

۲۔ اللہ ربّ العزّت کا قرب تلاش کرو۔ ”وسیلہ“ کا معنی ہے: ”قرب حاصل کرنے کا ذریعہ“ اور اللہ ربّ العزّت کا قرب ایمان اور نیک اعمال کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، اسی لیے انہیں ”وسیلہ“ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر ہمارے عرف میں معروف ”وسیلہ“ کا تذکرہ کیا جاتا ہے، ہر چند کہ اس معروف وسیلے کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں، تاہم مسئلے کی وضاحت عرض کی جارہی ہے۔

''وسیلہ'' کی دو صورتیں ہیں

۱۔توسل بالاعمال: اپنے کسی نیک عمل کا واسطہ دے کر اللہ ربّ العزّت سے دُعا کرنا، اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

۲۔توسل بالذات: کسی کی شخصیت کا واسطہ دے کر اللہ ربّ العزّت سے دُعا کرنا، اس کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم جدا ہے:

۱۔توسل کی ایک صورت لوگوں میں یہ رائج ہے کہ اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے بجائے بزرگوں سے منظور کرانے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کی رسائی خدا تعالیٰ کے دربار میں نہیں ہوسکتی، اس لیے ہمیں جو درخواست کرنی ہے، اللہ کے مقبول بندوں کے سامنے پیش کریں اور جو کچھ مانگنا ہے ان سے مانگیں، اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مرادیں پوری کرنے کی قدرت دے رکھی ہے۔یہ وسیلہ خالصتاً شرک اور گمراہی ہے۔

۲۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر اللہ پاک کے دربار میں دُعا کی درخواست کرنا، جائز ہے۔
فقہائے احناف نے قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر استشفاع کو جائز قرار دیا ہے۔اسے شرک قرار دینا غلط ہے، البتہ صاحبِ قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا شرک ہے، اس کی شرعاً بالکل اجازت نہیں ہے۔

۳۔وسیلے کی ایک صورت یہ ہے کہ مانگے تو اللہ تعالیٰ سے لیکن اولیاء اللہ سے اپنے تعلق کا واسطہ دے کر دُعا کرے، مثلاً یوں کہے:

''اے اللہ! جتنی رحمت آپ کی اس بندہ پر متوجہ ہوتی ہے، اور جتنا قرب اس کو آپ کا حاصل ہے، اس کی برکت اور وسیلہ سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما، کیونکہ اس شخص سے آپ کا خاص تعلق ہے، اور مجھے اس سے محبت ہے۔'' وسیلے کی یہ صورت بھی جائز ہے۔

واضح رہے کہ وسیلہ سے دُعا مانگنا صرف جائز اور مباح ہے، فرض، واجب یا سنّت نہیں ہے۔ ہمارے جملہ سلاسل میں اس طرح دُعا مانگی جاتی ہے، علمائے دیوبند کا یہ متفقہ نظریہ ہے، ''المھند علی المفند'' میں بھی اسے جائز کہا گیا ہے۔
علامہ آلوسیؒ اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''لا اری باسًا فی التوسل الی اللہ تعالی بجاہ النبی حیًا ومیتًا'' یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب آپ کی زندگی اور بعد از وفات توسل اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔(روح المعانی: ۶/۱۲۸) حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں وسیلہ بالذات کا جائز ہونا تحریر فرمایا ہے۔(معارف القرآن: ج۳ص۱۲۸)

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

چور کی سزا

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے چوری کرنے والے مرد و عورت کی سزا بیان فرمائی ہے۔ چونکہ چوری کرنے والے ریاست اور شہریوں کے امن و تحفظ کے لیے خطرہ بنتے ہیں، اس لیے ان کو ایسی سزا دینا ضروری ہے جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں، چنانچہ فرمایا کہ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو، البتہ اگر کوئی مرد و عورت چوری کرنے کے بعد اپنے اس برے فعل سے توبہ کرلے اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کرلے تو اللہ ربّ العزّت اس کے یہ گناہ معاف فرمادیں گے اور آخرت میں اس سے مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے، البتہ دنیا میں اس پر چوری کی حد جاری ہوگی۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

خیبر کے یہودی اشرافیہ کی مستیاں

خیبر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا، دونوں شادی شدہ تھے، تورات کی مقرر کردہ سزا کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کرنا لازم تھا، مگر یہ دونوں کسی بڑے خاندان کے تھے، اس لیے یہودیوں نے اپنی عادت کے مطابق یہ چاہا کہ ان کی سزا میں نرمی کی جائے، ان کی عادت تھی کہ اگر کوئی مالدار یا طاقتور شخص کوئی جرم کرتا تو اسے معمولی سی سزا دے کر یا ویسے ہی چھوڑ دیتے، اور اگر کوئی غریب کسی جرم میں پکڑا جاتا تو اسے سخت سزائیں دیتے، بہرحال انہوں نے سوچا کہ ہماری شریعت میں تو اس کی سزا بہت سخت ہے، جبکہ اسلام میں بہت آسانیاں دی گئی ہیں، اس لیے اس معاملہ کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کروالیا جائے، چنانچہ انہوں نے بنی قریظہ کے لوگوں کو اپنا یہ پیغام پہنچادیا اور ان دونوں مجرموں کو بھی ساتھ بھیج دیا، اور ان کا منشا یہی تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ہلکی سزا جاری کریں تو مان لیا جائے ورنہ انکار کردیا جائے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم بتاؤ کہ تورات میں اس جرم کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے جھوٹ بول دیا کہ ہمارے ہاں سزا یہ ہے کہ ان کو کوڑے مار کر منہ کالا کرکے گدھے پر بٹھا کر بازار میں گھمایا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہوگیا تھا کہ اس کی سزا تورات میں سنگسار کرنا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا: تورات لاؤ! تورات

لائی گئی، یہودیوں کے بڑے عالم عبداللہ بن صوریا کو بلایا گیا، اس نے پڑھنا شروع کیا، رجم کی آیت چھوڑ گیا، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس کی چوری پکڑی اور فرمایا کہ اس نے درمیان کی آیت چھوڑ دی ہے، عبداللہ بن صوریا کو مجبوراً وہ آیت پڑھنی پڑی، اس میں سنگسار کرنے کا حکم تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تورات کے حکم کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کردیا جائے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اے نبی! جو لوگ کفر میں آگے بڑھتے ہیں، آپ ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں، خواہ وہ منافقین ہوں یا یہود، یہ لوگ جھوٹی اور غلط باتیں سننے کے عادی ہیں، یہ اپنے مذہبی پیشواؤں کے ایسے اندھے متبع ہیں کہ احکام تورات کی کھلی خلاف ورزی دیکھنے کے باوجود ان کی پیروی کرتے رہتے ہیں اور ان کی جھوٹی بیان کی ہوئی کہانیاں سنتے رہتے ہیں۔ ان کا دوسرا بڑا جرم یہ ہے کہ آپ کے پاس کسی دینی معاملہ کا حکم معلوم کرنے نہیں آتے بلکہ یہ دوسرے یہودیوں کے لیے جاسوسی کرنے آتے ہیں۔ اسی طرح ان کا ایک بڑا جرم یہ ہے کہ یہ تورات میں تحریف کرتے ہیں اور اس کے الفاظ ومعانی میں رد و بدل کردیتے ہیں، اور رشوت کی صورت میں حرام کھاتے ہیں، لہٰذا اے نبی! اگر یہ آپ کے پاس فیصلہ کروانے آئیں تو آپ کو مکمل اختیار ہے، اگر چاہیں تو فیصلہ فرمادیں اور چاہیں تو انکار فرمادیں، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اگر انہیں واقعی فیصلہ کرانا ہوتا تو یہ تورات سے فیصلہ کرلیتے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّـٰنِيُّونَ
وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَـٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟
بِـَٔايَـٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَـٰفِرُونَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ
ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ
قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ۝ وَقَفَّيْنَا
عَلَىٰٓ ءَاثَـٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَـٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ
وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ
فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَـٰسِقُونَ ۝ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ
ٱلْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَلَـٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِى مَآ
ءَاتَىٰكُمْ ۖ فَٱسْتَبِقُوا۟ ٱلْخَيْرَٰتِ ۚ إِلَى ٱللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَأَنِ ٱحْكُم
بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَٱحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنۢ بَعْضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن
تَوَلَّوْا۟ فَٱعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ لَفَـٰسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ
ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝

تین کتابیں......تین ادوار

دنیا میں تین باقاعدہ مذاہب موجود ہیں:

۱۔یہودیت: اس کی آسمانی کتاب تورات تھی۔

۲۔ عیسائیت: اس کی آسمانی کتاب انجیل تھی۔

۳۔اسلام: اس کی آسمانی کتاب قرآنِ کریم ہے۔

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان تینوں کتابوں کے ادوار کا تذکرہ فرمایا ہے اور ہر دور میں کتاب اللہ کی اتباع اور اس کی افادیت کو واضح فرمایا ہے۔

پہلا دور

پہلا دور تورات کا ہے۔تورات بہت عظیم الشان کتاب تھی، اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ کریم میں جابجا تورات کی اعلیٰ صفات کو ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا، نیز فرمایا کہ ہزاروں سالوں تک انبیاء علیہم السلام اور علمائے کرام اسی تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے، اللہ ربّ العزّت نے تورات کی حفاظت کا ذمہ انبیاء علیہم السلام اور علمائے کرام کو عطا فرمایا تھا، وہ کتاب اللہ کی حفاظت کا اقرار بھی کرتے تھے، انہیں حکم تھا کہ فیصلوں کے سلسلہ میں مخلوق سے نہ ڈرا کریں بلکہ اللہ ربّ العزّت کا ڈر اپنے دل میں رکھا کریں، اور اللہ ربّ العزّت کی آیات کو دنیا کے معمولی عوض کے بدلے میں فروخت نہ کریں، جو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، یعنی کتاب اللہ کے احکام پر اعتقاد نہیں رکھتے وہ کافر ہیں۔

فوجداری سزائیں

اسی تورات میں اللہ ربّ العزّت نے قصاص کا حکم بھی نازل فرمایا تھا جو شریعت اسلامیہ میں بھی برقرار رکھا گیا، اس حکم کے تحت اللہ ربّ العزّت نے یہ واضح فرمادیا کہ جس درجے کا جرم ہوگا، اتنے ہی درجہ سزا قصاص کے طور پر دی جائے گی، لہٰذا اگر کسی نے کسی کو جان سے مار دیا تو قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا، اگر کسی کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کی آنکھ پھوڑی جائے گی، ایسے ہی کان کے بدلے میں کان، دانت کے بدلے میں دانت تلف کیا جائے گا، اور باقی زخموں میں بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

دوسرا دور

تورات کے بعد انجیل کا دور آیا۔انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی، اللہ ربّ العزّت نے انجیل کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انجیل میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا، پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بھی تھی اور

تورات کے احکام کی تصدیق بھی تھی، انجیل کے نزول کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اہل کتاب کو حکم دیا کہ اب تم انجیل کے مطابق فیصلے کیا کرو، کیونکہ جو باری تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ نافرمان اور سرکش ہیں۔

تیسرا دور

تیسرا دور قرآنِ مجید کا ہے، جس کے متعلق ارشاد فرمایا: ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کی، یہ کتاب اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

"قرآن" تورات وانجیل کا محافظ!

انجیل کے بعد قرآنِ کریم کا دور آ گیا۔ یہ مقدس کتاب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اللہ رَبّ العزّت نے قرآن کی صفات بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی جو تورات وانجیل کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ بھی ہے، یعنی قرآنِ کریم نے تورات و انجیل کے مضامین کو اپنے اندر سمو کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے، ورنہ یہودی اور عیسائی تو تحریف کر کے تورات کے احکام ختم کر چکے تھے۔

فیصلے قرآن کے مطابق کیجیے!

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اے نبی! آپ اس قرآن مقدس کے مطابق فیصلے کیا کیجیے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے، نہ ان کی باتوں میں آیئے، ہر رسول کو اللہ رَبّ العزّت نے مستقل شریعت دے کر مبعوث فرمایا ہے، اور ہر امت پر اپنے رسول کی شریعت کی اتباع ہی فرض تھی، اسی طرح اللہ رَبّ العزّت نے آپ کو بھی مستقل شریعت عطا فرمائی ہے جس کی پیروی اس امت پر فرض ہے، اگرچہ بنیادی اور اصولی عقائد تو تمام انبیاء علیہم السلام کے ایک جیسے تھے لیکن فروعی احکام ہر شریعت کے جدا جدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے آپ اس قرآن کے مطابق فیصلے فرمایئے۔

خلافِ قرآن فیصلہ جاہلیت ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ کریم کے مطابق فیصلے کرنے کی ہدایت فرمانے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے یہود و منافقین کو تنبیہ فرمائی کہ وہ شہنشاہ مطلق کے حکم کو چھوڑ کر اپنی مرضی یا کسی اور کے حکم کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، جو دراصل جاہلیت کا فیصلہ ہے، یقین رکھنے والی قوم کے لیے اللہ رَبّ العزّت سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلافِ شریعت فیصلے بھی جاہلیت کا حصہ ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ

يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝

یہود و نصاریٰ کی دوستی سے بچو!

یہود و نصاریٰ کے کالے کرتوت بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں مسلمانوں کو ان سے دوستی اور قلبی تعلق رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! یہود و نصاریٰ کے ساتھ دلی دوستی نہ کرو، یہ کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، جو ان سے قلبی دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے شمار ہوگا، اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ ترک موالات کا اعلان کر دیا، البتہ جو منافقین تھے انہوں نے ان سے اپنا تعلق قطع نہیں کیا، اللہ ربّ العزّت نے ان کا شکوہ فرمایا کہ یہ روکنے کے باوجود یہودیوں سے دوستیاں رکھتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مشرکین و یہود کی سازش کامیاب ہو جائے اور مسلمان مغلوب ہو جائیں تو ہمارے لیے اس وقت مصیبت نہ ہو، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عنقریب یہ منافقین اپنے اس عمل پر شرمسار ہوں گے۔

کسی کے مُرتد ہونے سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا!

اس کے بعد اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے اور اسلام کو چھوڑ بیٹھے تو اس سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ سے متعلق پیشین گوئی

اللہ ربّ العزّت اس دین کی حفاظت کے لیے اس بات پر قادر ہے کہ ان مرتد ہو جانے والوں کے بدلے میں ایسی قوم کو اسلام لانے کی توفیق دے دے جو اللہ ربّ العزّت سے محبت رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتے ہوں گے، وہ مؤمنین کے لیے نرم اور کافروں کے مقابلے میں نہایت سخت ہوں گے، اللہ ربّ العزّت کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی کی ملامت کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔

جمہور مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ ان کے زمانہ خلافت میں مرتدین کا ایک فتنہ کھڑا ہوا تھا جس کی سرکوبی آپ نے نہایت دور اندیشی سے فرمائی۔

قلبی تعلق کن کے ساتھ رکھنا چاہیے؟

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ قلبی تعلق رکھنے سے منع فرمایا، آخری آیت میں یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کو گہری دوستی اور قلبی تعلق کن لوگوں سے رکھنا چاہیے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ مؤمنین کا حقیقی دوست اللہ ربّ العزّت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اور متقی پرہیزگار مؤمنین ہیں، جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور عاجزی کا پیکر ہوتے ہیں، یہی نیک لوگ اس لائق ہیں کہ ان سے دوستی رکھی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝

کفّار اور دین کا مذاق اُڑانے والوں سے دوستی نہ رکھو!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایک بار پھر اہل ایمان کو کفّار سے قلبی تعلق اور دلی لگاؤ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اور ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! ان لوگوں کو اپنا گہرا دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل اور تماشا بناتے ہیں، ان میں مشرکین و عام کفّار بھی شامل ہیں اور اہل کتاب بھی۔ ان کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ جب اذان کی آواز سنتے ہیں تو اس کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔

اَذان کا مذاق اُڑانے والے کا عبرتناک انجام

مدینہ منورہ میں ایک عیسائی تھا، وہ جب اذان میں ”اشهد ان محمدا رسول الله“ کے الفاظ سنتا تو کہتا تھا کہ ”احرق الله الكاذب“ اللہ اس جھوٹے کو جلا دے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کی اس گستاخی پر یہ سزا دی کہ ایک رات کو جب یہ سو رہا تھا، اس کا ملازم کسی کام سے آگ لے کر گھر میں آیا، اس کی چنگاری اڑ کر کسی کپڑے پر گر پڑی اور رفتہ رفتہ بھڑک اٹھی، جس سے سب کے سب گھر والے جل کر راکھ ہو گئے۔ (معارف القرآن)

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

یہود کی اخلاقی زبوں حالی اور ان کے علماء کا حال

ان آیات میں یہود کی اخلاقی گراوٹ کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے علماء و مشائخ کے احوال بھی ذکر

فرمائے۔ یہود کی اخلاقی گراوٹ کا یہ حال تھا کہ وہ ان میں سے اکثر ظلم اور گناہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اسی طرح حرام کھانے میں بھی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف ان کے علماء و مشائخ کا حال یہ ہے کہ وہ ان کو جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے منع ہی نہیں کرتے۔ ان دونوں کا طرزِ عمل بہت برا ہے۔

علماء کا فریضہ

علماء کا فریضہ ہے کہ وہ عوام کو حرام کھانے، جھوٹ بولنے اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کریں، انہیں نیکی اور تقویٰ کی ترغیب دیں، جو علماء یہ فریضہ سرانجام نہیں دیتے، وہ یہود کے ان علماء و مشائخ کی طرح مجرم گردانے جاتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا بار بار ذِکر کیوں؟

عموماً ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ قرآنِ کریم نے بار بار یہود و نصاریٰ اور گمراہ اقوام کا ذکر کیوں کیا ہے؟ آج کل تو کہا جاتا ہے کہ دوسرے کا مسلک چھیڑو نہیں، اپنا مسلک چھوڑو نہیں۔ دراصل قرآنِ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی تشکیل اور تاسیس کے لیے دو چیزوں کا اہتمام کیا ہے:

۱۔ اخلاقِ فاضلہ اُمت میں پیدا کیے جائیں، تاکہ اُمت اعلیٰ اوصاف کی حامل ہو۔

۲۔ اخلاقِ رذیلہ اور گندی خصلتوں سے اُمت کو محفوظ رکھا جائے۔

پہلے مقصد کے لیے جملہ احکام نازل فرمائے، اور دوسرے مقصد کے لیے یہود و نصاریٰ اور گمراہ اقوام کی رذیل عادات کو ذکر فرما کر ان کی بھرپور تردید فرمائی، تاکہ یہ گندی خصلتیں اُمت میں پیدا نہ ہوں اور اُمت ان سے محفوظ رہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ
يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ
لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ
النَّعِيمِ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن
تَحْتِ أَرْجُلِهِم ۚ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝

یہودیوں کی گستاخی

مدینہ کے یہود بہت مالدار اور صاحبِ وسعت تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دینِ حق قبول کرنے کی دعوت دی، جسے انہوں نے ٹھکرا دیا، تو اللہ ربّ العزت نے انہیں تنبیہ کرنے کے لیے تنگ دستی مسلط فرما دی، اس پر ان ظالموں کی زبان سے باری تعالیٰ کی شان میں نہایت گستاخانہ کلمات

نکلنے لگے، نباش بن قیس نامی شخص نے کہا کہ لگتا ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں (نعوذ باللہ)، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

اللہ رَبّ العزّت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہاتھ تو انہی کہنے والوں کے بندھیں گے اور ان پر لعنت ہوگی، جس کا اثر دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا، اللہ رَبّ العزّت کے ہاتھ تو ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں، اس کی سخاوت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، لیکن اس کا ہر فعل حکمت سے بھرپور ہوتا ہے، وہ حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہی خرچ فرماتے ہیں، جس پر مناسب سمجھتے ہیں وسعت فرماتے ہیں اور جس پر مناسب سمجھتے ہیں تنگدستی مسلط فرما دیتے ہیں۔ ان یہودیوں کا حال تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے نزول کے ساتھ ان کی سرکشی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ قرآنِ کریم بارش کی طرح ہے۔ گندی زمین پر بارش برسے تو اس سے گندگی میں اضافہ ہوتا ہے، اور اچھی زمین پر بارش سبزہ، پھل پھول اُگانے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ہم نے ان میں بغض و عداوت تا قیامت ڈال دیا ہے، یہ جنگ بھڑکانے اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اللہ رَبّ العزّت ان کی ہر چال ناکام فرما دیتے ہیں، کیونکہ وہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

ایمان کی برکات

اس کے بعد اہل کتاب کو ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ اہل کتاب اب بھی ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کرلیں تو ہم ان کے گناہ معاف فرما دیں گے اور انہیں نعمتوں سے بھرپور باغات اور جنتیں عطا فرمائیں گے۔ اسی طرح اگر یہ تورات، انجیل اور قرآن کی تعلیمات پر پورا پورا عمل کریں، اور اس میں کوئی کمی کوتاہی نہ برتیں تو ہم ان پر رزق کے دروازے ایسے کھول دیں گے کہ ان پر اوپر سے بھی رزق برسے گا اور نیچے سے بھی رزق ملے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم فرضِ منصبی بیان فرمایا ہے اور اس ضمن میں آپ کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ پر جو کچھ آپ کے رَبّ کی طرف سے نازل کیا جائے وہ سب کا سب بغیر کسی جھجک یا ڈر کے لوگوں تک پہنچا دیں، کوئی برا مانے یا خوش ہو، مخالفت کرے یا قبول کرے، اس سے آپ کو فرق نہیں پڑنا چاہیے، آپ کے ذمہ صرف ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے، اور اس سلسلہ میں کسی کی مخالفت یا ملامت کی پروانہ کیجیے اور نہ اس بات کا ڈر رکھیے کہ یہ آپ کو کوئی نقصان پہنچا دیں گے، آپ کی حفاظت کا ذمہ پروردگارِ عالم نے خود لیا ہے، وہ آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے چند صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے عام طور پر ساتھ لگے رہتے تھے، اور سفر وحضر میں آپ کی حفاظت کرتے تھے، اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہرہ کو ختم فرمادیا۔ (معارف القرآن)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝

عیسائیوں کے غلط عقائد

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے توحید کے متعلق غلط عقائد کو ذکر فرما کر ان کی تردید فرمائی۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ یعقوبیہ اس بات کا قائل تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی اللہ ہیں، یعنی اللہ رَبّ العزّت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں ایک ہیں، اللہ رَبّ العزّت نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ غلط عقیدہ اپنایا اور یہ کفریہ بات کہی ہے، وہ سب کافر ہوگئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کیسے ہوسکتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی تعلیم یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ رَبّ العزّت کی عبادت کی طرف بلاتے تھے اور انہیں صاف کہتے تھے کہ اللہ رَبّ العزّت میرے بھی رَبّ ہیں اور تمہارے بھی، نیز وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو اللہ رَبّ العزّت کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا، اس پر اللہ نے جنّت حرام کردی ہے اور جہنّم اس کا ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ان کے ایک فرقہ جس کا نام "ملکائیہ" تھا، کی تردید فرمائی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ خدا تین ہیں، یعنی اللہ رَبّ العزّت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام/حضرت جبرائیل علیہ السلام، اور یہ تینوں مل کر ایک ہیں، یہ عقیدہ جس طرح توحید کے خلاف ہے اسی طرح عقل کے بھی خلاف ہے۔ اللہ رَبّ العزّت نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں سے ایک ہے، وہ بھی کافر ہیں، معبود ایک ہی ہے، اگر یہ اس شرکیہ و کفریہ دعوے سے باز نہ آئے تو ایسے کافروں کے لیے دردناک عذاب ہوگا، یہ لوگ توبہ کریں اور اللہ رَبّ العزّت سے اس برے عقیدے سے معافی مانگیں۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت کی تردید ایک خاص انداز میں فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (خدا یا خدا کا جزء نہیں ہیں، بلکہ وہ) تو ایک رسول ہیں، جس طرح ان سے پہلے بہت سے رسول گزرے ہیں، اور ان کی والدہ بھی (خدا یا خدا کا جزء نہیں، بلکہ ایک) سچی اور ولی خاتون ہیں، یہ دونوں خدا نہیں تھے، ان کے خدا نہ ہونے کے دلائل میں سے ایک سادہ سی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ دونوں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام) کھانا کھایا کرتے تھے، جبکہ خدا کھانا کھانے سے پاک ہے، اے نبی! آپ ان سے فرما دیجیے کہ کیا تم خدائے قادر و مطلق کو چھوڑ کر ایسی مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان۔ اور آپ اہل کتاب سے بھی فرما دیجیے کہ غلو نہ کرو، یعنی حد سے تجاوز نہ کرو، اور صرف حق اور سچ بات کیا کرو، شرک سے باز آؤ، ورنہ تم بھی گمراہ لوگوں کے زمرے میں آجاؤ گے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ
كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (٦)
لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

یہودیوں پر اللہ کی لعنت کا سبب

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کے انجام اور ان کی ہلاکت کے اسباب کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کے برے عقائد اور اعمال کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت کے متعدد انبیاء علیہم السلام نے ان پر لعنت فرمائی، جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس آیت میں موجود ہے، اس لعنت کا دنیوی نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ ان کی صورتیں مسخ ہو کر خنزیر اور بندر بن گئے۔

اس لعنت کے اسباب بیان کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ:

۱۔ یہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے۔

۲۔ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔

۳۔ ایک دوسرے کو برے کاموں سے منع نہیں کرتے تھے۔

یہ ان کے اسلاف کا حال تھا، ان کے اخلاف بعد والوں کا حال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مشرکین سے دوستی رکھتے ہیں، مسلمانوں کے خلاف ان سے گٹھ جوڑ کرتے ہیں اور بہت برے اعمال کے مرتکب ہیں، اللہ ربّ العزّت ان سے ناراض ہیں اور یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

مسلمانوں کے سخت ترین دشمن کون ہیں؟

مندرجہ بالا آیات میں سے آخری آیت (جو اس پارے کی بھی آخری آیت ہے) میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے سب سے سخت دشمن یہود اور مشرکین ہیں۔ جبکہ ان کی بنسبت عیسائی اپنے دلوں میں مسلمانوں کے لیے کچھ نرم گوشہ رکھتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان عیسائیوں میں بہت سے علم دوست صاحب علم حضرات، اور بہت سے دنیا سے کٹے ہوئے درویش موجود ہیں، اور ایک وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔

مسخ شدہ عیسائیت

واضح رہے کہ مذکورہ آیت میں عیسائیوں کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے، یہ آج کے عیسائیوں میں نہیں ہیں، اس لیے کہ یہ تین اوصاف آج کے عیسائیوں میں بالعموم نہیں پائے جاتے، آج کے عیسائی متکبر اور دُنیا پرست ہیں۔

آج ہمیں جن عیسائیوں سے واسطہ ہے، یہ حقیقت میں وہ عیسائی نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہیں، ان کی اکثریت تو فکر و عمل کے اعتبار سے یہود کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے، بے شمار ایسے ہیں، جو ملحد اور بے دین ہیں، صرف نام کے عیسائی ہیں، باقی جو بچے ہیں، وہ مسخ شدہ عیسائیت پر عمل پیرا ہیں، حقیقی نصرانیت کہیں بھی نہیں۔

پارہ نمبر ۷

یہ پارہ سورۃ المائدہ کے بقیہ حصے اور سورۃ الانعام کے اکثر حصے پر مشتمل ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا
مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

حقیقی نصاریٰ پر قرآن کی سحر انگیزی

گزشتہ پارے کے آخر میں یہ ذکر ہوا تھا کہ جو حقیقی نصاریٰ ہیں، ان میں چونکہ اہل علم اور تارک دنیا لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ان میں تکبر بھی نہیں ہوتا، اسی لیے وہ یہود و مشرکین کی بنسبت مسلمانوں کے کچھ قریب ہوتے ہیں، ان آیات میں بھی انہی حقیقی نصاریٰ کی ایک اور حالت کا بیان ہے کہ جب ان کے سامنے قرآنِ کریم کی آیات کی تلاوت کی جائے تو وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پاتے اور بے اختیار ان کی آنکھیں چھلکنے لگتی ہیں اور وہ حق کو پہچان کر اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ وصف بھی آج کے عیسائیوں میں موجود نہیں ہے!

یہ آیت حبشہ کے بعض نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی، جن میں حبشہ کا بادشاہ نجاشی وغیرہ شامل ہیں۔ مسلمانوں نے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف کی تھی، جس کا مختصر پس منظر درج ذیل ہے:

ہجرتِ حبشہ

مکہ والوں نے جب اہل اسلام پر ظلم کا بازار گرم کر دیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کی اجازت دی اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ وہاں کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا ہے۔ حبشہ افریقہ کا ایک ملک ہے، یہاں کے بادشاہوں کا لقب نجاشی ہوا کرتا تھا، پہلے مرحلہ میں گیارہ مرد پانچ عورتوں نے ہجرت کی، جن میں حضرت عثمانؓ اور ان کی اہلیہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیّدہ رقیہؓ بھی شامل تھیں، پھر اس کے بعد تقریباً ۸۲ مرد اور ۱۸ عورتوں نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں حبشہ کی طرف ہجرت کی، مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ مسلمان حبشہ میں جا کر سکون سے رہ رہے ہیں تو انہیں بہت پریشانی ہوئی، انہوں نے ایک وفد تشکیل دیا، جو شاہِ حبشہ کے پاس پہنچا اور اس کو شکایت کی کہ ہمارے کچھ بھگوڑے اور مجرم اپنا مذہب چھوڑ کر آپ کی سلطنت میں پناہ گزین ہیں، ان کو ہمارے حوالے کر دیں، جناب نجاشی نے یک طرفہ بات سن کر حوالگی سے انکار کر دیا، اور صحابہ کرام کو بلوا بھیجا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت حضرت جعفر طیارؓ کو متکلم بنا کر پیش ہوئی، پھر حضرت جعفر طیارؓ نے بڑی فصیحانہ، بلیغانہ تقریر فرمائی اور سورتِ مریم کی تلاوت کی، تو جناب نجاشی کی آنکھوں سے آنسو چھم چھم بہنے لگے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور حبشہ والوں کو اس کا علم ہو گیا، تو حبشہ میں جو مسلمان گئے ہوئے تھے، وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، نجاشی نے بھی ستر آدمیوں کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور بعد میں نجاشی خود بھی مسلمان ہو گئے، یہ ستر نومسلم تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن سنایا، قرآن سن کر ان کی آنکھوں سے آنسوں رواں دواں ہو گئے، اور روتے روتے کہنے لگے کہ ہم کیوں اللہ رَبّ العزّت نے اور اس کے نازل کردہ دین پر ایمان نہیں لائیں گے، حالانکہ ہمیں بھی جنّت کی طلب اور آرزو ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے جنّت تیار کر رکھی ہے جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، جبکہ کُفّار کے لیے جہنّم کا دردناک عذاب ہوگا۔

ان آیات سے بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرکین مکہ آپ کے کھلے دشمن اور یہود آپ سے بغض و حسد اور عناد رکھنے والے تھے، جبکہ اس زمانہ کے عیسائیوں میں حق قبول کرنے کی استعداد زیادہ تھی، اس لیے کہ حق قبول کرنے سے تین چیزیں مانع ہوتی ہیں: ۱۔ جہالت۔ ۲۔ حُبِ دُنیا اور حُبِ جاہ۔ ۳۔ حسد و تکبر، جبکہ عیسائیوں میں علم بھی تھا، جس کی شہادت "قسیسین" میں دی گئی، اور حُبِ دُنیا و بغض و تکبر سے بھی خالی تھے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکاتیب کے بعد شاہانِ عالم میں سے مقوقس مصر، قیصر روم اور نجاشی حبش کا رویہ اہلِ اسلام کے ساتھ کس قدر بہتر تھا، لیکن اب

عیسائیوں میں نہ علم ہے اور نہ ہی وہ تارک دنیا ہیں بلکہ تکبّر اور حُبِ دُنیا سے لبریز ہیں، لہٰذا آج کے عیسائیوں پر یہ آیات منطبق نہیں ہوتیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحَرِّمُوۡا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ۝ وَکُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡۤ اَنۡتُمۡ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ۝

حلت وحُرمت کا اِختیار صرف اللہ کو ہے

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ایک بار پھر وہی مضمون بیان فرمایا جو اس سورت کے آغاز میں ذکر کیا تھا، چنانچہ اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے اہلِ ایمان! اللہ رَبّ العزّت کی حلال کردہ پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، اور حد سے تجاوز نہ کرو، اور جو پاکیزہ چیزیں اللہ رَبّ العزّت نے تمہیں عطا فرمائی ہیں ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ آیت میں حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

۱۔ رہبانیت کے طور پر حلال کو حرام نہ کرو، رہبانیت دراصل نیکی کے ہیضے اور غلو کا نام ہے، یہ عیسائیوں کا عام طریقہ تھا، اس سے اللہ رَبّ العزّت نے منع فرمایا۔

۲۔ طیبات کے استعمال میں بے اعتدالی سے نکل کر لذات وشہوات میں منہمک نہ ہو جاؤ، یہ یہودیوں کا عام طریقہ تھا۔

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا عَقَّدۡتُّمُ الۡاَیۡمَانَ ۚ فَکَفَّارَتُهٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیۡنَ مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ اَهۡلِیۡکُمۡ اَوۡ کِسۡوَتُهُمۡ اَوۡ تَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ ؕ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِکَ کَفَّارَۃُ اَیۡمَانِکُمۡ اِذَا حَلَفۡتُمۡ ؕ وَاحۡفَظُوۡۤا اَیۡمَانَکُمۡ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمۡ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۝

قسم سے متعلّق شرعی اَحکام

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے قسم سے متعلّق شرعی احکام اور قسم کا کفّارہ بیان فرمایا ہے۔

قسم کی اقسام

قسم تین طرح کی ہوتی ہے:

۱۔ **یمین لغو**: اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ماضی کے کسی کام پر قسم اٹھالے اور وہ قسم میں خود کو سچا سمجھتا ہو جبکہ واقع میں وہ بات غلط ہو، مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں نے فلاں کام کیا تھا، اور اس کا خیال بھی یہی ہو کہ میں نے وہ کیا تھا، جبکہ درحقیقت کام نہ کیا ہو، تو اس طرح کی بھول چوک اور مغالطہ کی بنا پر قسم کھانے کو یمین لغو کہا جاتا ہے، بعض اہلِ علم کے نزدیک

بطور تکیہ کلام اٹھائی جانے والی قسم بھی یمین لغو شمار ہوتی ہے، ایسی قسم کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اس پر نہ دنیا میں مواخذہ ہے اور نہ ہی آخرت میں، یعنی ایسی قسم کا گناہ بھی نہیں ہے اور اس پر کفّارہ بھی لازم نہیں ہوتا۔

۲۔ **یمین غموس**: اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ماضی کے کسی کام پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھالے، مثلاً کسی آدمی نے کوئی کام کیا ہو، اور جب اس سے پوچھا جائے تو وہ مکر جائے اور جھوٹی قسم اٹھادے کہ میں نے وہ کام نہیں کیا، اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔ اس طرح قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے اور دنیا و آخرت میں وبال کا باعث ہے، البتہ اس پر کوئی کفّارہ لازم نہیں ہوتا، توبہ و استغفار کرنا ضروری ہے۔

۳۔ **یمین منعقدہ**: سے مراد مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانا ہے، مثلاً: اللہ کی قسم میں یہ کام کروں گا، اور پھر نہیں کیا، یا اللہ کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا اور پھر کرلیا، اس طرح کی قسم کھانے کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ قسم حرام اور ناجائز کام کی نہ اٹھائی ہو تو اس کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور بلاوجہ قسم کو توڑنا نہیں چاہیے، اور اگر یہ قسم کسی گناہ اور ناجائز کام پر اٹھائی گئی ہو مثلاً کوئی قسم اٹھالے کہ میں بیوی سے ساری زندگی نہیں بولوں گا، میں بیٹے سے ساری زندگی بات نہیں کروں گا، تو اس قسم کا توڑنا اور کفّارہ ادا کرنا لازم ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جس نے کسی کام پر قسم اٹھائی، پھر معلوم ہوا کہ بہتری اس میں نہیں ہے، تو اس قسم کو توڑ دے اور کفّارہ ادا کرے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۵۰)

قسم توڑنے کا کفّارہ

اگر کسی شخص نے یمین منعقدہ اٹھائی اور وہ حانث ہوگیا یعنی وہ کام نہ کرسکا جس پر قسم اٹھائی تھی، تو اس پر کفّارہ لازم ہے۔ کفّارہ کی تفصیل مندرجہ بالا آیت میں ذکر کی گئی ہے جو درج ذیل ہے:

کفّارہ تین کاموں میں سے کسی ایک سے ادا ہوسکتا ہے:

۱۔ دس مسکینوں کو دو وقت اوسط درجے کا پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔

۲۔ دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دے دیا جائے، کم از کم ایک چادر ناف سے نیچے تک ہو۔

۳۔ غلام آزاد کر دیا جائے۔

اگر کوئی شخص ان تینوں کاموں پر قادر نہ ہو، یعنی دس مسکینوں کو کھانا بھی نہ کھلا سکے، کپڑا بھی نہ دے سکے اور غلام بھی آزاد نہ کرسکے، جیسا کہ آج کل غلام نہیں پائے جاتے تو اس صورت میں قسم کا کفّارہ یہ ہے کہ تین دن روزے رکھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿۹۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۹۲﴾

جوا اور شراب شیطانی اعمال اور ان کی حرمت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے چند شیطانی اعمال ذکر فرما کر ان سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر ناپاک اور شیطانی اعمال ہیں، ان سے بچو، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنیاں اور بغض پیدا کر دے اور تمہیں نماز اور اللہ ربّ العزّت کے ذکر سے روک دے، اس لیے تم ان سب شیطانی اعمال سے باز آؤ اور صرف اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اگر تم ان کی اطاعت سے روگردانی کرو گے تو اس کا وبال تم پر ہی پڑے گا۔

شراب کی حرمت تدریجاً ہوئی ہے!

زمانہ جاہلیت میں عرب میں شراب بہت زیادہ پی جاتی تھی، شراب کے ساتھ عرب کا رشتہ اس قدر مضبوط تھا کہ وہ اپنے اشعار اور دیوانوں میں شراب کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے شراب کو یکلخت حرام قرار نہیں دیا، بلکہ تدریجی طور پر شراب کی نفرت ان کے ذہنوں میں بٹھائی اور مختلف مراحل میں شراب حرام کر دی گئی۔ چنانچہ سب سے پہلے سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ: ''قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا''، یعنی اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں کا گناہ بہت بڑا ہے اور اس میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد سورۂ نساء میں شراب کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت بیان فرما دی، اور اب اس سورت میں شراب کو واضح طور پر حرام قرار دے کر اس سے اجتناب کا حکم فرما دیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بے مثال فرمانبرداری

پیغمبر اسلام نے صحابہ کرام کی ایسی ذہن سازی فرمائی اور ان میں ایسا اطاعت کا جذبہ پیدا کیا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے جس چیز کے رسیا تھے، اس کی حرمت کا حکم آنے کے بعد انہوں نے شراب کو ہاتھ تک لگانے سے گریز کیا، چشم فلک نے دیکھا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی، مٹکے توڑ دیے گئے تھے، میخانے ویران ہو گئے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ان کے دل میں شراب کی نفرت بٹھا کر انہیں عشق نبوی کے نشے سے مخمور کر دیا۔

جوئے کے تیروں کی تفصیل اس سورت کے شروع میں گزر چکی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ

فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ
وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

حالتِ احرام میں شکار

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم شکار کے ذریعہ تمہارا امتحان لیں گے۔ یہودیوں سے بھی اللہ ربّ العزّت نے امتحان لیا تھا، لیکن انہوں نے اس میں حیلے شروع کر دیے اور اس میں ناکام ہو گئے۔ امتحان یہ ہے کہ تم پر حالت احرام میں شکار کرنا حرام قرار دیا جا رہا ہے، لیکن وہاں شکار تمہارے سامنے سے گزریں گے، تمہارے نیزوں کی حدود میں ہوں گے، لیکن تم نے انہیں پکڑنا ہے اور نہ شکار کرنا ہے، اور یہ امتحان اس لیے لیا جا رہا ہے تاکہ اللہ ربّ العزّت دنیا والوں کو دکھا دیں کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، اور جو اس امتحان میں ناکام ہوگا، اس کے لیے سزا مقرر ہے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت بیان فرما دی اور واضح لفظوں میں ارشاد فرمادیا کہ اے اہل ایمان حالت احرام میں شکار نہ کرو۔

شکار کرنے کی جزا

حالت احرام میں شکار کی ممانعت ذکر کرنے کے بعد یہ ذکر فرمایا گیا کہ اگر کسی شخص نے حالت احرام میں شکار کر لیا تو اس کی کیا سزا ہے؟ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص حج یا عمرے کے احرام میں جان بوجھ کر یا بھول کر خشکی کا شکار مار ڈالے، تو اس کی جزا واجب ہے۔ اور جزاء یہ ہے کہ جہاں شکار کیا گیا ہے وہاں کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائی جائے اور یہ قیمت لگانے والے دو تجربہ کار اور دین دار آدمی ہوں۔ پھر شکار کرنے والے کو درج ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا اختیار ہے:

۱۔ شکار کی قیمت میں جو پالتو جانور آسکتا ہو، اس کو "ہدی" بنا کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کرے اور اس کا گوشت غریبوں میں بانٹ دے۔

۲۔ اس قیمت کا گیہوں، غلہ وغیرہ خریدے اور صدقہ فطر کے بقدر ہر غریب کو دے، حرم ہی کے غریب کو دینا ضروری نہیں۔

۳۔ ہر فطرہ کے بدلے یعنی جتنے مسکینوں کا کھانا بنتا تھا اتنے دنوں کے روزے رکھے، یہ روزے بھی حرم میں رکھنا ضروری نہیں۔

حالتِ احرام میں بحری شکار حلال ہے!

پیچھے جو تفصیل گزری یہ سب خشکی کے شکار سے متعلق ہے۔ سمندری اور بحری شکار یعنی مچھلی وغیرہ پکڑنا حالت احرام میں بالکل جائز اور حلال ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

امن واطمینان کے چار ذرائع

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے چار چیزوں کو لوگوں کے قیام وبقاء اور امن واطمینان کا سبب بتایا ہے:

۱۔کعبہ۔ ۲۔حرمت والے مہینے۔ ۳۔ہدی۔ ۴۔قلائد۔

کعبہ سے مراد بیت اللہ ہے جو مسجد حرام میں واقع ہے، اللہ ربّ العزّت نے کعبہ کو پورے عالم انسانیت کے قیام وبقاء اور امن وسکون کا ذریعہ بنا دیا ہے، روحانی طور پر بھی کعبہ ہمارے قیام وبقاء کا ذریعہ ہے، کعبہ سے ہماری عبادات وابستہ ہیں، نماز کے لیے کعبہ کی طرف رخ کرنا شرط قرار دیا گیا ہے، اگر کعبہ کی طرف رخ نہ کیا جائے تو نماز نہیں ہوتی، اسی طرح حج اور عمرہ جیسی عظیم عبادات بھی کعبہ سے وابستہ ہیں، تو کعبہ سے ہماری روحانی زندگی کا قیام اور بقاء وابستہ ہے۔

اسی طرح ہماری دنیوی زندگی کے لیے کعبہ امن وسکون اور قیام و بقاء کا باعث ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ازل سے کعبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد ومسکن بننے کے لیے منتخب کیا ہوا تھا، یہیں سے طلوع اسلام ہوا اور دنیا بھر کو عقائد، اخلاق اور علوم یہیں سے ملے، گویا یہ اسلام کا مرکز ہے، اسی کی برکت سے اسلام قائم رہے گا، کوئی بھی چیز مرکز کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، لہٰذا دنیا کعبہ کے احترام، حج، عمرہ اور طواف کے ساتھ قائم ہے، جب کعبہ کی آبادی اور خود کعبہ نہ رہے گا تو قیامت قائم ہوجائے گی۔ حدیث میں ہے کہ قرب قیامت میں ایک سیاہ فام حبشی کعبہ کو گرا دے گا، اس کا ایک ایک پتھر الگ کردے گا، اس کے بعد قیامت قائم ہوجائے گی۔ (صحیح بخاری:۹۶،۱۵۹۵)

کعبہ کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اشہر حرام یعنی حرمت والے مہینوں کا تذکرہ فرمایا، ان مہینوں میں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب شامل ہیں، ان کا تفصیلی تذکرہ سورۂ توبہ میں ذکر کیا جائے گا۔

اس کے بعد ہدی کا ذکر فرمایا۔ ہدی اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کی قربانی حرم شریف میں کی جائے، ایسے جانور جس شخص کے ساتھ ہوں، عام عرب کا معمول تھا کہ اس کو کچھ نہیں کہتے تھے، وہ امن وامان کے ساتھ سفر کرتا تھا۔

اس کے بعد قلائد کا ذکر فرمایا۔ قلائد، قلادہ کی جمع ہے، جو گلے کے ہار کو کہتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں عرب کی رسم تھی کہ جو شخص حج کے لیے نکلتا قربانی کے جانوروں کے گلے میں ہار ڈال دیتے تھے، جو اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ یہ جانور حرم میں قربان ہوں گے، بعض اوقات حج کے لیے جانے والے حضرات بھی اپنے گلے میں کوئی ہار بطور علامت کے ڈالا کرتے تھے تاکہ وہ راستے کے خطرات سے مامون ہوسکیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ مَا

جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝

بے جا سوال کرنے کی ممانعت

ان آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو بے جا سوالات اور فضول تحقیق کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے کسی سوال کی وجہ سے تم پر مشقت آپڑے، کیونکہ قرآنِ کریم نازل ہو رہا تھا، اگر کسی کے کسی ایسے سوال پر جس کو شریعت نے مبہم رکھا تھا، کوئی مشکل حکم آگیا، تو اس پر عمل کرنے میں مشکل اور دشواری ہو جائے گی۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی فرضیت کا اعلان فرمایا، تو ایک صحابی جن کا نام اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھا، نے سوال کیا: یا رسول اللہ! کیا ہمارے ذمہ ہر سال حج فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، انہوں نے پھر پوچھا، آپ نے دوسری مرتبہ بھی جواب نہ دیا، انہوں نے تیسری مرتبہ پھر سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کے ساتھ تنبیہ فرمائی کہ اگر میں تمہارے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو ایسا ہی ہو جاتا اور پھر تم اس کو پورا نہ کر سکتے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن چیزوں کے متعلق میں تمہیں کوئی حکم نہ دوں، ان کو اسی طرح رہنے دو، ان میں کھود کرید کر کے مزید سوالات نہ کرو، تم سے پہلے بعض امتیں اسی کثرت سوال کے ذریعہ ہلاک ہو چکی ہیں۔ تمہارے ذمہ بس یہ ہے کہ جس کام کا میں حکم دوں، اس کو پورا کرو، اور جس چیز سے روک دوں، اس کو چھوڑ دو۔ (معارف القرآن)

رُسومِ جاہلیت کی تردید

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ایک بار پھر کفار کے ایک غلط طرزِ عمل کو ذکر فرما کر اس کی تردید فرمائی، کفارِ مکہ نے مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ **بحیرہ**: اس جانور کو کہتے تھے جن کا دودھ مشرکین بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے اور کوئی ان کا دودھ اپنے کسی کام میں نہیں لاتا تھا۔

۲۔ **سائبہ**: وہ جانور جسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اسے نہ کوئی ذبح کرتا تھا، نہ کوئی پکڑتا تھا، اور نہ باندھتا تھا۔

۳۔ **وصیلہ**: وہ اونٹنی جو دو دفعہ مسلسل مادہ بچہ جنے، درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہوا ہو، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

۴- **حام**: وہ نر اونٹ جو ایک خاص عدد میں جفتی کر چکا ہو، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

اللہ رَبّ العزّت نے ان چاروں کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے ان چاروں کو حرام نہیں قرار دیا، بلکہ یہ ان کُفّار و مشرکین کی اپنی کارستانیاں ہیں، یہ اللہ رَبّ العزّت پر جھوٹ باندھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بالکل بے عقل ہیں۔ آج کل بھی گلیوں میں آوارہ گائے پھر رہی ہوتی ہیں، جن سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا اور انہیں پیروں کے نام پر چھوڑا گیا ہوتا ہے، یہ بھی اسی قسم میں داخل ہیں۔ یہ سب شرکِ فعلی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ
اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ
الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا
لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ
الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى
اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

غریب الدیار صحابی کی وفات اور پیالے کی چوری

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ "بدیل" نامی ایک شخص جو مسلمان تھا، دو رفقاء "تمیم اور عدی" کے ساتھ جو اس وقت عیسائی تھے، تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گیا، شام پہنچ کر بدیل بیمار ہو گیا، اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے سامان میں رکھ دی، اور اپنے دونوں ساتھیوں کو اطلاع نہ کی، جب مرض زیادہ بڑھا تو اس نے ان دونوں ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا سارا سامان میرے ورثاء کو پہنچا دینا، انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالے کر دیا، مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش و نگار تھا، اس میں سے نکال لیا، وارثوں کو سامان میں سے فہرست ملی تو انہوں نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا میّت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا اپنے علاج معالجہ میں کوئی خرچ کیا تھا، دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا، ورثاء نے چاندی کے پیالے سے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، اس پر یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، چونکہ ورثاء کے پاس گواہ نہیں تھے، جبکہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق مدّعی کے ذمہ گواہ لانا لازم ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں عیسائیوں سے قسم لی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی، انہوں نے قسم کھالی، جس پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا، کچھ عرصہ بعد مکہ مکرمہ کے ایک سنار کے پاس وہ پیالہ پایا گیا، جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میں نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے، اب یہ مقدمہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلا کر تحقیق کی، تو انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ بدیل سے خرید لیا تھا، مگر چونکہ گواہ نہیں تھے، اس لیے اظہار نہیں کیا۔ میت کے ورثاء نے ان کی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، چونکہ ان کے

پاس گواہ نہیں تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے ورثاء میں سے دو افراد سے قسم لی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فیصلہ فرما دیا اور تمیم وعدی سے ہزار درہم وصول کیے گئے۔ (معارف القرآن)

اَحکامِ وصیت

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے وصیت سے متعلّق چند احکام اور قوانین بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو وہ قابل وصیت امور کے بارے میں وصیت کر جائے اور اس کے لیے وصیت کے وقت دو عادل اور نیک افراد کو گواہ بنا دے، تاکہ کل کو اگر کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو ان کی گواہی کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکے۔

شریعت اسلامیہ میں وصیت کا قانون اس لیے بنایا گیا ہے کہ قانون میراث کی رو سے جن عزیزوں کو میراث میں حصہ نہ پہنچ رہا ہو اور وہ مدد کے مستحق ہوں، مثلاً کوئی یتیم پوتا یا پوتی موجود ہے یا کسی بیٹے کی بیوہ مصیبت زدہ ہے یا کوئی بھائی یا بہن یا کوئی دوسرا عزیز سہارے کا محتاج ہے تو وصیت کے ذریعہ اس شخص کی مدد کی جائے۔

اگرچہ وصیت کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں، لیکن بعض اوقات وصیت کرنا افضل وبہتر ہوتا ہے، وصیت کے لیے شریعت نے ایک خاص حد مقرر فرمائی ہے جس سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اور وہ کل مال کی ایک تہائی ہے، اگر کسی شخص نے اپنے مال کی ایک تہائی کی وصیت کی تو ورثاء کے ذمہ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ
يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي
الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ
بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ
كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

قیامت کی ہولناکی

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے قیامت کے مختلف مناظر ذکر فرما کر اس دن کی ہولناکی کو واضح فرمایا ہے۔ اس دن اللہ رَبّ العزّت تمام انبیاء و رسل کو جمع کر کے ان سے سوال کریں گے کہ آپ کی امتوں نے آپ کو کیا جواب دیا تھا؟ انبیاء علیہم السلام اس وقت انتہائی خوف وخشیت اور ہیبت کی وجہ سے کلام نہ کر سکیں گے، سب کی زبانوں پر نفسی نفسی ہوگا، اس لیے وہ کہیں گے کہ اے اللہ! ہمیں کوئی علم نہیں، آپ ہی غیب جاننے والے ہیں، بعد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ رَبّ العزّت کی رحمت متوجہ ہوگی تو انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے احوال بیان فرمائیں گے۔

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ ربّ العزّت کے اِحسانات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے چند مخصوص انعامات کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ ربّ العزّت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمائیں گے: اے عیسیٰ! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے آپ پر اور آپ کی والدہ پر کی ہیں، مثلاً میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی امداد اور تائید فرمائی، ایک انعام یہ تھا کہ آپ نے گہوارے اور ماں کی گود میں بھی لوگوں سے کلام کیا اور ادھیڑ عمر میں بھی آپ لوگوں سے بات کریں گے (اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی طرف اشارہ ہے) اور ہم نے آپ کو کتاب وحکمت یعنی آسمانی کتابوں اور عقل وسمجھ کی باتوں کی اور خاص طور پر تورات وانجیل کی تعلیم دی، اور آپ کو مختلف معجزات عطا فرمائے، آپ مٹی سے پرندے کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو کر اڑنے لگ جاتا، آپ مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو ٹھیک کر دیتے ہیں، مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں، یہ سب درحقیقت میری قدرت ہے، اور میرا ایک انعام یہ بھی ہے کہ جب یہود آپ کو قتل کرنے کے درپے تھے تو ہم نے آپ کی حفاظت کی۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

آسمان سے دسترخوان کا نزول

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ایک مطالبہ کو ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ اللہ ربّ العزّت سے دُعا کریں کہ ہمارے لیے آسمان سے ایک سجا سجایا دسترخوان اتار دیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، ایسے مطالبے نہ کرو، انہوں نے کہا کہ ہم یہ مطالبہ اس لیے کر رہے ہیں تاکہ ہم اللہ ربّ العزّت کی نعمت کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان نصیب ہو اور ہم آپ کی نبوت ورسالت کی مزید یقین کے ساتھ تصدیق کر سکیں، اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دُعا کی کہ اے اللہ ہمارے لیے آسمان سے دسترخوان نازل فرما، تاکہ وہ ہمارے لیے اور ہمارے بعد والوں کے لیے خوشی کا ذریعہ بن جائے اور آپ کی طرف سے یہ میری نبوت ورسالت کی علامت اور نشانی ہوگی۔ اللہ ربّ العزّت

نے ارشاد فرمایا کہ میں آپ کی دُعا قبول فرما کر آسمان سے دسترخوان اتار دوں گا، لیکن اگر اس کے بعد ان میں سے کسی نے کُفر کیا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب ان کے علاوہ کسی کو نہیں ملے گا۔

اس کے بعد وہ دسترخوان نازل ہوا یا نہیں؟ قرآن پاک نے اس بارے میں کوئی صراحت نہیں کی، البتہ مفسرین کرام کے نزدیک وہ دسترخوان نازل ہوا تھا، اس میں روٹی اور گوشت تھا، اور انہیں حکم دیا گیا کہ اس میں سے کھاتے رہیں، مگر اگلے دن کے لیے بچا کر نہ رکھیں، ان لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور اگلے دن کے لیے بچا کر رکھ دیا، جس کی وجہ سے ان کی شکلیں مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بنا دیے گئے، اور تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے۔

''حواری'' سے کیا مُراد ہے؟

حواریین حواری کی جمع ہے، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے، ان کی تعداد تقریباً ستر یا اسی تھی۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

عدالتِ الٰہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشی

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے روزِ محشر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیے جانے والے سوال و جواب کو ذکر فرمایا ہے۔

اللہ رَبّ العزّت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ کیا آپ نے لوگوں کو کہا تھا کہ تم لوگ مجھے اور میری والدہ کو خدا بنا لینا؟ اس سوال کا مقصد عیسائیوں کی سرزنش کرنا ہے کہ جس کو تم معبود مانتے ہو وہ خود تمہارے عقیدے کے خلاف اپنی عبدیت کا اظہار کریں گے اور تمہارے جھوٹے الزام سے خود کو بری کریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمائیں گے کہ اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے، مجھ کو یہ بات جچتی ہی نہیں کہ میں وہ بات کروں جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اور اگر بالفرض میں نے یہ کہا ہوتا تو آپ کے علم میں ضرور ہوتا، کیونکہ آپ تو ہر چیز کو جاننے والے ہیں، میں نے تو انہیں آپ کے حکم کے مطابق صرف اتنا کہا تھا کہ اس اللہ رَبّ العزّت کی عبادت اور بندگی کرو جو میرا بھی رَبّ ہے اور تمہارا بھی، اور جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے تو جب تک

میں ان کے درمیان رہا میں ان کے حالات سے واقف تھا، جب آپ نے مجھے آسمانوں پر اٹھالیا، تو آپ ہی ان کے نگہبان تھے، لہٰذا آپ ہی ان کے احوال سے باخبر ہوں گے، کیونکہ آپ ہر چیز کا مکمل علم رکھتے ہیں۔ اگر آپ انہیں سزا دینا چاہیں تو آپ کو مکمل اختیار ہے، یہ آپ کے ہی بندے ہیں اور آپ ان کو معاف کردیں تو آپ غالب اور حکمتوں والے ہیں۔

سچوں کا بہترین انجام

اس مکالمہ اور گفتگو کے بعد اللہ ربّ العزّت ارشاد فرمائیں گے کہ آج کا دن وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچا ہونا فائدہ دے گا، ان لوگوں کے لیے اللہ ربّ العزّت نے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ربّ العزّت کی خوشنودی کا پروانہ انہیں حاصل ہوگا، وہ اللہ ربّ العزّت سے راضی ہوں گے اور اللہ ربّ العزّت ان سے راضی ہوں گے، اور یہی حقیقی اور بڑی کامیابی ہے۔

سورت کی آخری آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تمام زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب میں اللہ ربّ العزّت کی ہی بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔

سورت کا اجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے معاہدوں کی پاسداری کی تلقین فرمائی اور متعدد معاشرتی برائیوں سے منع فرمایا۔

۲۔ سورت میں کھانے پینے اور حلال و حرام جانوروں سے متعلق احکام کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ سورت میں کفار و مشرکین کی متعدد باطل رسومات خاص طور پر بتوں کے نام چڑھاوے چڑھانے سے متعلق ان کی رسومات کی تردید فرمائی۔

۴۔ سورت میں دین اسلام کی تکمیل کا مژدہ بھی سنایا گیا۔

۵۔ اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنے کے متعلق احکام ذکر فرمائے۔

۶۔ وضو کے فرائض اور تیمم کی رخصت کا ذکر بھی اس سورت میں موجود ہے۔

۷۔ بنی اسرائیل کی متعدد عہد شکنیاں اور عجیب و غریب مطالبات کو ذکر کیا گیا ہے۔

۸۔ ہابیل و قابیل کا واقعہ ذکر فرما کر انسانی جان کی قدر و منزلت اور قصاص سے متعلق احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۹۔ ڈاکوؤں اور باغیوں کی سزا بیان کی گئی ہے۔

۱۰۔ قسموں کی اقسام اور ان کے کفارے کی تفصیل بھی اس سورت میں بیان کی گئی ہے۔

۱۱۔ شراب کی حرمت اور دیگر اخلاقی برائیوں اور قانونی جرائم کی ممانعت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

تمت سورۃ المائدۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاَنْعَام

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں چھٹے (۶) جبکہ نزول کے اعتبار سے پچپن (۵۵) نمبر پر ہے۔ بیس (۲۰) رکوع اور ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

"انعام" چوپایوں کو کہتے ہیں۔ عرب کے مشرکین مویشیوں کے بارے میں بہت سے غلط عقائد کے حامل تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا اور دودھ حرام سمجھتے تھے، نیز ان پر سوار ہونے کو بھی ممنوع قرار دیتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے، نیز اہل عرب کی بیشتر معیشت جانوروں سے قائم تھی۔ اس لیے اس سورت کا نام سورۂ انعام رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت میں اجمالی طور پر شرک فعلی واعتقادی کی نفی کی گئی تھی، اس سورت میں تفصیل کے ساتھ شرک فعلی واعتقادی کی تردید کی گئی ہے۔

۲۔ گزشتہ سورت کا اختتام توحید پر ہے، اس سورت کا آغاز توحید سے ہے۔

سورت کے فضائل

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب سورۂ انعام نازل ہوئی، تو اس کے ساتھ بلند آواز سے تسبیح کرتی ہوئی فرشتوں کی ایک جماعت اتری جس سے زمین و آسمان کے کنارے بھر گئے، زمین ان فرشتوں کی وجہ سے ہلنے لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہا۔ (شعب الایمان: ۲۲۱۰)

۲-حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۃ الانعام کا نزول ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سبحان اللہ'' کہا، پھر ارشاد فرمایا: اس سورت کے ساتھ اس قدر فرشتے زمین پر اترے کہ ان کی وجہ سے آسمان کا کنارہ بھر گیا۔(شعب الایمان:۲۲۰۸)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور شرک اعتقادی (نظریات میں شرک) اور شرک فعلی (اللہ کے نام پر کیے جانے والے افعال غیر اللہ کے نام پر کرنا، مثلاً جانوروں کا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا) کی تردید ہے۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں اللہ ربّ العزّت نے تین طبقات کو خاص طور پر مخاطب فرمایا ہے:

۱.....ملحدین اور مادہ پرست۔

۲.....مشرکین اور بت پرست۔

۳.....گنہگار مؤمنین، نیز ان تینوں طبقات کے عقائد واعمال کی اصلاح کا سامان مہیا فرمایا ہے۔

۲-اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے وجود کے اثبات، اپنی توحید، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قیامت کے اثبات کے دلائل دو انداز میں پیش کیے ہیں:

۱.....اسلوب تقریر: اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کے اثبات، اپنی توحید اور اپنی قدرت وعظمت کے دلائل کو ایسے تسلیم شدہ اصولوں کی روشنی میں پیش فرمایا کہ ان کا انکار کوئی ایسا انسان کر ہی نہیں سکتا، جسے اللہ تعالیٰ نے قلب منیب اور عقل سلیم سے نوازا ہو۔

اس اسلوب میں پیش کی جانے والی آیات میں عموماً لفظ ''ھو'' آیا ہے، تاکہ سامع اور قاری کو خالق کی عظمت وقدرت کی خبر ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قاری اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ سورت میں اس اسلوب کے لیے اٹھائیس (۲۸) مرتبہ لفظ ''ھو'' استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً: ''هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن طِينٍ'' (الانعام:۲) اور ''وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ'' (الانعام:۳) وغیرہ۔

۲.....اسلوب تلقین: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال وجواب کی شکل میں ایسے دلائل مرحمت کرتا ہے جن سے مخالفین کے دلوں میں یہ بات گھر کر جاتی ہے کہ یہ بات اللہ ربّ العزّت کی جانب سے ہے، اور ان دلائل کا منکرین کے پاس کوئی جواب نہیں بن پاتا تو وہ شرمندگی اور لاچاری پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

اس اسلوب میں پیش کی جانے والی آیات کو عموماً لفظ ''قل'' سے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اس سورت میں اسلوب

تلقین کے بیان کے لیے بیالیس (۴۲) مرتبہ لفظ "قُلْ" لایا گیا ہے۔ مثلاً: "قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ" (الانعام:۱۱) اور "قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ" (الانعام:۱۲) وغیرہ۔

۳۔سورت میں مشرکین سے بحث ومباحثہ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

۴۔سورت کے آخر میں دس ایسی نصیحتیں کی گئی ہیں، جن پر عمل کی صورت میں انسان حقیقی کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

مشرکین کے غلط عقائد کی تردید اور توحید کے دلائل

یہ قرآن مجید کی دوسری سورت ہے، جس کے شروع میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ذکر کیا گیا ہے۔ ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کو ثابت کرنے کے لیے اپنی قدرت کاملہ کے چند نمونے بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت ہی وہ ذات ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، اسی نے مختلف قسم کے اندھیروں اور نور و روشنی کو پیدا فرمایا، اسی نے انسانوں کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر ایک مقررہ وقت پر اسے موت دے دے گا، اس کی قدرت بھی کامل ہے اور اس کا علم بھی کامل ہے، وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جانتا ہے اور تمہارے سارے اعمال سے واقف ہے، جو ذات ان سب صفات کی حامل ہو وہی معبودِ حقیقی کہلائے جانے کی حقدار ہے۔

ان آیات سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی، جو سرے سے وجودِ خداوندی یا توحید کے قائل نہیں یا قائل ہونے کے باوجود توحید کی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے۔ مثلاً دہریہ جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں، نیز مجوس جو دو معبودوں کے قائل ہیں: یزدان اور اہرمن، یزدان کو خیر کا اور اہرمن کو شر اور برائی کا خالق سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک کروڑوں دیوتاؤں کو خدا کا شریک بناتے ہیں، عیسائی توحید کے قائل ہونے کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو اللہ ربّ العزّت کا شریک گردانتے ہیں، ان آیات میں ان سب کے باطل نظریات کو رد کر دیا گیا ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩

مشرکینِ مکہ کے رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جاہلانہ اِعتراضات کے جوابات

مشرکینِ مکہ بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاہلانہ مطالبے کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں تو آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا، جب تک آپ خود میرے سامنے آسمان پہ جا کر ایک کتاب لے کر نہ آئیں جس میں میرا نام لکھا ہو اور میں اس کتاب کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر نہ دیکھوں، اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض ہم آپ پر ایسی کتاب اتار بھی دیں، جن میں ان کا نام لکھا ہو اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیں، تب بھی یہ آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی امیہ، نضر بن حارث اور نوفل بن خالد اکٹھے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ کیا کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے، جب تک ہمارے سامنے فرشتے آسمان سے اتر کر آپ کی رسالت کی تصدیق نہ کریں، اس کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان کے یہ من چاہے مطالبات دراصل ان کی ہلاکت کے پروانے ہیں، کیونکہ اگر ہم نے ان کی خواہش کے مطابق آسمان سے ان کے سامنے فرشتے اتار دیے اور اس کے باوجود یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو ان سب کو عمومی عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا جائے گا، کیونکہ ہمارا قانون ہے کہ جب کوئی قوم کسی پیغمبر سے کسی خاص معجزے کا مطالبہ کرے اور پروردگارِ عالم کی طرف سے ان کو وہ معجزہ دے دیا جائے، پھر بھی وہ قوم اسلام قبول نہ کرے، تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

بالفرض اگر اللہ ربّ العزّت ان کے مطالبے پر فرشتہ نازل کر بھی دیں، تو یہ لوگ فرشتہ کو اصلی شکل میں دیکھ ہی نہیں سکیں گے، اور اگر وہ انسانی شکل میں آئے گا تو اس صورت میں ان کو وہی اعتراض لاحق ہوگا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، اور یہ اسے بھی ایک انسان ہی سمجھیں گے۔

ان کے اعتراضات کے جواب دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ استہزاء و تمسخر اور ایذا رسانی کا معاملہ جو آپ کی قوم آپ کے ساتھ کر رہی ہے، یہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء اور رسول گزرے ہیں، ان سب کے ساتھ ان کی قوموں کا یہی رویہ رہا ہے، اور بالآخر ان سب کو عذاب کا شکار ہونا پڑا۔ لہٰذا آپ بھی ان کی ایذا رسانیوں پر تنگ دل نہ ہوں، صبر کیجیے، اگر یہ باز نہ آئیں تو ان کا بھی وہی انجام ہوگا جو ان سے پہلے والی قوموں کا ہوا تھا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝

مالک ومختار اللہ ربّ العزّت ہی ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کے مزید دلائل بیان فرمائے ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے پوچھیے کہ آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب کا مالک کون ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ آپ کہہ دیجیے کہ ان سب کا مالک اللہ ربّ العزّت ہے۔ اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا ہے، وہ ایک دن سب اولین وآخرین کو قیامت میں جمع فرمائیں گے۔ کیا اس کے سوا کوئی ذات ہے جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہو یا جو سب کو کھلاتا ہو اور خود کھانے سے پاک ہو، یقیناً ایسا کوئی نہیں ہے، اس لیے سب کو صرف اسی پاک ذات کی عبادت کرنی چاہیے، مجھے بھی یہی حکم ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ میں کبھی شرک نہ کروں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ
فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ
اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ
اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ
اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾

اللہ ربّ العزّت ہی مختارِ کُل ہیں!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت کی مزید صفات اور اس کی توحید کے مزید دلائل بیان کیے گئے ہیں، اور اسلام کا ایک اہم بنیادی عقیدہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر نفع اور نقصان کا مالک صرف اللہ ربّ العزّت ہی ہے، اگر وہ کسی کو کوئی تکلیف دے تو اسے کوئی دور نہیں کر سکتا، اور اگر وہ کسی کے ساتھ کوئی بھلائی کا معاملہ کرے تو اس بھلائی کو کوئی روک نہیں سکتا، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ اپنے سب بندوں پر غالب ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ تو جو ذات ہر چیز پر قادر ہو اور نفع ونقصان کی مالک ہو، وہی معبودِ حقیقی کہلائے جانے کی حق دار ہے۔

تعلق باللہ اور صبر کی برکات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا، کچھ دور چلنے کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ لڑکے! تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہیں یاد رکھے گا، تم اللہ کو یاد رکھو گے تو اس کو ہر حال میں اپنے سامنے پاؤ گے، تم امن وعافیت اور خوش عیشی کے وقت اللہ تعالیٰ کو پہچانو تو تمہاری مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ تمہیں پہچانے گا، جب تم کو سوال کرنا ہو تو صرف اللہ سے سوال کرو، اور مدد مانگنی ہو

تو صرف اللہ سے مدد مانگو، جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے، تقدیر کا قلم اس کو لکھ چکا ہے، اگر ساری مخلوقات مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نفع پہنچادیں جو اللہ ربّ العزّت نے تمہارے نصیب میں نہیں لکھا، تو وہ ہرگز ایسا نہیں کرسکیں گے، اور اگر وہ سب مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نقصان پہنچادیں، جو تمہاری قسمت میں نہیں ہے تو وہ ہرگز نہیں پہنچاسکیں گے، اگر تم کرسکتے ہو کہ یقین کے ساتھ صبر پر عمل کرو تو ایسا ضرور کرلو، اگر اس پر قدرت نہیں تو صبر کرو، کیونکہ اپنی خلاف طبیعت چیز پر صبر کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ (شعب الایمان: ۲/۲۷)

توحیدِ خداوندی پر سب سے بڑی شہادت

ایک مرتبہ مشرکین مکہ کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ جو "رسول اللہ" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس پر آپ کا گواہ کون ہے؟ کیونکہ ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو آپ کی تصدیق کرتا ہو، حالانکہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے اس کی مکمل تحقیق کی ہے۔ اس پر اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اللہ ربّ العزّت سے بڑھ کر کس کی گواہی معتبر ہوگی جس کے قبضہ میں کل جہان ہے، وہی اللہ میرا گواہ ہے، اسی نے مجھ پر یہ قرآن نازل فرمایا ہے کہ میں اس کے ذریعہ تمہیں اور ان سب کو خبردار کرتا رہوں جن کے پاس قیامت تک یہ قرآن پہنچے گا۔ اتنی بڑی گواہی کے آجانے کے باوجود تم اب بھی یہی گواہی دیتے رہو گے کہ اللہ ربّ العزّت کے سوا دوسرے معبود بھی ہیں، اگر ایسا ہے تو تم اپنے انجام کے خود ذمہ دار ہو، میں تو ایسی گواہی نہیں دے سکتا، میرا اعلان تو یہ ہے کہ معبود ایک ہی ہے، اور جن چیزوں کو تم اس پاک پروردگار کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

اہلِ کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بخوبی جانتے ہیں!

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا فرمائی یعنی یہود و نصاریٰ، وہ قرائن و شواہد اور تورات و انجیل کی پیشین گوئیوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت پر ایسا یقین رکھتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کے بیٹے ہونے پر یقین ہوتا ہے، لیکن ضد، حسد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہ لا کر اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال رہے ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُن
فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا
كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

روزِ محشر جھوٹے خداؤں کی بے وفائی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کے جھوٹے معبودوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قیامت

کے دن ہم سب مشرکین اوران کے بنائے ہوئے معبودوں کو جمع کریں گے، پھر ہم ان سے یہ سوال کریں گے کہ جن معبودوں کو تم ہمارا شریک ٹھہراتے تھے اور اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے، آج وہ کہاں ہیں؟ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے؟ ان مشرکین کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا، سو وہ جھوٹ بولتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ ربّ العزّت کی قسم! ہم تو مشرک نہیں تھے۔ ذرا دیکھیں یہ اپنے اوپر کیسے جھوٹ بولیں گے، تب سب جھوٹ اور افتراء ان سے دور ہو جائے گا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ
وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۞ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ
الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ
وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۞ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى
اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۞ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ
اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۞ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ
ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۞

دُنیا کی حقیقت اور منکرین قیامت کا انجام

ان آیات میں اللہ اب العزت نے پہلے منکرین قیامت کے انجام کو بیان فرمایا کہ جو لوگ قیامت اور ملاقاتِ خداوندی کے منکر ہیں وہ درحقیقت خسارے میں ہیں، انہیں اپنے اس خسارے کا اندازہ اس وقت ہوگا جب اچانک قیامت آجائے گی، اس وقت یہ دنیا میں کیے گئے کرتوتوں پر افسوس کریں گے، لیکن اس وقت کا افسوس اور شرمندگی ان کے کسی کام نہیں آئے گی، اس دن اپنی پشتوں پر اپنے گناہوں کا وزن اٹھا کر لائیں گے۔

منکرین قیامت کا انجام ذکر کرنے کے بعد باری تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے، اس لیے اس کے ساتھ دل نہ لگائیں، آخرت کی طرف متوجہ رہیں، حقیقی زندگی آخرت کی ہی زندگی ہے، اسے بہتر بنانے کی کوشش کریں، اور آخرت اسی کے لیے بہتر ہوگی جو دنیا کی زندگی میں تقویٰ اختیار کرے اور اپنے ربّ کے احکامات پر دل سے عمل کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! ہم جانتے ہیں کہ آپ کی ہر طرح کوشش اور دعوت کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے، الٹا تمسخر اور استہزاء کرتے ہیں، اور ان کی یہ باتیں آپ کو تکلیف پہنچاتی ہیں، آپ تسلی رکھیے، آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا، ان کی قوموں نے بھی ان کا مذاق

اڑایا، انہیں تکالیف پہنچائیں، لیکن انہوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر کیجیے، انجام کار آپ ہی کامیاب وکامران ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ درحقیقت یہ کافر آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، بلکہ یہ اللہ ربّ العزّت کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، البتہ ہم اس کتاب یا دین کی تکذیب کرتے ہیں جسے آپ لے کر آئے ہیں۔ (معارف القرآن)

فرمائشی معجزات کیوں نہیں دیے جاتے؟

مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عجیب وغریب معجزات کے مطالبے کیا کرتے تھے، جس سے ان کا مقصد محض تمسخر اور استہزاء کرنا تھا، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے ان کی ان فرمائشوں کو پورا نہ فرمایا، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بہت شفیق اور نرم دل تھے، اس لیے آپ کے دل میں یہ خواہش ابھرتی تھی کہ اگر ان مشرکین کو ان کے من چاہے معجزات دکھا دیے جائیں تو شاید یہ کفر چھوڑ کر ایمان لے آئیں، اس پر اللہ ربّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کو ان منکرین کا اعراض اور ایمان لانے سے انکار گراں گزرتا ہے، اور اس لیے آپ چاہتے ہیں کہ ان کے فرمائشی معجزات ظاہر کر دیے جائیں تو آپ خود اس کا انتظام کر دیجیے، اگر آپ کو یہ قدرت ہو کہ زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر چڑھ جائیں اور وہاں سے ان کو فرمائشی معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیں، ہم ان کے سامنے ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہیں کریں گے، کیونکہ ایسا معجزہ ظاہر کرنا ہماری مصلحت کے خلاف ہے، پوری انسانیت کا ایمان لے آنا ہماری منشاء ہے ہی نہیں، وگرنہ ہم خود اپنے امر تکوینی کے ساتھ سب کو مسلمان کر دیتے، کسی میں کفر کی مجال ہی نہ رہتی، لیکن چونکہ یہ خود اپنا بھلا نہیں چاہتے اس لیے اللہ ربّ العزّت بھی ان کو ہدایت نہیں دیتے۔ سو اللہ کی منشاء اور اس کی سنت کے خلاف کسی کام کے ہونے کی توقع کرنا نامناسب ہے، آپ ناسمجھ نہ بنیں، ہر کوئی حق قبول نہیں کیا کرتا، صرف وہی لوگ حق قبول کرتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے سننے سمجھنے کی صلاحیت دی ہو، جبکہ جو کانوں کے بہرے اور آنکھوں کے اندھے اور دل کے مردے ہوں وہ کہاں حق قبول کرتے ہیں، سو آپ ان مردوں یعنی کافروں کی فکر چھوڑ دیجیے، انہیں اللہ ربّ العزّت روزِ محشر جمع کریں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝

پرندوں اور چوپایوں کا بھی حساب ہوگا!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن صرف انسانوں کو ہی جمع نہیں کیا جائے گا، بلکہ زمین میں چلنے (اور پانی میں تیرنے) والا ہر جانور اور ہوا میں اڑتے ہر پرندے کو بھی قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا، نیز اللہ تعالیٰ زمین کی جملہ بری اور بحری مخلوقات کو خوب جانتے ہیں، ان سب مخلوقات کو باری تعالیٰ قیامت میں زندہ کریں

گے، اور میدان محشر میں جمع کیا جائے گا اور ان کا حساب و کتاب ہوگا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ رَبّ العزّت کے عدل و انصاف کا یہ عالم ہوگا کہ دنیا میں اگر کسی سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری کو ٹکر ماری ہوگی تو قیامت میں اس کا بدلہ اس سے لیا جائے گا، اور جب ان سب کے حقوق اور مظالم کے بدلے مکمل ہو جائیں گے تو ان کو حکم ہوگا کہ سب مٹی ہو جاؤ، اور تمام جانور اسی وقت مٹی کا ڈھیر ہو جائیں گے، اس وقت کافر کہے گا: کاش میں بھی مٹی ہو جاتا اور جہنم کے عذاب سے بچ جاتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ۝ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝

''بہار ہو کہ خزاں، لا إِلٰہ إِلاَّ اللہ!''

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے گزشتوں امتوں کا تذکرہ فرما کر اس امت کو تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسول دوسری امتوں کی طرف بھیجے اور دو طرح سے ان کا امتحان لیا، پہلے انہیں کچھ بدنی اور مالی تکلیفیں دیں تاکہ وہ ان سے گھبرا کر اللہ رَبّ العزّت کی طرف لوٹ آئیں اور اپنی سابقہ روش سے توبہ کر لیں، لیکن وہ اس امتحان میں ناکام ہو گئے، ان کے دل اس قدر سخت ہو گئے تھے کہ انہوں نے ان تکالیف اور مصیبتوں میں بھی اللہ رَبّ العزّت کی طرف رجوع نہ کیا، بارگاہِ خداوندی میں نہ گڑگڑائے، شیطان نے ان کی بداعمالیاں ان کے سامنے خوبصورت کر کے پیش کیں تو وہ اسی میں مگن ہو گئے، پھر ہم نے انہیں دوسری طرح آزمایا کہ ان پر دنیوی عیش و راحت اور مال، اولاد اور رزق کے دروازے کھول دیے کہ شاید وہ ان نعمتوں کو دیکھ کر اپنے پروردگار کو یاد کریں اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اس پر ایمان لے آئیں، لیکن بجائے اپنے رَبّ کو پہچاننے کے وہ ان عیش و عشرت کی چیزوں میں ایسا کھو گئے کہ اپنے رَبّ کے سارے احکامات بھلا بیٹھے اور اس مال و دولت پر اترانے لگے، اس پر اللہ رَبّ العزّت نے انہیں اپنی گرفت میں لیا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔

اس سے یہ سبق دیا گیا کہ اگر کبھی مشکل حالات پیش آئیں تو اللہ رَبّ العزّت کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اور اس سے مدد مانگنی چاہیے اور اگر اللہ رَبّ العزّت خوشحالی عطا فرمائے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور تکبر و غرور سے بچنا چاہیے۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۝

''عالم الغیب'' اور ''مختارِ کُل'' صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے

مشرکین مکہ دعوت حق کو ٹھکرانے کے لیے مختلف حیلے وبہانے تلاش کیا کرتے تھے، اور طرح طرح کے مطالبات کرتے تھے، کبھی کہتے: اگر آپ واقعی نبی ہیں تو مال و دولت کے دہانے ہم پر کھول دیجیے! کبھی کہتے اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آئندہ پیش آنے والی غیب کی باتیں ہمیں بتائیں۔ کبھی اعتراض کرتے ہوئے کہتے آپ کیسے نبی ہوسکتے ہیں؟ آپ تو کھاتے پیتے، بازار میں چلتے اور بشری حوائج رکھتے ہیں۔

اللہ ربّ العزّت نے ان کے مذکورہ بالا اعتراضات اور جاہلانہ مطالبات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے سارے خزانے اور مال و دولت میرے ہاتھ میں ہیں، میں تو ایک رسول ہوں، اس کا پیغام لے کر تم تک پہنچاتا ہوں، کائنات کے خزانوں کا واحد مالک صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے، وہ جسے چاہتا ہے ان خزانوں میں سے عطا فرماتا ہے۔ اور تم جو یہ مطالبہ کرتے ہو کہ میں تمہیں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات بتاؤں تو میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں ہر غیب کی چیز جانتا ہوں، اللہ ربّ العزّت نے مجھے غیب کی بے شمار باتیں ضرور بتائی ہیں لیکن غیب کی تمام باتوں کا علم اللہ ربّ العزّت نے کسی کو نہیں دیا، عالم الغیب صرف اسی کی ذات ہے، اسی طرح تم جو یہ کہتے ہو کہ مجھ میں انسانی صفات ہیں، تو میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں فرشتہ ہوں، نبی بھی انسان ہوتے ہیں، انہیں بھی بشری ضروریات اور تقاضے پیش آتے ہیں، البتہ ان کا مقام و مرتبہ عام انسانوں سے بہت بلند ہوتا ہے، ان کے پاس اللہ ربّ العزّت کی جانب سے وحی آتی ہے، وہ اس کے نمائندے ہوتے ہیں، اور میں بھی اسی کی اتباع کرتا ہوں، جو اللہ ربّ العزّت میری طرف وحی فرماتے ہیں۔ لہٰذا ان فضول سوالات و جوابات میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ان تعلیمات میں غور و فکر کرو جو باری تعالیٰ نے تمہارے لیے نازل فرمائی ہیں، اور جذبات و عناد کو چھوڑ کر حقیقت کو دیکھو تاکہ تمہارا شمار اندھوں میں نہ رہے، تم بینا بن جاؤ، کیونکہ اندھا اور بینا برابر نہیں ہوسکتے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

غرباء اور طلبۂ دین کو ہرگز حقیر نہ جانیے!

ایک مرتبہ مشرکین کے سرداروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ کے اردگرد رہنے والے غریب مسلمان اور صفہ کے مدرسے کے طلبہ کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے،، لہٰذا یا تو آپ انہیں ہٹا دیجیے یا ہمارے لیے الگ وقت مقرر کر دیجیے، جس میں ہمارے سوا کوئی نہ ہو، تو ہم آپ کی بات سنیں گے، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور ہدایت دی گئی کہ آپ کے طلبہ اور صحابہ جو صبح شام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا کی جستجو میں رہتے ہیں، ان کو ہرگز الگ نہ کیجیے۔ سورۂ کہف میں ایسے غرباء اور

طلبہ کے متعلق باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ“ (الکہف:۲۸) یعنی اپنے آپ کو استقامت سے ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رَبّ کو اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں، اور تمہاری آنکھیں دنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے نہ ہٹنے پائیں۔

اور رہی بات ان کفّار کی تو یہ لوگ خواہ ایمان لائیں یا نہ لائیں، آپ ان کی پرواہ نہ کیجیے، کیونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر نہیں، اس لیے اگر آپ ان غریب صحابہ کرام کو ہٹائیں گے تو یہ سخت ناانصافی ہوگی۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝٥٩ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝٦٠ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝٦١ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ۝٦٢

معبودِ برحق کے اوصاف اور دلائلِ توحید

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی چند صفات کمال کو بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے۔ کسی بھی شخصیت کے معبود ہونے کے لیے اس میں تین صفات کا ہونا ازحد ضروری ہے:

۱۔ **کمال علم**: یعنی اس کا علم ہر لحاظ سے کامل ہو تا کہ وہ کسی مخلوق کو نظر انداز نہ کر سکے۔

۲۔ **کمال قدرت**: یعنی اس کی قدرت بھی ہر لحاظ سے مکمل ہو تا کہ وہ مخلوق کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

۳۔ **کمال رحمت**: تا کہ اپنی رحمت کے ساتھ مخلوق کے تقاضے پورے کرے۔

اور یہ تین صفات سوائے اللہ رَبّ العزّت کی ذات کے اور کسی میں نہیں پائی جاتیں، اس کا علم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے، اور اس کی رحمت بھی کامل ہے۔ اس کے علم کا کمال یہ ہے کہ سارے غیب کے خزانے اسی کے پاس ہیں، وہ جسے چاہتا ہے ان خزانوں میں سے عطا فرما دیتا ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں، خشکی اور تری کی ساری مخلوقات اس کے احاطۂ علم میں ہیں، کائنات کے درختوں کا کوئی پتہ اس کے علم کے بغیر نہیں گرتا، زمین کی گہرائی اور اندھیروں میں موجود دانے بھی اس کے علم میں ہیں، غرض کائنات میں موجود ہر خشک و تر، جاندار و بے جان چیز سے وہ پاک پروردگار واقف ہے۔

اور اس کی قدرت کا کمال یہ ہے کہ وہ تمہیں رات کو سلاتا ہے اور تمہاری روحوں کو ایک حد تک قبض کر لیتا ہے، پھر صبح کو تمہیں جگا کر اٹھا دیتا ہے، پھر جو کچھ تم دن میں کرتے ہو وہ اس سب سے واقف ہے اور ایک دن تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر

جاتا ہے، پھر وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا اور تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دے گا، وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے، دنیا کی ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ اس کی قدرت کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر دیے ہیں، فرشتوں کی جماعتیں انسان اور انسانی اعضاء کی حفاظت پر مامور ہیں، اور جب کسی بندہ کی عمر کا مقررہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو یہی حفاظت کرنے والے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں، پھر اسے پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں حاضر کیا جاتا ہے جو احکم الحاکمین ہیں اور سارے اختیارات صرف اسی کے پاس ہیں، وہ اس کا حساب لیں گے اور اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا عطا فرمائیں گے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝

مشرکین کی مطلب پرستی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان کرتے ہوئے کفّار و مشرکین کے دوغلہ پن کو بھی واضح فرمایا ہے۔ ابتدائے اسلام میں عام طور پر اونٹوں اور گھوڑوں یا سمندر میں کشتیوں کے ذریعہ سفر کیا جاتا تھا، اس زمانہ میں سفر کے خطرات بھی بہت زیادہ تھے، بری سفر میں ڈاکوؤں اور جان و مال کا اندیشہ رہتا تھا اور بحری سفر میں طوفان اور ڈوب جانے کا ڈر رہتا تھا، ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کو اپنے انعام یاد کروا کر ان کی مطلب پرستی بیان فرمائی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان سے سوال کریں کہ بری اور سمندری سفر میں جب بھی وہ کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں اور اپنے سارے بتوں کو چھوڑ کر نہایت عاجزی و انکساری سے گڑگڑا کر صرف اللہ ربّ العزّت کو پکارتے ہیں اور یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمیں اس مصیبت سے سوائے اللہ کے کوئی نہیں بچا سکتا اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں بچا لیا تو ہم اس کے شکر گزار بندے بن جائیں گے، لیکن جب اللہ ربّ العزّت ان کی پکار سن کر انہیں اس پریشانی اور مصیبت سے نجات عطا فرماتے ہیں، تو یہ اپنے سارے وعدے فراموش کر کے پھر سے اپنی پرانی روش پر چلنے لگتے ہیں اور شرک کرنے لگتے ہیں۔

عذابِ الٰہی کی تین صورتیں

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دوسرے رخ کو بیان فرمایا کہ جس طرح اللہ ربّ العزّت ہر قسم کی تکلیف و پریشانی اور مصیبت کو دور کر سکتا ہے، اسی طرح جب وہ کسی کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو ہر قسم کا عذاب دے سکتا ہے، چنانچہ ان آیات میں تین قسم کے عذاب ذکر کیے گئے ہیں:

۱۔عذاب اوپر سے آئے: جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے اتنا پانی برسا کہ اس نے سیلاب کی شکل اختیار کرلی، اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھر برسے جس سے پوری قوم ہلاک ہوگئی۔

۲۔عذاب نیچے سے آئے: جیسے فرعون اور اس کا لشکر دریا میں غرق کردیا گیا، قارون کو اس کے خزانوں کے ساتھ ہی زمین میں دھنسا دیا گیا۔

۳۔لوگوں میں گروہ بندی اور مختلف پارٹیاں بن جائیں، اور ان کے درمیان جنگ وجدل اور خون ریزی ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے عذاب بن جائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ باہمی انتشار اور امت کا افتراق بھی عذاب خداوندی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے اس امت سے پہلے دو عذاب اٹھا لیے گئے ہیں، تاہم تیسرا عذاب باقی ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ
الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ
وَلَٰكِن ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

اہلِ باطل کی مجلسوں میں شرکت کی ممانعت

ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تمام مسلمانوں کو ایک اہم ہدایت دی گئی ہے اور وہ یہ کہ جو لوگ قرآن وحدیث اور دین اسلام پر نکتہ چینی میں مشغول ہوں، ان کے ساتھ مسلمانوں کو نشست و برخاست نہیں رکھنی چاہیے، کہیں وہ بھی ان کے زمرہ میں شامل ہوکر عذاب کے مستحق نہ ہوجائیں۔مؤمن کی غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی مجلس سے بیزار ہوکر علیحدہ ہوجائے، اور کبھی بھول جائے تو یاد آنے پر فوراً اٹھ کھڑا ہو، اسی میں عاقبت کی درستگی اور دین کی سلامتی ہے، اور ان عیب نکالنے اور نکتہ چینی کرنے والوں کو تنبیہ اور عملی نصیحت بھی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر ان کی مجلس میں جانے کی ممانعت رہی تو ہم مسجد حرام میں نماز اور طواف سے بھی محروم ہوجائیں گے کیونکہ وہ لوگ تو ہمیشہ وہاں بیٹھے رہتے ہیں اور ان کا مشغلہ یہی ہے، اس پر اللہ ربّ العزّت نے اس کے بعد والی آیت نازل فرمائی کہ جو لوگ احتیاط رکھنے والے ہیں، اگر وہ اپنے کام سے مسجد حرام میں جائیں تو ان مشرکین کے افعال کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، البتہ یہ ان کے ذمہ ہے کہ انہیں حق بات پہنچادیں شاید وہ اس سے نصیحت حاصل کرلیں۔

قُلْ أَنَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللَّهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ
الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ
وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاتَّقُوهُ ۚ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

غیر اللہ کو پکارنے والوں کے لیے عجیب مثال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے تلقینی اسلوب اختیار کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجیے کہ کیا اللہ کو چھوڑ کر ہم ایسی چیزوں کی عبادت کریں اور انہیں مشکلات میں پکاریں جو نفع ونقصان کی ذرا بھی مالک نہیں، یہ تو واضح شرک اور گمراہی ہے، اللہ ربّ العزّت نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے، اب ہم گمراہی کو کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔ غیر اللہ کو پکارنے والے کی مثال تو اس مسافر کی سی ہے، جس کو جنگل و بیابان میں شیاطین وجنات نے قافلہ سے کاٹ کر الگ کر دیا ہو، وہ چارسو حیران وسرگرداں پھرتا ہو، اس کے رفقاء اسے اپنی جانب بلاتے ہوں مگر وہ حیرت وپریشانی کی وجہ سے نہ سمجھتا ہو، ایسے ہی ہم سب سفرِ آخرت کے مسافر ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے قافلہ کے شریک ہیں، اب اگر ہم شرک اختیار کر لیں تو گویا شیطان ہمیں قافلہ سے بہکا کر لے گیا ہے، جبکہ مؤمن تو کبھی ایسا نہیں کر سکتا، وہ ہدایت خداوندی پر قائم رہتا ہے اور اللہ ربّ العزّت کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اس لیے ہم سے شرک کی ذرا بھی امید نہ رکھو۔

مزید فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے یہ بھی فرما دیجیے کہ ہدایت صرف اللہ ربّ العزّت کے بتائے ہوئے راستے میں ہی ہے، اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کے فرمانبردار رہیں، نماز قائم کریں اور تقویٰ اختیار کریں، ایک دن ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيْمُ لِأَبِيْهِ اٰزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ إِنِّيْٓ أَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ
إِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ
هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَآ أُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ
يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَأَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ أَفَلَتْ
قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ أَنَا مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ أَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ أَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ
رَبِّيْ شَيْـًٔا ۚ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ أَخَافُ مَآ أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ أَنَّكُمْ
أَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۚ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اندازِ تفہیم

اب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشرکین عرب کو خطاب اور بت پرستی کو چھوڑ کر صرف خدا پرستی کی دعوت کا بیان تھا، ان آیات میں دعوت حق کی تائید ایک خاص انداز میں فرمائی، جو طبعی طور پر اہل عرب کے لیے دل نشین ہو سکتی ہے، وہ یوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب کے جد امجد ہیں، سارا عرب ان کی تعظیم پر ہمیشہ متفق چلا آیا ہے، ان

آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مناظرے کا ذکر کیا گیا ہے، جو انہوں نے بت پرستی اور نجوم پرستی کے خلاف اپنی قوم کے ساتھ کیا تھا اور پھر سب کو توحید حق کا سبق دیا تھا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بنالیا ہے، یہ تو واضح گمراہی ہے۔ آیت کے مطابق آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے، بعض حضرات کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ جبکہ لقب آزر تھا، یہ نمرود کے دربار میں کسی اہم وزارت پر فائز تھا، اور بتوں کی پوجا کرتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا، پھر اللہ ربّ العزّت نے انہیں آسمان وزمین کے عجائبات دکھائے تاکہ ان کا یقین پختہ ہوجائے، اس کے بعد قوم سے نہایت احسن انداز میں مکالمہ فرمایا اور ان کے جھوٹے معبودوں کا عجز ان پر واضح فرمادیا۔

ہوا یوں کہ ایک رات جب تاریکی چھا گئی اور ستارے روشن ہوگئے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظر ایک روشن ستارہ پر پڑی، آپ نے اپنی قوم کو سنانے کے لیے کہا کہ (تمہارے خیال کے مطابق) یہ ستارہ میرا ربّ ہے، جب کچھ دیر بعد وہ ستارہ غروب ہوگیا تو قوم پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرا خدا نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر یہ خدا ہوتا تو غروب نہ ہوتا اور نہ ڈوبتا، بھلا خدا بھی ڈوبا کرتے ہیں، قوم کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔

اس کے بعد پھر کسی دوسری رات میں چاند چمکتا ہوا نظر آیا تو پھر اپنی قوم کو سنا کر وہی طریقہ اپنایا اور ارشاد فرمایا کہ (تمہارے عقائد کے مطابق) یہ میرا ربّ ہے، مگر کچھ دیر بعد جب چاند غروب ہوگیا تو فرمایا کہ اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ عطا فرماتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہ ہوجاتا اور بھٹک گیا ہوتا، لیکن مجھے میرے پروردگار نے شرک اور گمراہی سے بچالیا۔

اس کے بعد ایک روز سورج کو آب وتاب کے ساتھ چمکتے دیکھا تو پھر قوم کو سنا کر اسی طریقہ پر فرمایا کہ (تمہارے خیال کے مطابق) یہ میرا ربّ ہے، اور یہ تو سب سے بڑا بھی ہے، پورے جہان کو روشن کیے ہوئے ہے، چاند بھی اسی سے روشنی حاصل کرتا ہے، مگر جب سورج اپنے وقت پر شام کو غروب ہوگیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم! میں تمہارے ان مشرکانہ خیالات اور افعال سے بری ہوں، یہ ستارے، چاند اور سورج وغیرہ سب مخلوقات ہیں، اور جو مخلوق ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا، اگر کوئی معبود کہلائے جانے کے حقدار ہے تو وہ اس پاک پروردگار کی ذات والا صفات ہے جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا، جو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، اسی لیے میں تمہارے ان سب خودتراشیدہ بتوں اور جھوٹے خداؤں سے رخ پھیر کر اسی خدائے وحدہ لاشریک کی طرف متوجہ ہوا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اس کے بعد آپ مسلسل اپنی قوم کو سمجھاتے رہے، انہیں شرک اور بت پرستی سے باز رہنے کی تلقین کرتے رہے، لیکن قوم آپ کی مخالفت پر اتر آئی، آپ کو دھمکیاں دی گئیں، لیکن آپ نے کسی کی پرواہ نہ کی اور دعوت توحید کا سلسلہ جاری وساری رکھا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ
اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ
وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ
وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ
اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ
بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ
اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

''توحید'' تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ عقیدہ ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنی قوم کے مناظرہ میں واضح فتح پائی اور ان کو لاجواب کر دیا، یہ ہمارا ہی انعام تھا کہ ان کو صحیح نظریہ عطا کیا اور اس کے واضح دلائل عطا فرمائے، اور اسی نظریہ اور عقیدہ کی بدولت ان کے مقام و مرتبہ کو بہت بلند کر دیا، یہی وجہ ہے کہ یہودی، عیسائی، مسلمان اور دیگر مذاہب والے سب ان کے تقدس کے قائل ہیں اور ان کی تعظیم کرتے چلے آئے ہیں، اور یہ نظریہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نہیں تھا، بلکہ اللہ ربّ العزّت نے ان سے پہلے اور ان کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں بھیجے، ان سب کا بھی عقیدہ اور نظریہ توحید کا تھا، انہوں نے سب سے پہلے اسی عقیدے کی تبلیغ کی ہے، یہ بنیادی عقیدہ ہے، جس کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے، چنانچہ اس ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ تقریباً سترہ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا جن میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام شامل ہیں۔ ان سب انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا کہ یہ سب ہدایت یافتہ، نیک صالح اور صراط مستقیم پر تھے اور ان سب کو اللہ ربّ العزّت نے اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب اور قبول فرمایا ہے۔ ان سب کو اللہ ربّ العزّت نے کتاب اور وحی کا اعلیٰ شرف عطا فرمایا، انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا، یہ سب چنیدہ شخصیات ہیں، اور ان سب نے عقیدہ توحید کا ہی پرچار کیا اور لوگوں کو شرک سے منع کرتے رہے، کیونکہ شرک ایسا جرم ہے کہ اگر بالفرض والمحال ان چنیدہ شخصیات میں سے بھی کوئی اس جرم کا ارتکاب کر لیتا تو باری تعالیٰ اس کے سارے اعمال اکارت فرما دیتے، اس لیے توحید پر آؤ اور شرک کی جملہ صورتوں سے باز رہنے کی کوشش کرو۔

قرآنِ کریم میں انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی

دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، ایک حدیث مبارکہ میں ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ منقول ہے، لیکن قرآنِ کریم میں صرف پچیس انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی ذکر کیے گئے ہیں، جن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ ان پچیس میں سے اٹھارہ نام اس مقام پر اکٹھے وارد ہوئے ہیں۔ قرآنِ کریم میں مذکور انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام	۲۔ حضرت ادریس علیہ السلام	۳۔ حضرت نوح علیہ السلام
۴۔ حضرت ہود علیہ السلام	۵ حضرت صالح علیہ السلام	۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام
۷۔ حضرت اسحاق علیہ السلام	۸۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام	۹۔ حضرت لوط علیہ السلام
۱۰۔ حضرت یعقوب علیہ السلام	۱۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام	۱۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام
۱۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام	۱۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱۵۔ حضرت ہارون علیہ السلام
۱۶۔ حضرت یونس علیہ السلام	۱۷۔ حضرت داؤد علیہ السلام	۱۸۔ حضرت سلیمان علیہ السلام
۱۹۔ حضرت الیاس علیہ السلام	۲۰۔ حضرت الیسع علیہ السلام	۲۱۔ حضرت زکریا علیہ السلام
۲۲۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام	۲۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۲۴۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام
	۲۵۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ
مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ
وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ
يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ
يُحَافِظُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ
مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ
تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝

کفّار کے ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب

بعض کفّار و مشرکین اور یہود یہ کہتے تھے کہ اللہ ربّ العزّت نے کبھی کسی بشر پر کوئی کتاب نازل ہی نہیں فرمائی، یہ کتابوں اور رسولوں کا معاملہ (نعوذ باللہ) بالکل من گھڑت ہے، اس کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ بے ہودہ بات کی ہے، انہوں نے درحقیقت باری تعالیٰ کو کما حقہٗ نہیں پہچانا، اور اس کی ایسی قدر نہیں کی جیسے قدر کرنے کا حق تھا، آپ ان سے ذرا پوچھیے کہ اگر اللہ ربّ العزّت نے کبھی کسی بشر پر کوئی کتاب نہیں بھیجی تو یہ بتاؤ کہ یہ تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جسے تم بھی مانتے ہو، کس نے نازل کی ہے؟ اور تمہارا تو حال یہ ہے کہ تم نے اس تورات کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، کچھ حصوں کو ظاہر کرتے ہو اور کچھ حصے جو تمہارے مفادات کے خلاف ہیں، انہیں چھپا لیتے ہو، تو جس ذات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ہے، اسی ذات نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا، یہ قرآن ان سب چیزوں کی تصدیق کرتا ہے جو تورات و انجیل میں نازل ہوئیں، اور اس کے نزول کی غرض اہل مکہ اور دنیا بھر کے لوگوں کو شفقت سے سمجھانا ہے، چنانچہ جن کے دل میں ایمان ہوتا ہے وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اپنی نمازوں کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ سو اگر تم اب بھی ایمان نہیں لاتے اور اپنے اسی جھوٹے دعویٰ پر ڈٹے رہتے ہو کہ اللہ ربّ العزّت نے کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی تو تمہارا یہ کہنا باری تعالیٰ پر افتراء ہے، اور باری تعالیٰ پر افترا باندھنے والے سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے؟

ظالموں کو مرتے ہی عذابِ قبر شروع ہو جائے گا

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر یہ ظالم آپ کی بات نہیں مانتے اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو آپ فکر مت کیجیے، یہ عنقریب اپنا انجام خود دیکھ لیں گے، جب یہ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور موت کے فرشتے سختی کے ساتھ ان کی روحیں قبض کر رہے ہوں گے، اور انہیں کہیں گے کہ آج مرنے کے ساتھ ہی تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ پھر جب قیامت کے دن باری تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو تمہیں عذاب سے بچانے والا اور تمہاری سفارش کرنے والا کوئی نہیں ہو گا، اس دن تمہارے سارے جھوٹے معبود ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے۔

مفسرین کرام نے اس آیت کو عذابِ قبر کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، کیونکہ اس میں موت کے وقت فرشتوں کی سختی کا ذکر ہے اور فرشتوں کا یہ مقولہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آج تمہیں ذلت والے عذاب کا مزہ چکھنا ہو گا، جس سے مراد موت کے فوراً بعد کا عذاب ہے، کیونکہ قیامت کے احوال اگلی آیت میں مستقل طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے "اثباتِ عذابِ قبر" کا باب قائم فرمایا ہے۔ نیز موت سے قبل شروع ہونے والا یہ عذاب روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے، تو مرنے کے بعد بھی عذاب و ثواب جسد و روح دونوں پر ہی ہوتا ہے۔

تُؤْفَكُوْنَ ۝ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ
الْعَلِیْمِ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ
یَّعْلَمُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ
یَّفْقَهُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ
مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلُوْا
لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝

”توحید“ کے واضح دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت ہی وہ ذات ہے جو دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر اس سے ہری بھری کونپل نکالتے ہیں اور اسے ایک تناور درخت بنا دیتے ہیں، وہی زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا فرماتے ہیں (جیسے مردہ انڈے سے زندہ چوزہ اور زندہ مرغی سے مردہ انڈہ وغیرہ) وہی ذات ہے جو اندھیروں کو پھاڑ کر اس سے روشن صبح طلوع فرماتے ہیں، اسی پاک ذات نے رات کو سکون اور آرام کا ذریعہ بنایا ہے، سورج اور چاند کا مرتب نظام اسی پروردگارِ عالم کی صناعی کا نمونہ ہے، جو صدیوں سے بنا کسی تعطل اور خرابی کے اپنے طے کردہ مدار میں گردش میں ہے، اور ان کی یہ گردش دن اور رات، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کے حساب میں معاون ثابت ہوتی ہے، اسی پاک ذات نے اندھیری رات میں ستارے روشن فرمائے، جو ایک طرف آسمان کے لیے خوبصورتی اور حفاظت کا باعث ہیں تو دوسری طرف انہی ستاروں سے انسان اپنے بحری اور بری سفروں میں راستوں کی تعیین میں مدد لیتا ہے، اسی پاک ذات نے انسان کو ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا، اور اس کو دنیا میں ٹھکانا عطا فرمایا، پھر آخرت میں اس کے لیے ہمیشہ رہنے والے گھر تیار کر رکھے ہیں۔

یہی اللہ ہے جو آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے انواع و اقسام کے پھل، پھول اور مختلف قسم کی نباتات اگاتا ہے، انگور، انار، زیتون اور دیگر ملتے جلتے اور ایک دوسرے سے مختلف غرض ہر قسم کے پھل اس پاک پروردگار کی قدرت کی نشانیاں اور اسی کی نعمتیں ہیں، ان سب نعمتوں میں ایمان والوں کے لیے واضح نشانیاں اور توحید کے واضح دلائل ہیں۔

مشرکین کی کم علمی

قدرت باری تعالیٰ کے نمونے بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مشرکین سے شکوہ کیا کہ میں نے ان کو ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں، جن کا تقاضا یہ تھا کہ وہ میرا شکر ادا کرتے اور مجھ پر ایمان لاتے، لیکن بجائے شکر کرنے کے انہوں نے ناشکری کی اور کفر و شرک کرنے لگے، اور انہوں نے جہالت کی وجہ سے یہ عقیدہ رکھا کہ (نعوذ باللہ) جنات کے

سرداروں کی بیٹیاں اللہ ربّ العزّت کی بیویاں ہیں اور فرشتے اللہ ربّ العزّت کی بیٹیاں ہیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس باطل عقیدے کی تردید کی اور ارشاد فرمایا کہ وہ ذات تمہاری ان خرافات سے بالکل پاک ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ اس کی کوئی بیوی اور اولاد ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

آخرت میں دیدارِ الٰہی برحق ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ساری مخلوقات جنات، انسان، فرشتے اور تمام حیوانات کی نگاہیں مل کر بھی اللہ ربّ العزّت کو اس طرح نہیں دیکھ سکتیں کہ یہ نگاہیں اس کی ذات کا احاطہ کر لیں، جبکہ اللہ ربّ العزّت تمام مخلوقات کی نگاہوں کو پوری طرح دیکھتے ہیں اور ان سب کا احاطہ فرماتے ہیں۔

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ کیا انسان کو اللہ ربّ العزّت کی زیارت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں تمام علمائے اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس دنیا میں تو باری تعالیٰ کا دیدار اور زیارت نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں یہ درخواست کی تھی کہ مجھے اپنا دیدار نصیب فرما دیجیے تو باری تعالیٰ کی جانب سے جواب ارشاد ہوا تھا کہ آپ مجھ نہیں دیکھ سکتے، البتہ آخرت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کی زیارت ہونا خود قرآنِ کریم اور صحیح وقوی احادیث سے ثابت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ'' (القیامۃ: ۲۲، ۲۳)، یعنی قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے ربّ کی جانب دیکھ رہے ہوں گے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات چاندنی رات میں تشریف فرما تھے، صحابہ کرام کا مجمع اردگرد موجود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا کہ آخرت میں تم اپنے ربّ کو اسی طرح واضح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ (صحیح بخاری: ۵۷۳)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اہلِ جنت، جنّت میں داخل ہو جائیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ جو نعمتیں جنّت میں مل چکی ہیں، ان سے زائد اور کچھ چاہیے تو بتاؤ کہ وہ بھی ہم دے دیں، جنتی عرض کریں گے کہ یا اللہ! آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی، جنّت میں داخل فرمایا، اس سے زیادہ ہم کیا چاہیں گے؟ اس وقت باری تعالیٰ حجاب اٹھا دیں گے اور سب کو اللہ ربّ العزّت کی زیارت ہوگی، جو جنّت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/۱۶۳)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ
ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ
لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ
وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

مشرکین کے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب ابوطالب مرض الوفات میں تھے تو قریش کے مشرک سردار جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں بھی کرتے رہتے تھے، ان کو یہ فکر ہوئی کہ ابوطالب کی وفات کے بعد اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کریں تو یہ ہماری عزت اور شرافت کے خلاف ہوگا کیونکہ لوگ کہیں گے کہ ابوطالب کے سامنے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے، ان کی موت کے بعد اکیلا پا کر قتل کر دیا، اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم مل کر خود ابوطالب سے ہی اس کے متعلق کوئی لائحہ عمل طے کر لیں۔ چنانچہ چند قریشی سردار جناب ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمیں اور ہمارے معبودوں کو سخت تکلیف میں مبتلا کیا ہوا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں تو ہم اس پر صلح کر لیں گے کہ وہ اپنے دین پر جس طرح چاہیں عمل کریں۔ جناب ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور ان کے سامنے قریش کے سرداروں کی بات رکھی، آپ نے انہیں کلمہ پڑھنے کی دعوت دی، جس پر وہ بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ یا تو آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ کو بھی گالیاں دیں گے اور اس ذات کو بھی جس کے رسول ہونے کا دعوی آپ کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرما دیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر آپ ان کے جھوٹے معبودوں کو برا بھلا کہیں گے تو وہ آپ کے سچے معبود کو برا کہنے لگیں گے۔ یہی حکم تمام دین کے داعیوں کے لیے ہے کہ وہ احسن انداز میں دین کا پیغام ہر ایک تک پہنچائیں، لیکن کسی کے جھوٹے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے سے اجتناب کریں۔

مشرکین کی جھوٹی قسمیں

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کی ایک اور بری عادت کو بیان فرمایا، مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نت نئے معجزات دکھانے کی فرمائش کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا تو انہوں نے قسمیں کھا لیں، اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی دُعا کے مطابق اللہ ربّ العزّت پہاڑ کو سونے کا

بنا تو دیں گے، لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان سب پر خدا کا قہر و غضب نازل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر دُعا کرنے کا ارادہ ترک فرما دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کافر مطلوبہ معجزہ کے پورا ہونے پر ایمان لانے کی پرزور قسمیں کھاتے ہیں، آپ ان سے فرما دیجیے کہ معجزات دکھانا میرے اختیار میں نہیں، اللہ ربّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور اللہ ربّ العزّت جانتے ہیں کہ ان فرمائشی معجزات دکھا دیے جانے کے باوجود بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ اسی طرح اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں گے۔ اس لیے ان کے فرمائشی معجزات دکھانے کی دُعا کرنا بے سود ہے۔

پارہ نمبر ۸

یہ پارہ سورۃ الانعام کے بقیہ حصے اور سورۃ الاعراف کے کچھ حصے پر مشتمل ہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۝

مشرکین کے اِعتراض کا جواب

مشرکین بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو ہمارے سامنے فرشتوں کو لے کر آئیں جو آپ کی رسالت کی تصدیق کریں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم ان کے سامنے فرشتے اتار بھی دیں اور اس کے علاوہ ان کو مزید نشانیاں بھی دکھا دیں، مثلاً مردے زندہ ہو کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور اس کے علاوہ کائنات کی ساری نشانیوں کو ان کے سامنے کر دیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ ان مطالبات سے ان کی غرض ایمان لانا ہے ہی نہیں، یہ صرف تمسخر اور مذاق کے لیے یہ مطالبات کرتے ہیں، اس لیے یہ معجزات اور نشانیاں ان کے سامنے ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ہر نبی کے دشمن رہے ہیں!

اس کے بعد باری تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ کفار و مشرکین آپ کو تکالیف پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں، یہ صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں، بلکہ ہر نبی کے بہت سے دشمن ہوتے آئے ہیں جو انسانوں میں سے بھی تھے اور جنات میں سے بھی، جو ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتیں سنا کر دھوکے میں رکھتے اور انہیں کفر پر مصر رکھنے کی کوشش کرتے رہتے، اگر اللہ ربّ العزّت چاہتے تو ان کو ان سب کاموں سے روک سکتے تھے، کیونکہ باری تعالیٰ کی مشیت کے خلاف کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے، لیکن بعض حکمتوں کی وجہ سے باری تعالیٰ نے انہیں

ڈھیل دی، اور یہ سلسلہ ابھی تک چلا آ رہا ہے، لہٰذا آپ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے، اور ان کی پرواہ نہ کیجیے، ہم خود ایک متعین وقت پر انہیں ان کے انجام سے دوچار کریں گے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ
فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا
كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى
اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝

کفّار کا عجیب اعتراض اور اس کا جواب، نیز "شرکِ فعلی" کی تردید

مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو ان کے دین کے بارے میں شکوک میں مبتلا کرنے کے لیے بسا اوقات ان سے عجیب سوالات کیا کرتے تھے، انہی میں سے ایک سوال اور اعتراض یہ تھا کہ تم اس جانور کو تو کھاتے ہو جسے اپنے ہاتھ سے مارتے ہو، لیکن اس جانور کو نہیں کھاتے جسے اللہ ربّ العزّت نے مارا ہو، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ ربّ العزّت کے مارے ہوئے جانور کو بطریق اولیٰ کھاتے، لیکن تم ایسا نہیں کرتے، مسلمانوں نے یہ اعتراض اور اشکال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات نازل فرمائیں۔

اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کی مرضی وہ جس جانور کو حلال قرار دے اور جسے حرام کرے، مسلمان کے ذمہ اللہ ربّ العزّت کے احکام کی پاسداری ہے، چاہے اسے ان احکام کی علت اور حکمت سمجھ میں نہ آئے۔ تو جب اللہ ربّ العزّت نے اس جانور کو حلال قرار دیا ہے جسے باقاعدہ ذبح کیا گیا ہو اور اس پر اللہ ربّ العزّت کا نام بھی لیا گیا ہو، کیونکہ ذبح کرنے سے ان کے اندر کا خون اور غلاظتیں نکل جاتی ہیں جس سے وہ پاک ہو جاتا ہے اور باری تعالیٰ کا نام لینے سے اس میں برکت آ جاتی ہے، جبکہ جو جانور اپنی طبعی موت مر جائے یا جس پر پروردگارِ عالم کا نام نہ لیا گیا ہو، اسے حرام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ذبح نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اندر کی نجاستیں اس کے اندر ہی رہ جاتی ہیں اور وہ ناپاک رہتا ہے اور باری تعالیٰ کا نام نہ لینے سے اس میں برکت بھی نہیں آتی، اسی لیے مؤمن اور مسلمان اس حکم کی پاسداری میں انہی جانوروں کو کھاتا ہے جو حلال ہیں اور ان سے دور رہتا ہے جو حرام ہوں۔ یہی توحیدِ فعلی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دینا اور حلال اشیاء کو حرام قرار دینا شرکِ فعلی ہے۔ البتہ اضطراری حالت کے احکام الگ ہیں، اور حرام جانوروں کی تفصیل سورہ مائدہ میں گزر چکی ہے۔ سو ان کفّار و مشرکین کے اعتراضات چونکہ محض وسوسے اور شبہات پیدا کرنے کے لیے ہیں، اس لیے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

مومن و کافر کی مثال

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے مؤمن اور کافر کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ مؤمن کی مثال زندہ شخص کی سی ہے جسے ہم نے نور یعنی ایمان عطا کیا، اور وہ اس ایمان کی روشنی میں چلتا پھرتا ہے، جبکہ کافر کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیروں میں بھٹک رہا ہے اور ان اندھیروں سے نکل ہی نہیں پاتا، یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، بھلا زندہ اور مردہ اور روشنی اور اندھیرا کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ کچھ آیات بعد پھر فرمایا کہ جس شخص کو اللہ رَبّ العزّت ایمان کی دولت سے نوازتے ہیں، اس کے سینے کو اللہ تعالیٰ کھول دیتے ہیں، اسے انشراحِ واطمینانِ قلب عطا فرماتے ہیں، جبکہ جس شخص کو اللہ رَبّ العزّت گمراہ کر دیں اس پر اللہ رَبّ العزّت سینہ کی تنگی کا عذاب مسلط فرما دیتے ہیں، اور اس کے لیے اسلام قبول کرنا ایسی مصیبت لگتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھنا چاہتا ہو اور اس سے چڑھا نہ جاتا ہو، بلکہ دم گھٹنے لگے۔

اِعجازِ قرآنی

بلندی پر چڑھتے ہوئے سینہ تنگ ہونے کی مثال اعجازِ قرآنی کی معرکۃ الآراء مثال شمار ہوتی ہے، اس لیے کہ طبِ جدید کی تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ بلندی پر آکسیجن کی کمی کی وجہ سے دم گھٹنے لگتا ہے، سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے، چودہ صدیاں قبل اس سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ قرآن کسی انسان کا نہیں، بلکہ رَبّ العالمین کا کلام ہے۔

وَهَٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

سلامتی کا گھر

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن اور شریعتِ اسلام جو آپ کو دی گئی ہے، یہ صراطِ مستقیم ہے اور آپ کے رَبّ کا راستہ ہے، جو لوگ اس راستہ پر چلیں گے ان کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے سلامتی کا گھر تیار کر رکھا ہے، یعنی ان کے لیے جنّت تیار کی گئی ہے، دار السلام جنّت کا ایک نام ہے، جس کا معنی سلامتی کا گھر ہے، جنّت کو دار السلام اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں امن و سلامتی ہوگی، ہر تکلیف و پریشانی سے وہاں سلامتی ہوگی، باری تعالیٰ اور فرشتوں کی جانب سے انہیں مسلسل سلام کیا جائے گا، نیز باری تعالیٰ کا ایک نام "سلام" ہے، اور دار السلام کا مطلب اللہ کا گھر ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ
قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَنْ
لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝

مجرمین کا اِعترافِ جرم

میدانِ محشر میں تمام انسانوں اور جنات کو جمع کر کے ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم جو کفر کی راہ پر گامزن ہوئے اور پروردگارِ عالم کی نافرمانی کرتے رہے، اس کا کیا سبب ہے، کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں پہنچے جو میری آیات تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور آج کے دن کی حاضری اور حساب سے ڈراتے تھے؟ تو وہ سب اپنے گناہوں اور دنیا میں کیے گئے جرموں کا اعتراف کریں گے، اس کے بعد ان کو ان کے کرتوتوں کی سزا دی جائے گی۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء ورسل کا بھیجا جانا دراصل باری تعالیٰ کے عدل وانصاف کی دلیل ہے، باری تعالیٰ کسی بھی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں فرماتے جب تک کہ ان کے پاس انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اپنا پیغام نہ بھجوا دیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ
لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰي شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ
لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۗؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا
فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ڰ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَاۗءُ بِزَعْمِهِمْ
وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاۗءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً
فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۗءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَي اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

مشرکین کی رُسومِ باطلہ اور ”شرکِ فعلی“ کی تردید

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ کی چند بری رسوم کا تذکرہ فرما کر ان کی تردید فرمائی، نیز مشرکین اپنی جانب سے جو چیزیں حرام کر کے فعلی شرک کا ارتکاب کرتے تھے، اس کی تردید فرمائی۔

پہلی رسم

مشرکین مکہ کی عادت یہ تھی کہ کھیتی اور باغات، نیز تجارتوں سے جو کچھ پیداوار ہوتی تھی، اس میں سے ایک حصہ اللہ

کے لیے اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لیے نکالا کرتے تھے، مگر اللہ ربّ العزّت کے حصے کی بنسبت غیر اللہ کے حصے کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اور ان کا زیادہ خیال کرتے تھے، اگر کبھی بتوں کے حصے میں سے کوئی چیز اللہ کے حصہ میں پڑ جاتی تو اس کو حساب پورا کرنے کے لیے اس میں سے نکال لیتے تھے، لیکن اگر کبھی اللہ کے حصے میں سے کوئی چیز بتوں کے حصے میں چلی جاتی تو اس کو وہیں رہنے دیتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ان کی اس رسم کو ختم کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل بہت برا ہے۔

دوسری رسم

یہ تھی کہ وہ جانوروں میں بھی یہی معاملہ کرتے تھے، یعنی بعض جانور اللہ کے لیے رکھتے تھے اور بعض بتوں کے لیے، پھر اگر بتوں والے جانوروں میں سے کچھ جانور اللہ ربّ العزّت کے لیے مخصوص کردہ حصے میں چلے جاتے تو انہیں وہاں سے واپس کرتے، اور اگر اللہ رب العزت والے حصے میں سے کوئی جانور بتوں والے حصے میں چلا جاتا تو اسے وہیں رہنے دیتے تھے۔

تیسری رسم

اگر کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تھی تو اسے باعث عار سمجھا جاتا تھا، اور اس بچی کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔

چوتھی رسم

کچھ کھیت بتوں کے نام وقف کر دیتے اور کہتے کہ ان کی پیداوار صرف مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔

پانچویں رسم

اسی طرح وہ جانوروں میں سے بھی بعض جانور بتوں کے لیے وقف کر کے ان کو مردوں کے لیے خاص کر لیتے تھے۔

چھٹی رسم

جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، ان پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھتے تھے۔

ساتویں رسم

بعض جانور ایسے تھے جن پر کسی موقع میں بھی اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، نہ دودھ نکالنے کے وقت، نہ سوار ہوتے وقت اور نہ ذبح کرتے وقت۔

آٹھویں رسم

جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اگر ان کو ذبح کرتے وقت ان کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلتا تو اس کو بھی ذبح کر لیتے لیکن اس کے گوشت کو صرف مردوں کے لیے حلال سمجھتے تھے، اور عورتوں کے لیے اس کا گوشت حرام قرار دیا جاتا تھا، اور اگر اس جانور کے پیٹ سے مردہ بچہ پیدا ہوتا تو اسے سب کے لیے حلال سمجھتے تھے۔

اللہ ربّ العزّت نے یہ سب رسمیں ذکر کرنے کے بعد خلاصہ کے طور پر ان سب کا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے ان باطل رسموں کو اپنایا، اپنی اولاد کو قتل کیا، اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا وہ سب پرلے درجے کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ سب خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

باغات اور فصلوں میں ''عشر'' لازم ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی چند نعمتیں گنوا کر اور نباتات اور جانوروں کی مختلف قسمیں ذکر فرما کر یہ بتایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزیں ہیں، نیز ان کو غیر اللہ کے نام وقف کرنے پر تنبیہ فرمائی اور باری تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے مختلف قسم کے باغات اگائے، بعض باغات بیلدار ہیں، جیسے انگور وغیرہ، اور بعض ایسے ہیں جو زمین پر بچھے رہتے ہیں یا تنادار درخت ہیں، اسی طرح کھجور کے درخت اور فصلیں اور کھیت بھی اسی پاک پروردگار کی صناعی کے نمونے ہیں، اسی طرح زیتون، انار اور دیگر پھل بھی اسی نے پیدا فرمائے ہیں، یہ سب پھل اور فصلیں وغیرہ اس نے انسان کے فائدہ کے لیے اگائی ہیں، اسی لیے ارشاد فرمایا کہ جب ان کا پھل تیار ہو جائے اور پک جائے تو ان کو کھاؤ، اور اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کرو۔

شکر جس طرح زبان اور دل سے ادا کیا جاتا ہے اسی طرح عمل سے بھی شکر کا اظہار کرنا بسا اوقات لازم اور ضروری ہوتا ہے، چنانچہ یہاں بھی عملی شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا جس کی صورت یہ ارشاد فرمائی کہ جس دن کھیتی کی کٹائی اور باغات سے پھلوں کو اتارا جائے، اس دن اس کھیتی اور باغات کی پیداوار میں سے اللہ ربّ العزّت کا حصہ اور اس کا حق ادا کرو، جسے اصطلاح میں عشر کہتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں بھی عشر ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ عشر کے لیے پیداوار کی کسی خاص مقدار کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ زمین سے جتنی بھی پیداوار نکلے خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ، اس پر عشر لازم ہے۔

’’عشر‘‘ کی تعریف

عشر، عربی میں دسویں حصے کو کہتے ہیں۔ فقہاء کرام کی اصطلاح میں عشر زمینی پیداوار کے اس مخصوص حصے کا نام ہے جسے پیداوار سے نکال کر مستحقین زکوٰۃ کو دینا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ مخصوص حصہ بعض سورتوں میں پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں بیسواں حصہ، جس کی تفصیل احادیث مبارکہ میں ذکی کی گئی ہے۔

کون سی صورتوں میں ’’عشر‘‘ (دسواں حصّہ) اور کون سی صورتوں میں ’’نصف عشر‘‘ (بیسواں حصّہ) واجب ہوگا؟

حدیث مبارکہ میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق بارانی زمینوں (وہ زمین جس میں آبپاشی پر کوئی خرچہ نہیں ہوتا) میں پیداوار کا دسواں حصہ لازم ہوگا، اور جو زمینیں کنوؤں، ٹیوب ویل وغیرہ (جس میں آبپاشی پر خرچہ آتا ہو) سے سیراب کی جاتی ہوں، ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے۔

اور اگر کوئی زمین بارش اور ٹیوب ویل وغیرہ دونوں طرح کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس میں اکثر پانی کا اعتبار ہوگا، اگر بارانی پانی کا استعمال زیادہ ہو تو دسواں حصہ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر ٹیوب ویل وغیرہ کا پانی زیادہ دیا جاتا ہو تو بیسواں حصہ لازم ہوگا۔

جانوروں کے فوائد

باغات اور کھیتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے جانوروں کا تذکرہ فرمایا اور ان کے فوائد ذکر فرمائے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ بعض جانور چھوٹے اور پست قد کے ہوتے ہیں، جیسے بھیڑ، بکری اور دنبہ وغیرہ، جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور دودھ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور بعض جانور دراز اور اونچے قد کے ہوتے ہیں، جیسے: گائے بھینس اور اونٹ وغیرہ، یہ دودھ دینے اور بار برداری کے کام آتے ہیں۔ تو جن جانوروں کو اللہ ربّ العزّت نے حلال قرار دیا ہے، انہیں کھاؤ، اور اپنی طرف سے کسی حلال جانور کو حرام قرار دے کر شیطان کے راستہ پر مت چلو اور اس کی پیروی نہ کرو، کیونکہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

آٹھ قسم کے پالتو جانور

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ان جانوروں کا تذکرہ فرمایا جو حلال اور پالتو ہیں، اور جن کی قربانی بھی کی جاسکتی ہے، اور وہ آٹھ قسم کے ہیں: بھیڑ (دنبہ) میں سے دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ)، اور بکری میں دو قسم (نر اور مادہ)، اسی طرح اونٹ میں دو قسم (نر اور مادہ) اور گائے (بھینس) میں دو قسم (نر اور مادہ)، یہ سب کے سب اللہ رَبّ العزّت نے حلال قرار دیے ہیں۔ اب اگر مشرکین ان کو حرام قرار دیتے ہیں تو ان سے کہہ دیجیے کہ تمہارے پاس ان جانوروں کی حرمت کی کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے نر حرام کیے یا مادہ یا مادہ کے پیٹ میں موجود بچہ؟ کیا اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے سامنے ان جانوروں کو حرام قرار دیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اور کسی رسول اور نبی کو بھی تم نہیں مانتے، اس سے معلوم ہوا کہ تم جو ان جانوروں کو حرام قرار دیتے ہو، اس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، سو یہ اللہ رَبّ العزّت پر بہتان ہے، اور اللہ پر بہتان لگانے والے سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟ سن لو! اللہ رَبّ العزّت ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

حرام غذائی اشیاء

گزشتہ آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے مشرکین کے اس عمل اور بری رسم کی تردید فرمائی تھی کہ وہ حلال جانوروں کو حرام قرار دیتے تھے، ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ان غذائی اشیاء کا تذکرہ فرمایا جن کو خود اللہ رَبّ العزّت نے حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے فرمادیجیے کہ اللہ رَبّ العزّت نے مجھے جو وحی فرمائی ہے، اس میں صرف درج ذیل غذائی اشیاء حرام قرار دی گئی ہیں:

۱۔ مردار (وہ جانور جو اپنی طبعی موت مر گیا ہو)۔

۲۔ ذبح کے وقت نکلنے والا خون۔

۳۔ خنزیر۔

۴۔ غیر اللہ کے لیے نامزد یا ذبح کردہ جانور۔

یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اسی طرح کھانے پینے اور پہننے کی وہ اشیاء جو غیر اللہ کے نام پر دی گئی ہوں، سب حرام ہیں۔ البتہ اگر کسی شخص کو اتنی شدید بھوک ہو کہ کچھ نہ کھانے سے ہلاکت کا اندیشہ ہو اور اس کے پاس کھانے کے لیے کوئی حلال

چیز موجود نہ ہو تو محض اپنی جان بچانے کے لیے مذکورہ بالا حرام چیزوں میں سے اتنی مقدار کھانے کی گنجائش ہے جس سے اس کی جان بچ سکے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہود پر اللہ ربّ العزّت نے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بطور سزا کے دو مزید چیزیں بھی حرام قرار دی تھیں:

۱۔ ہر کھر والا جانور۔

۲۔ گائے اور بکری کی چربی۔

البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا ان کی انتڑیوں پر لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو، اس کا کھانا حلال تھا۔ یہ دو چیزیں اُمّتِ محمدیہ پر حرام نہیں ہیں۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝

مشرکین کے نظریے کی تردید

مشرکین کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے، اور نہ ہم کسی جانور کو حرام ٹھہراتے، معلوم ہوا کہ ہم کچھ کر رہے ہیں، وہ اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس طرح مختلف شبہات کی وجہ سے رسولوں کی تکذیب کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے بھی منکرین نے اسی طرح تکذیب کی تھی، مگر ان کا انجام سب کے سامنے ہے، اللہ ربّ العزّت کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا اور وہ سب صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے، اس لیے ان کو چاہیے کہ ان سابقہ قوموں کے انجام سے سبق لیں ورنہ ان کا انجام بھی عبرتناک ہوگا۔

اس کے بعد ان کفّار و مشرکین کو دوسرا جواب دیتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اپنے اس دعویٰ کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو، اور یہ بات یقینی ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، یہ صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ لہٰذا اے نبی! آپ ان لوگوں کے شبہات کی پرواہ نہ کیجیے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ ۚ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ۚ وَبِعَہْدِ اللّٰہِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ ہٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

عقائد واعمال سے متعلق دس احکام

ان آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے عقائد واعمال سے متعلق دس احکام ارشاد فرمائے ہیں۔ یہ وہ احکام ہیں جن پر تمام آسمانی شریعتیں متفق ہیں، اور تمام ادیان ان پر عمل کی دعوت دیتے ہیں، کیونکہ ان پر عمل کرنا انسان کی سعادت اور دُنیاوآخرت کی عزت وکرامت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ وہ اعمال یہ ہیں:

۱۔ صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

۲۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، انہیں کسی قسم کی ایذا اور تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

۳۔ اولاد کو فقر یا ننگ وعار کے خوف سے قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ ہر قسم کی بے حیائی سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، خواہ خفیہ بے حیائی ہو یا علانیہ طور پر۔

۵۔ کسی انسان کو ناحق قتل نہ کیا جائے۔

۶۔ یتیم کے مال میں ناحق تصرف نہ کیا جائے۔

۷۔ ناپ تول میں کمی نہ کی جائے۔

۸۔ گواہی اور فیصلہ وغیرہ میں ناانصافی نہ کی جائے، بلکہ عدل وانصاف سے کام لیا جائے، خواہ کوئی اپنا ہو یا پرایا۔

۹۔ اللہ رَبُّ العزّت کے ساتھ کیے گئے عہد کو ہر حال میں پورا کیا جائے۔

۱۰۔ اللہ رَبُّ العزّت کے سیدھے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے اختیار نہ کیے جائیں، بلکہ صراط مستقیم کی اتباع کی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت نامہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہے جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے، ان میں وہ وصیت موجود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رَبُّ العزّت کے حکم سے امت کو دی ہے۔ (معارف القرآن)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى
طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ
اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ
عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝

نزولِ قرآن کی حکمتیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ کریم کی حقانیت کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے نزول کی حکمتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن بہت بابرکت کتاب ہے، جسے ہم نے نازل کیا ہے، اس کی اتباع کیجیے اور اس پر عمل کرکے تقویٰ اختیار کیجیے تاکہ آپ پر رحم کیا جائے۔

اس کو نازل کرنے میں یہ حکمت بھی ہے کہ کفّار اور مشرکین یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم سے پہلے والی امتوں (یہود ونصاریٰ) پر تو کتابیں نازل کی گئی تھیں، ہم تو ان کے پڑھنے سے قاصر رہے، اس لیے ہم کو توحید اور دیگر عقائد کی خبر نہ ہوسکی۔ اسی طرح قرآن نازل کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ کفّار و مشرکین یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ان سابقہ امتوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے اور ان سے زیادہ ہمارے عقائد و اعمال درست ہوتے۔ اب جبکہ یہ کتاب نازل کی جاچکی ہے تو ان کفّار پر اتمامِ حجت ہوچکا ہے، لہٰذا اب اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا
يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝

ابھی وقت ہے توبہ کرلو!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار و مشرکین سے شکوہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات دیکھ چکے ہو، حق اور صداقت کی راہیں تمہارے سامنے واضح ہوچکی ہیں اور خدا کی حجت تم پر تام ہوچکی ہے، اب ایمان لانے میں کسی چیز کا انتظار ہے؟ کیا تمھیں اس بات کا انتظار ہے کہ موت کے فرشتے تمہارے پاس پہنچ جائیں، یا میدانِ محشر کا انتظار کررہے ہو، یا اس بات کا انتظار کررہے ہو کہ قیامت کی بڑی نشانیاں دیکھ لو، قیامت کی بڑی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا ہے، قربِ قیامت میں سورج مغرب سے طلوع کرے گا، اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ حالانکہ ان تینوں صورتوں میں لایا جانے والا ایمان بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دنیا دارالعمل اور دارالامتحان ہے، اسی لیے یہاں ایمان وہی معتبر ہے جو بالغیب ہو، جب پردہ ہٹ جائے گا اور دوسرے جہان کے احوال منکشف ہونا

شروع ہوجائیں گے تب ایمان لانا معتبر نہیں ہوگا۔لہٰذا ابھی بھی وقت ہے ایمان لے آؤ اور توبہ کرلو اور اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے بچالو۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۝ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝

مرنا جینا صرف خدا کے لیے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے توحید کا ذکر فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اعلان فرمایا کہ اے نبی! آپ فرمادیجیے کہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا مرنا سب اللہ ربّ العزّت کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے توحید کا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں اسی پاک ذات کا فرمانبردار اور پیروی کرنے والا ہوں۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ولید بن مغیرہ کی بات کا جواب ارشاد فرمایا۔ولید بن مغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے کہتا تھا کہ اگر تم لوگ ہمارے دین میں واپس آجاؤ تو تمہارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھالیں گے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: اے نبی! آپ فرمادیجیے کہ میں باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو ربّ، مشکل کشا اور حاجت روا کیسے مان سکتا ہوں، حالانکہ اللہ ربّ العزّت صرف میرا ہی نہیں بلکہ کائنات کے ذرّے ذرّے کا ربّ ہے۔اور قیامت میں کوئی کسی کے گناہوں یا اعمال کا بوجھ نہیں اٹھاسکتا، ہر شخص اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہوگا۔

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ایک جامع نصیحت ارشاد فرمائی ہے کہ ہم نے تمہیں دنیا میں تم سے پہلے والی اُمتوں کا جانشین اور قائم مقام بنا کر بھیجا ہے، اور تم سب کے حالات مختلف رکھے ہیں، کوئی مالدار ہے تو کوئی مفلس، کوئی عزّت دار ہے تو کوئی عزت کا محتاج، یہ درجات اور حالات کا تفاوت تمہاری آزمائش کے لیے ہے، تاکہ مؤمن وکافر اور نیک وبد میں فرق اور امتیاز ہوجائے۔ اگر تم نیک اعمال اختیار کروگے تو تمہارے لیے پروردگارِ عالم کی خاص رحمت اور مغفرت ہوگی اور اگر تم برے اعمال اور کفر کو اختیار کروگے تو تمہارے لیے سخت ترین عذاب تیار ہوگا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت میں جابجا اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کے نمونے ذکر فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے۔

۲۔سورت میں کفّار کے مختلف اعتراضات اور شبہات کو ذکر فرما کر ان کے جوابات بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور شرک کی مذمت کا نمونہ بیان کیا گیا ہے۔

۴۔قرآنِ کریم کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت بھی ثابت کی گئی ہے۔

۵۔سورت میں مختلف انبیاء علیہم السلام کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے۔

۶۔قیامت کے احوال اور مختلف مناظر بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۷۔باغات اور کھیتوں سے حاصل ہونے والی پیداوار میں عشر کے وجوب کا حکم بھی اسی سورت میں مذکور ہے۔

۸۔سورت میں مویشیوں اور چوپایوں سے متعلق کفار کی غلط رسوم کو ذکر فرما کر ان کی تردید کی گئی ہے۔

۹۔سورت میں حلال پالتو جانوروں اور حرام غذائی اشیاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۰۔سورت میں عقائد و اعمال سے متعلق باری تعالیٰ کے دس احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس وصیتیں ذکر کی گئی ہیں۔

تلك عشرة كاملة

تمت سورة الانعام بعون الله سبحانه وتعالى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاَعْرَاف

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں ساتویں (۷) جبکہ نزول کے اعتبار سے انتالیس (۳۹) نمبر پر ہے، چوبیس (۲۴) رکوع اور دو سو چھ (۲۰۶) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اعراف کا لفظی معنی بلندی ہے، اصطلاح میں یہ اس جگہ کا نام ہے جو جنّت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے، جن لوگوں کے اچھے اور برے اعمال برابر ہوں گے، ان کو کچھ عرصہ کے لیے یہاں رکھا جائے گا، پھر ان کے ایمان کی وجہ سے بالآخر انہیں جنّت میں داخل کر دیا جائے گا۔ چونکہ اس سورت میں اعراف اور اس میں رکھے جانے والے لوگوں کا تفصیلی بیان آیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۃ اعراف رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، سابقہ امتوں کی ہلاکت اور انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر اجمالی طور پر کیا گیا تھا، اس سورت میں ان تینوں امور کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع حضرات انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات کی روشنی میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان اور اعمال صالحہ کی ترغیب، عمل کی صورت میں جنّت کی بشارت اور کفر کی صورت میں عذاب کی وعید سنا کر خبردار کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت شیطان کی مخاصمت کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔اہل جنّت اور اہل جہنّم کے باہمی مکالمہ کا بیان ہے۔

۳۔گزشتہ امتوں اور ان کے انبیاء علیہم السلام کے تفصیلی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

۴۔گزشتہ امتوں کی ہلاکت کے اسباب بھی ذکر کیے گئے ہیں، جن میں سرفہرست تکبّر اور حق سے اعراض ہے۔

۵۔سورت میں ابلیس کے اسلحہ کا ذکر کیا گیا ہے جس سے وہ اہل ایمان پر وار کرتا ہے، اور اس کا سب سے اہم اور مضبوط اسلحہ بے حیائی اور فحاشی و عریانی ہے۔

۶۔واقعہ سبت کے ضمن میں بنی اسرائیل کے تین گروہوں کا تذکرہ کیا گیا، جن میں سے ایک گروہ ان مؤمنین کا تھا جنہوں نے خود بھی اللہ ربّ العزّت کے حکم کی اطاعت گزاری کی اور دوسروں کو بھی اس سے روکا، دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے کھلم کھلا احکام باری تعالیٰ کی مخالفت کی اور تیسرا گروہ ان مؤمنین کا تھا جنہوں نے خود اللہ ربّ العزّت کا حکم مانا لیکن دوسروں کو احکام الٰہی کی مخالفت سے نہ روکا، ان تینوں کے انجام کو ذکر فرمایا تا کہ عبرت اور نصیحت حاصل کی جا سکے۔

۷۔سورت میں اس عہد کا بھی ذکر ہے جو اللہ ربّ العزّت نے تمام انسانوں سے ان کی تخلیق سے پہلے ہی عالم ارواح میں لیا تھا، اور سورت میں تین مقامات پر اس عہد کی خلاف ورزی پر تنبیہ فرمائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

کھل کر تبلیغِ دین کیجیے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب قرآن مجید نازل کی ہے، تا کہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو اللہ رب العزت کے احکام کی تبلیغ فرمائیں، انہیں نجات کا حقیقی راستہ دکھائیں، اور اس تبلیغ میں آپ کسی قسم کا ڈر اور خوف یا پریشانی اپنے دل میں نہ آنے دیں، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے آپ کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے، اس لیے بلاخوف احکام شریعت کی تبلیغ فرمائیں اور چونکہ آپ کے ذمہ صرف ان احکام کا پہنچا دینا ہے، منوانا آپ کے ذمہ نہیں، اس لیے اگر کوئی ایمان نہ لائے تو آپ پریشان اور کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ یہ خود اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے، جیسے ان سے پہلے بہت سی قوموں کے پاس انبیاء و رسل آئے، لیکن انہوں نے ان کی بات نہ مانی تو اللہ ربّ العزّت کے عذاب اور غضب کا شکار ہوئے اور ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح یہ بھی اگر اپنی روش سے باز نہ آئے اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے تو انہیں بھی عذاب الٰہی کا شکار ہونا پڑے گا۔

اس کے ساتھ نسلِ انسانی کو خطاب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کی اتباع کرو، غیر اللہ کی اتباع نہ کرو، لیکن یہ نصیحت کم ہی لوگ حاصل کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سی آبادیاں دوپہر کو اور بہت سی رات کو عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئیں، اور وہ یہی کہتے رہے کہ افسوس ہم ظالم تھے۔

پھر قیامت کے دن اللہ ربّ العزّت ان سے پوچھیں گے کہ ہم نے تمہارے پاس جو رسول اور کتابیں بھیجی تھیں، تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، اسی طرح رسولوں سے بھی پوچھا جائے گا کہ جو پیغام اور احکام دے کر ہم نے آپ کو بھیجا تھا وہ آپ نے اپنی امتوں کو پہنچا دیے یا نہیں؟ یوں اس دن حق بالکل واضح اور ظاہر ہو جائے گا اور کافر رسوا اور ذلیل ہوں گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

تخلیقِ آدم علیہ السلام اور شیطان کی دشمنی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور شیطان کی عداوت و دشمنی اور اس کے حسد کو بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونکی تو فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، ان سب نے باری تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اللہ ربّ العزّت نے اس سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے تمہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا، تو تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اس نے تکبّر اور غرور کرتے ہوئے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، کیونکہ میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے بنا ہے، آگ کی طبیعت میں بلندی ہے جبکہ مٹی کی طبیعت میں پستی ہے، لہٰذا آگ مٹی سے بہتر اور میں آدم سے بہتر اور افضل ہوں، اور اعلیٰ و افضل اپنے سے کم تر کو سجدہ نہیں کیا کرتا، اس لیے میں نے سجدہ نہیں کیا۔

شیطان کی دھمکی اور جوابِ خداوندی

اس تکبّر کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ ربّ العزّت نے اسے ہمیشہ کے لیے مردود اور راندۂ درگاہ کر دیا، اور اسے حکم دیا کہ آسمانوں سے ذلیل ہو کر دفع ہو جا، اس نے عین اس وقت جب اس پر عتاب ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ مجھے قیامت تک ڈھیل دے دیجیے، اللہ ربّ العزّت نے جواب میں کہا: جا! تجھے میں نے ڈھیل دے دی۔ جب اسے ڈھیل مل گئی تو اللہ ربّ العزّت سے کہا کہ میں آپ کے بندوں کو قیامت تک سیدھی راہ سے ہٹاتا رہوں گا، ان کے آگے سے، پیچھے سے

دائیں سے بائیں سے ان کو گمراہ کروں گا، اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جس نے بھی تیری اتباع کی، میں ان سب کو جہنّم میں جھونک دوں گا۔

وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۹ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۲۰ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۲۱ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۗ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۲۲ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۲۳ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲۴ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۲۵

شیطان کی چال

شیطان کے دھتکارے جانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام اوران کی زوجہ حوّا علیہا السلام کو جنّت میں ٹھہرایا، اوران سے فرمایا کہ جنّت میں کھاؤ پیو اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو، لیکن فلاں درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم خسارے میں ہو جاؤ گے، شیطان چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے راندۂ درگارہ ہوا تھا، اس لیے اس کے دل میں حضرت آدم علیہ السلام اوران کی اولاد کے لیے بغض اور حسد پنپ رہا تھا، جس کا اظہار اس نے پروردگار عالم کے سامنے بھی کر دیا تھا، اس نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنّت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے دیکھا تو حسد کے مارے گھلنے لگا اور دل ہی دل میں حضرت آدم علیہ السلام کو جنّت سے نکالنے کی ترکیبیں سوچنے لگا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک خاص درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا پھل لازمی کھانا چاہیے، کیونکہ جو اس کا پھل کھاتا ہے وہ ہمیشہ رہتا ہے یا وہ فرشتہ بن جاتا ہے، اور قسمیں کھا کر انہیں اپنی دیانتداری اور ایمانداری کا یقین دلایا، حضرت آدم علیہ السلام اس کے وسوسہ میں آگئے کہ اس درخت کے کھانے سے تا ابد اللہ تعالیٰ کی عبادت نصیب ہوگی، وہ درخت کھا بیٹھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت آدم اور حضرت حوّا کے کپڑے اُتر گئے اور عریانی آگئی، حضرت آدم و حوّا علیہما السلام نے فوراً جنّت کے درختوں کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنا شروع کر دیا۔

”عریانی“ شیطان کا ہتھیار

اس سے معلوم ہوا کہ عریانی و فحاشی شیطان کا روزِ اول سے ہتھیار ہے، جب شیطان نے حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام سے دشمنی کی تو ان سے ایسا عمل کروایا جس سے وہ دونوں عریاں ہو گئے، اور آج بھی شیطان عریانی و فحاشی کے ذریعہ اولادِ آدم کو گمراہی کی تاریکیوں میں دھکیل رہا ہے۔

''توبہ'' سنّتِ انبیاءؑ ہے!

جب حضرت آدم علیہ السلام سے جنّت کا لباس اتر گیا تو آپ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، ادھر سے اللہ رَبّ العزّت نے آپ کو تنبیہ فرمائی کہ کیا ہم نے آپ کو اس درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی تسلیم کی اور نہایت عاجزی وانکساری سے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی اے رَبّ یقیناً ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، اب اگر آپ ہمیں معاف نہیں فرمائیں گے تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔ اللہ رَبّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اب تم زمین رہو گے، وہاں تمہاری اولاد ہوگی، وہیں زندگی گزارو، وہیں تمہیں مرنا ہے اور ایک دِن پھر زندہ کر کے قبروں سے نکال لیے جاؤ گے۔ اس سے یہ سبق حاصل ہوا کہ جس طرح آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہوں نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر کے بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کیا اور اپنی غلطی کی معافی طلب کی، اسی طرح اگر ان کی اولاد میں سے کسی سے کوئی غلطی ہوجائے تو فوراً اللہ رَبّ العزّت کی طرف رجوع کرے اور اپنی غلطی تسلیم کر کے باری تعالیٰ سے معافی کا طلبگار رہو، کیونکہ غلطی پر ڈٹ جانا شیطان کا شیوہ ہے جبکہ معافی مانگ لینا آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ
اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ
عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ
اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''لباس'' اللہ رَبّ العزّت کی عظیم نعمت ہے!

گزشتہ آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے شیطان کی دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ اس نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے ایسا عمل کرایا جس سے ان کا لباس اتر گیا اور وہ پتوں سے اپنے جسم کو چھپانے لگے، ان آیات میں باری تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ لباس درحقیقت پروردگارِ عالم کی عظیم نعمت ہے، اور یہ خطاب صرف مسلمانوں کو نہیں، بلکہ تمام انسانوں کو ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ستر پوشی اور لباس انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے، لیکن افسوس کہ آج بعض اقوامِ عالم انسانوں کو برہنہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے دو طرح کے لباس کا ذکر فرمایا، ایک ظاہری لباس اور دوسرا باطنی لباس۔

''ظاہری لباس''

''ظاہری لباس'' وہ ہے جس سے انسان کا بدن اور اس کے قابلِ شرم اعضاء چھپ جائیں، اسی طرح وہ لباس جسے انسان زیب وزینت اور سردی گرمی سے حفاظت کے لیے استعمال کرتا ہے۔

''باطنی لباس''

اور ''باطنی لباس'' سے مراد ''تقویٰ کا لباس'' ہے، یعنی خوفِ خدا اور اعمالِ صالحہ کا لباس، جو انسان کے اخلاقی عیوب اور کمزوریوں کو ڈھانپتا ہے اور انہیں آخرت کی دائمی تکلیفوں اور مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے، جیسے ظاہری لباس دنیوی تکالیف دھوپ، گرمی اور سردی وغیرہ سے انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

شیطان سے خبردار رہو!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے پھر تمام اولادِ آدم کو خطاب کر کے تنبیہ فرمائی کہ ہر کام میں شیطان کے مکروفریب سے بچنے کی کوشش کرنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں کسی فتنہ اور آزمائش میں مبتلا کر دے، جیسا کہ تمہارے ماں باپ حضرت آدم و حوّا علیہما السلام کو اس نے جنّت سے نکلوا دیا تھا، اور ان کا لباس اتروا کر ان کے ستر کھولنے کا سبب بن گیا تھا، وہ تمہارا پرانا دشمن ہے، اس سے ہر وقت ہوشیار رہنا، کیونکہ یہ ایسا دشمن ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی تو تمہیں دیکھتے ہیں، لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، اس لیے تم پر ان کا مکروفریب چل جانے کے امکانات زیادہ ہیں۔ البتہ جو لوگ اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرنے والے ہوں، وہ شیطانی جال سے محفوظ رہتے ہیں۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا
وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

مشرکین کی عریانی پر مشتمل جاہلانہ رسم کی تردید

زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ قریش کے سوا کوئی شخص بیت اللہ کا طواف اپنے کپڑوں میں نہیں کرسکتا تھا، بلکہ یہ ضروری تھا کہ یا وہ کسی قریشی سے اس کا لباس عاریت کے طور پر مانگے یا پھر ننگا طواف کرے، اور ظاہر ہے کہ قریش سارے عرب کے لوگوں کو کپڑے نہیں دے سکتے تھے، اس لیے اکثر لوگ ننگے ہی طواف کرتے تھے، مرد بھی عورتیں بھی، اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کیے ہیں، انہی کپڑوں میں بیت اللہ کے گرد طواف کرنا خلافِ ادب ہے، صرف قریش کا قبیلہ حرم کے خادم ہونے کی وجہ سے اس قانون سے مستثنیٰ تھے، ان آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی بیہودہ رسم کی تردید فرمائی ہے۔

فرمایا کہ جب یہ مشرکین کوئی فحش کام (مثلاً ننگا طواف وغیرہ) کرتے تھے تو اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہتے

تھے کہ ہمارے باپ دادا یونہی کرتے آئے ہیں، اور اللہ رَبّ العزّت پر بہتان باندھتے ہوئے یہ بھی کہتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دیا ہے کہ ہم ننگے طواف کریں۔ اس کے جواب میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی فحش کام کا حکم نہیں فرماتے، کیونکہ ایسا حکم دینا حکمت اور باری تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے، اللہ رَبّ العزّت تو ہمیشہ انصاف اور اعتدال کا حکم فرماتے ہیں، اور ایسے اعمال کا حکم فرماتے ہیں جو افراط وتفریط سے خالی ہوں، جبکہ ننگا طواف کرنے کا حکم کسی طور شان باری تعالیٰ کے لائق نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ رَبّ العزّت کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کی ان کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

نماز کے وقت زینت اختیار کرو!

اس کے بعد پھر تمام اولادِ آدم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم مسجد میں حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو، اور خوب کھاؤ اور پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، اس آیت میں مسجد میں حاضری اور نماز کے وقت لباس زیب تن کرنے کا حکم دیا گیا، جس سے مشرکین کی اس باطل رسم کی بھی تردید ہوگئی جس کے تحت وہ ننگے طواف کیا کرتے تھے، اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، نیز چونکہ اس آیت میں لباس کو زینت سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لیے اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نماز میں اپنی وسعت کے مطابق اچھا اور صاف ستھرا لباس پہننا چاہیے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

انبیاء علیہم السلام کی پیروی کا حکم

چوتھی مرتبہ تمام بنی آدم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے بنی آدم! تمہارے پاس میرے رسول آتے رہیں گے جو تمہیں میرے احکام بیان کریں گے، اگر تم ان کی اتباع کرو گے اور اپنے عقائد و اعمال درست کر لو گے تو آخرت میں تمہارے لیے نہ کوئی پریشانی ہوگی اور نہ تم غمگین ہوگے، لیکن اگر تم نے ان انبیاء ورسل کی تکذیب کی اور ان احکام کو جھوٹا سمجھا تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

الَّذِىْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۗ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

کُفّار کے لیے ''جنّت'' حرام اور پستی مقدّر

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے منکرین و مجرمین اور مومنین و متقین کے اخروی انجام اور ان کے عذاب و ثواب کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور تکبّر کرتے ہوئے حق قبول کرنے سے انکار کر دیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ اس وقت تک جنّت میں جائیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے، یعنی جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا محال اور ناممکن ہے اسی طرح ان کافروں کا جنّت میں جانا بھی ناممکن اور محال ہے۔

آسمان کے دروازے نہ کھولے جانے کے مختلف مطلب ہو سکتے ہیں، اس سے مراد یہ بھی ہے کہ ان کی دُعائیں قبول نہیں کی جائیں گی، نیز ان کے اعمال اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ تک نہیں چڑھتے، اسی طرح اس سے یہ بھی مراد ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ کافر کا جب موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کی روح کو ایک بدبودار ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں، اس میں سے اتنی سخت بدبو پھیلتی ہے، اگر زمین پر منکشف ہو جائے تو ساری دنیا بدبو سے ہلاک ہو جائے، پھر فرشتے اسے لے کر اوپر چلتے ہیں، راستے میں فرشتوں کی جو بھی جماعت ملتی ہے، وہ پریشان ہو کر پوچھتے ہیں، یہ کس خبیث کی روح ہے؟ بالآخر فرشتے اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، مگر آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے، اس کا نامہ اعمال سجّین (جہاں نافرمانوں اور جہنمیوں کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں) میں رکھ دیا جائے، یہ حکم ہوتے ہی روح نہایت حقارت کے ساتھ سجّین میں پھینک دی جاتی ہے، پھر قیامت کے دن وہ جہنّم کا ایندھن بنے گا۔ اعاذنا اللہ! (معارف القرآن)

ان کے مقابلے میں اہلِ ایمان جنّت میں جائیں گے، اللہ ربّ العزّت جنت میں ان جنتیوں کی دنیا میں قائم باہمی رنجشوں کو بھی ختم کر دیں گے اور جنّتی جنّت میں اللہ کا شکر ادا کریں گے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا

يَعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ۝ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ
لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۝ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ
الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝ الَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ
وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۝

جنتیوں اور جہنمیوں کا باہمی مکالمہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل جنّت اور جہنّم کا مکالمہ بیان فرمایا، جب جنّتی اور جہنمی اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے تو اہل جنّت، جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ ہمارے ربّ نے ہم سے جن نعمتوں اور راحتوں کا وعدہ کیا تھا، ہم نے تو ان کو بالکل سچا اور پورا پایا، تم بتاؤ کہ تمہیں جس عذاب سے ڈرایا گیا تھا وہ تمہارے سامنے آ گیا یا نہیں، وہ اقرار کریں گے کہ بے شک ہم نے اس عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر ایک فرشتہ اعلان کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہے ان ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ ربّ العزّت کے راستے سے روکتے تھے اور آخرت کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے گا۔

''اَصحابُ الاعراف''

کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے اچھے اور برے اعمال برابر ہوں گے، انہیں جہنّم میں تو نہیں بھیجا جائے گا، لیکن ابتدائی طور پر ان کے لیے جنّت کا فیصلہ بھی نہیں ہوگا بلکہ کچھ عرصہ اعراف میں انتظار کرنے کے بعد بالآخر رحمت خداوندی سے یہ لوگ بھی جنّت میں داخل ہو جائیں گے، ایسے لوگ ''اہلِ اَعراف'' کہلاتے ہیں۔

اعراف دراصل جنّت اور جہنّم کے درمیان ایک آڑ اور اونچی دیوار ہے، جہاں نہ جنّت جیسی راحت ہوگی اور نہ جہنّم جیسا عذاب۔ اہل اعراف اس مقام پر جنّت اور دوزخ دونوں طرف کے حالات کو دیکھ رہے ہوں گے اور دونوں طرف رہنے والوں سے سوال و جواب کریں گے۔ جب یہ لوگ جنتیوں کو دیکھیں گے تو انہیں سلام کریں گے اور دل میں جنّت کے حصول کی امید رکھیں گے، اور جب جہنمیوں کو دیکھیں گے تو اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کریں گے کہ آپ نے ہمیں جہنّم اور اس کے عذاب سے بچا لیا۔

اس کے بعد ان کی نظر جہنّم میں چند ان لوگوں پر پڑے گی جنہیں یہ دنیا میں جانتے ہوں گے، تو یہ انہیں مخاطب کر کے کہیں گے کہ دنیا میں جس مال و دولت اور جماعت و گروہ پر تمہیں بھروسہ تھا اور جن کی وجہ سے تم تکبّر اور غرور میں مبتلا تھے، وہ سب کہاں گیا، آج کچھ بھی تمہارے کام نہ آ سکا۔ کافر اس سے تلملا کر رہ جائیں گے۔

دوزخیوں کی اہلِ جنّت سے کھانے اور پانی کی بھیک

دوزخی جب جہنّم کی ہولناک گرمی اور بھوک پیاس سے پریشان ہوجائیں گے، تو جنّتیوں کے سامنے دست سوال دراز کریں گے، کہ ہمیں کچھ کھانے اور پینے کو دو، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ سوال رائیگاں جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اہلِ جنّت جواب میں کہیں گے کہ اللہ ربّ العزّت نے جنّت کی نعمتیں کافروں پر حرام فرمادی ہیں، جنھوں نے دنیا میں اللہ ربّ العزّت کے احکام کو پس پشت ڈالا، ان کا مذاق اڑایا اور آخرت کو بالکل بھول گئے، سو آج تم بھی بھلا دیے جاؤ گے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ
يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ
اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

”مشکل کُشا“ ایک اللہ ہی ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرکے انسان کو غور وفکر کی دعوت دی ہے کہ جو ذات اس عظیم الشان عالم کو عدم سے وجود میں لانے اور اس کا نظام چلانے پر قادر ہے اس کے لیے انسانوں کو موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی کوئی مشکل کام نہیں۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت وہ ذات ہے جس نے آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا، پھر عرش پر مستوی ہوگیا (اس کی کیفیت صرف اللہ ربّ العزّت ہی جانتے ہیں)، رات اور دن کا نظام، سورج، چاند اور ستاروں کی گردش سب اسی کے حکم سے قائم ہے، ان سب کی پیدائش اور تخلیق بھی اسی ذات پاک نے کی ہے اور ان کا نظام بھی وہی پاک ذات سنبھالے ہوئے ہے۔ اسی لیے صرف اسی کو پکارو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور اس کے پکارنے میں آداب کو بھی ملحوظ خاطر رکھو، اور باری تعالیٰ کو پکارنے کے آداب میں یہ شامل ہے کہ اسے عاجزی وانکساری اور آہستگی سے پکارا جائے۔ کیونکہ آہستہ آواز میں دُعا کرنا ہی پسندیدہ ہے۔

اسی کے ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، یعنی نہ ظاہری طور پر اس میں کوئی فساد اور دہشت گردی پھیلاؤ اور نہ باطنی طور پر اپنے گناہوں اور شرک وغیرہ کے ذریعہ اس میں فساد اور خرابی پھیلاؤ۔ ایک اللہ کو پکارو، اور صرف اسی سے امید رکھو کیونکہ اللہ ربّ العزّت کی رحمت نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

چھ انبیاءؑ کے واقعات

اللہ رَبّ العزّت نے اس سورت میں چھ انبیائے کرام یعنی سیّدنا نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے اختصار کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

انبیاءؑ کے قصص بیان کرنے کی حکمت

ان قصوں میں مختلف حکمتیں اور عبرتیں پوشیدہ ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔حق و باطل کی لڑائی میں حق کا غالب آنا اور باطل کا مغلوب ہونا۔

۲۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی ایذاؤں پر تسلی۔

۳۔متکبروں کا عبرتناک انجام اور نیکوکاروں کا اچھا انجام۔

۴۔ظالموں کو تنبیہ کہ بالآخر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا مل کر رہتی ہے۔

۵۔انسانوں کے لیے عبرت و نصیحت کا سامان۔

۶۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچائی کی دلیل پیش کرنا کہ اُمّی ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے گمشدہ اوراق حقائق کے مطابق پیش فرماتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

سب سے پہلا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے۔ حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا، حضرت نوح علیہ السلام کا نام بعض مفسرین نے عبدالغفار بتایا ہے، بعض نے عبدالجبار۔ آپ دنیا میں پہلے رسول تھے اور دوسرے ہزار کے پہلے نبی تھے، آپ حضرت ادریس علیہ السلام کے پڑپوتے تھے، علامہ بیضاویؒ کے مطابق آپ کی کل عمر ساڑھے چودہ سو سال تھی، طوفانِ نوح کے بعد بھی اڑھائی سو سال زندہ رہے، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سارے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اس لیے آپ کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت نوحؑ پہلے نبی ہیں، جو شرک توڑنے کے لیے آئے، اللہ نے ان کو لمبی عمر دی تھی، ساڑھے نو سو سال انہوں نے تبلیغ کی۔ یہ اتنا روتے تھے کہ ان کا نام ہی نوح (رونے والا) پڑ گیا، آپ پہلے اولوالعزم پیغمبر اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل و خرد، حلم و بردباری جیسی صفات سے نواز رکھا تھا، مشکلات میں نہایت صابر تھے، دوراندیش اور سمجھدار شخصیت کے

مالک تھے۔ آپ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے پوری قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی، حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی، غیر اللہ کی پرستش اور اصنام پرستی ان کا شعار بن چکا تھا۔

آغازِ ''شرک''

ان کی قوم میں شرک یوں شروع ہوا کہ ان کی قوم کے پانچ بزرگ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جب فوت ہوئے، تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ڈالا کہ یہ اللہ والے تھے، تم ان کی صورتیں اور مورتیاں بنا لو تا کہ انہیں دیکھ کر تمہیں ان کی باتیں یاد رہیں، چنانچہ ان کے مجسمے بنائے گئے اور یہ لوگ ان کے پاس جمع ہو جاتے اور انہیں دیکھ کر ان کی باتیں یاد کر لیتے، ایک نسل گزر گئی، کسی نے شرک نہ کیا، اگلی نسل آئی تو شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تمہارے آباؤ اجداد انہی کو پوجا کرتے تھے، تو انہوں نے ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی، اور یوں بنی نوع آدم میں شرک اور بت پرستی کا آغاز ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو تبلیغ

حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو بت پرستی میں مبتلا دیکھا تو انہیں توحید کی طرف بلایا، حق کا پیغام پہنچایا، انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا، لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی، اور پیٹھ پھیر لی، اس کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام انہیں سمجھاتے رہے، ان کے رویے کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے، اسلوب بدل بدل کر وعظ و نصیحت کرتے رہے، عرصہ دراز تک ہر طرح سے جتن کیے، دن کو دعوت، رات کو دعوت، خفیہ دعوت، اعلانیہ دعوت، عمومی طور پر، خصوصی طور پر، غرض دعوت کے سارے طریقے اختیار فرمائے، اور مسلسل ساڑھے نو سو سال ان کو تبلیغ کرتے رہے، لیکن چند ہی خوش قسمت ایمان لائے، اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا، اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی، باقیوں نے آپ کو گمراہ قرار دے کر آپ کا مذاق اڑایا، آپ کی رسالت کا انکار کیا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور سینوں پر تالے پڑ چکے ہیں، تو صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، اور بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے، جس پر اللہ تعالیٰ نے پانی کا عذاب مسلط کر کے انہیں ہلاک کر دیا، اور اپنے نبی سمیت متبعین حق کو کشتی کے ذریعے بچا لیا۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي
رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ
رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ
بَصْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ
فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي

فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝
فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

قومِ عاد کا قصہ

ان آیات میں حضرت ہودؑ کی قوم کا ذکر کیا، جن کا نام قوم عاد تھا، یہ حضرت نوحؑ کے پوتے ارم کی اولاد تھے، اس قوم کے نسب میں یہ اتفاقی بات ہے کہ یہ حضرت نوح کے بیٹے سام کی نسل سے تھے، عاد ان کے قبیلہ کے دادا کا نام تھا، پھر قبیلہ کا نام رکھ دیا گیا، ان کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ بعض نے دوسری طرح بھی نسب بیان کیا ہے۔ تفسیر صاوی کے مطابق حضرت نوح اور حضرت ہود کے درمیان آٹھ سو سال کا فاصلہ تھا۔

قوم عاد کا ٹھکانہ یمن وعمان کے درمیان واقع علاقہ ''احقاف'' تھا، اللہ کریم نے انہیں بے بہا نعمتوں اور بے شمار احسانات سے نواز رکھا تھا، انہیں میٹھے اور شیریں پانی کے چشمے عطا کیے تھے، جن سے یہ لوگ اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے اور طرح طرح کے باغ لگاتے۔ بلند و بالا محلات کے مالک تھے، جن کی مضبوطی اور تزئین دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی، اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ بڑے کڑیل اور صحت مند تھے۔ طاقتور اتنے کہ ہاتھ سے پکڑ کر درخت نکال پھینکتے۔ الغرض! انہیں وہ نعمتیں میسّر تھیں، جو روئے زمین پر شاید ہی کسی قوم نے دیکھی ہوں، لیکن انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ انہیں یہ سب نعمتیں کس ذات نے عطا فرمائی ہیں، ان کی فکر اس قدر بانجھ ہو گئی تھی کہ انہوں نے بت بنا کر ان کے سامنے پیشانیاں رگڑنا شروع کر دی تھیں، زمین پر فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا۔

اللہ کریم نے ایسے میں ان طاقتوروں کی ہدایت اور انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے ایک ذی شان رسول بھیجا، اور حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث کیا۔

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام حسب ونسب میں اعلیٰ وارفع، عادات وخصائل میں پوری قوم سے بلندتر، حلم وبردباری میں سب سے آگے، وسعت نظری اور کشادہ دلی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام نے علم حق بلند کیا، قوم کو سمجھاتے اور تبلیغ کرتے رہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، صرف اسی کی عبادت کرو، اسی نے تمہیں زمین میں اقتدار بخشا ہے، اسی پر ایمان لاؤ اور حق سے اعراض نہ کرو، غرور وتکبر چھوڑ دو، زمین میں فتنہ وفساد مت پھیلاؤ، ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو قوم نوح کا ہوا مگر قوم دھمکیوں پر اتر آئی، سرکشی اور ہٹ دھرمی کرنے لگی، مذاق اڑایا اور حضرت ہود علیہ السلام کو بے وقوف کہنے لگے۔

عذابِ خداوندی

جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ ربّ العزّت نے ان پر تین سال تک بارش روک دی، جس سے یہ

قحط و مصیبت میں مبتلاء ہو گئے، چنانچہ انہوں نے اس مصیبت سے نکلنے کے لیے ستر افراد پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا، جو مکہ مکرمہ جا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دُعا مانگے، اس وفد میں ایک ایسا شخص بھی تھا، جو حضرت ہود علیہ السلام پر حقیقتاً ایمان رکھتا تھا۔ یہ وفد مکہ مکرمہ پہنچا۔

قوم کی بجائے رُجوعِ خداوندی کے عیش پرستی

ان دنوں قوم عمالقہ کا ایک شخص بکر بن معاویہ مکہ مکرمہ کا سردار تھا، قوم عاد اس کا ننھیال تھا، یہ مکہ سے باہر اس کے مہمان بن گئے، ایک ماہ تک شراب پیتے رہے، اور دو گانے والی لڑکیوں سے گانے سنتے رہے، میزبان بھی ان سے تنگ آ گیا، پیچھے قوم ہلاک ہو رہی تھی، بھوک سے بچے بلک رہے تھے، اور یہ عیاشیوں میں مصروف تھے، میزبان انہیں کہتے ہوئے شرماتا تھا، اس نے شعر بنا کر گانے والیوں کو سکھائے، یہ ان کے سامنے پڑھو اور انہیں شرم دلاؤ، شعر سن کر انہیں احساس ہوا، تب مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا، جب مکہ مکرمہ پہنچے تو اس مومن شخص نے انہیں تبلیغ کی کہ تمہارے معبود (جو تین بت تھے: ۱-صدا، ۲-صمود، ۳-صباء) کام نہ آئے، حضرت ہود پر ایمان لے آؤ تب رحمت آئے گی، لیکن وہ سب اس کے مخالف ہو گئے، پھر انہوں نے حرم میں جا کر دُعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے بادل بھیجے، سفید، سرخ اور سیاہ، اور آسمان سے آواز آئی کہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے: کالے بادل میں زیادہ بارش اور پانی ہوگا، اس لیے اسی کا انتخاب کر لیا، آسمان سے آواز آئی کہ تم نے راکھ چن لی، اب تم میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا، چنانچہ قوم پر سیاہ بادل آئے جسے دیکھ کر یہ خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب بارش برسے گی، لیکن در حقیقت وہ عذاب تھا، چنانچہ تیز و تند ہوا چلی، بعض روایات میں ہے کہ ہوا کے فرشتے نے انگوٹھی کے برابر ہوا کا سوراخ کھول دیا، جب ہوا قریب آنے لگی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے اونٹ اور جانور ہوا میں اڑ رہے ہیں، تو یہ بھاگ کر گھروں میں گھسے، لیکن ہوا کے زور سے دروازے بھی ٹوٹ گئے، اور بالآخر یہ سب ہلاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ریت کے ٹیلے ہوا کے ذریعے ان پر منتقل کر دیے، بعض روایات میں ہے، ریت کے نیچے سے ان کے رونے کی آواز آتی تھی، سات دن بعد ہوا کا رخ بدلا اور ریت ہٹ گئی، انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا، حضرت ہود اور آپ کے متبعین ایک حویلی میں تھے، انہیں یہ ہوا خوش گوار بن کر لگتی۔ (تلخیص تفسیر خازن)

جو شرکاء وفد کے ساتھ مکہ مکرمہ دُعا کے لیے آئے تھے وہ سب بھی ہلاک ہو گئے، سوائے اس ایک مؤمن کے جس نے قوم کو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے کی تبلیغ کی تھی، اسے اللہ رَبّ العزّت نے عذاب اور ہلاکت سے محفوظ رکھا۔ یوں آٹھ دن اور سات راتوں تک آندھی نے ان کی آبادی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا، تنومند اور قوی ہیکل انسان جو اپنی جسمانی قوتوں کے گھمنڈ میں سرکش تھے، ایسے بے حس و حرکت پڑے تھے، جیسے آندھی سے تناور درخت بے جان ہو کر گر جاتا ہے۔ جبکہ حضرت ہود اور ان کے مخلص پیروکار خدا کی رحمت و نعمت میں عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ حال ہی میں آثار قدیمہ والوں نے کھدائی کے دوران ان کے دراز قد مجسمے برآمد کیے، جو قرآنِ کریم کی تائید بھی ہے اور نشانِ عبرت بھی۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

قومِ ثمود کا واقعہ

تیسرا قصہ قوم ثمود کا ذکر کیا، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام یعنی قوم عاد اور قوم ثمود میں ایک صدی کا فاصلہ تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی عمر مبارک دوسو اسی سال تھی۔ قوم ثمود کا نسب ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ یہ حجر کی بستیوں میں رہتے تھے، یہ خطہ سعودیہ میں خیبر سے آگے ہے، جو شام اور حجاز کے درمیان ہے۔ حضور علیہ السلام کا تبوک جاتے ہوئے حجر کی بستوں سے گزر ہوا، آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: یہاں سے روتے ہوئے گزرو، ان بستیوں میں روتے ہوئے داخل ہو، کہیں تمہیں بھی عذاب نہ آلے، کچھ صحابہ نے پینے کے لیے یہاں سے پانی لے لیا تھا، آپ نے فرمایا: یہ پانی انڈیل دو، کچھ صحابہ نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا، آپ نے فرمایا: یہ آٹا بکریوں کو کھلا دو، مقصد یہ تھا کہ یہ عذاب یافتہ مقام ہے، جہاں عذاب کے اثرات ہیں، ان سے پرہیز کیا جائے۔

قومِ ثمود نے اس سرزمین کو خوب آباد کیا، نہریں نکالیں، باغات لگائے، محلات تعمیر کیے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹیکنالوجی سے نوازا تھا، پہاڑ کھود کر گھر اور کوٹھیاں بناتے تھے، عیش و آرام کے سب اسباب میسّر تھے، ناز و نعم کے سب ذرائع مہیا تھے، لیکن انہوں نے بھی تشکر و امتنان کی راہ اختیار نہ کی، اللہ کے فضل و احسان پر شکر گزاری کے بجائے زمین میں فتنہ و فساد کو ہوا دی، حق و صواب سے اعراض کیا، معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش شروع کر دی، اور انہیں خدا کا شریک بنا ڈالا، اور اس زعم باطل میں گرفتار ہو گئے کہ دنیا کی یہ نعمتیں ابدی ہیں، اور وہ ہمیشہ عیش و عشرت کرتے رہیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا، جو ان سب میں افضل تھے، حلم میں اوسع و ارفع، عقل و دانش میں سب سے آگے اور فائق تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں توحید باری تعالیٰ کی تلقین

کی، عبادت خداوندی کی دعوت دی، لیکن بہرے کان کیا سنیں؟ غافل دل کیا سمجھیں؟ اندھی آنکھیں کیا دیکھیں؟ ان بدنصیبوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا، اور ان کی نصیحت کو استہزاء میں اڑا دیا۔ اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے: ہم تو آپ کو عقلمند اور سمجھدار سمجھتے تھے، لیکن آپ تو بے تکی باتیں کر رہے ہیں، ہمیں اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں اور آج تک ہم خود ان کی عبادت کر رہے ہیں، ہم ہرگز ان کی پرستش نہیں چھوڑ سکتے۔

فرمائشی معجزہ

حضرت صالح علیہ السلام نے حق کی مخالفت کے برے انجام سے انہیں ڈرایا، اور مسلسل انہیں تبلیغ کرتے رہے، لیکن سوائے قوم کے چند غریب لوگوں کے جو آپ پر ایمان لے آئے، باقی سب لوگ تکبر میں مبتلا ہو گئے، محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے کفر پر ڈٹے رہے، اور الٹا الزام تراشیوں پر اتر آئے، چند سرکشوں نے قوم کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام کو بے بس کرنے کی نیت سے مطالبہ کیا کہ ہم آپ پر تب ایمان لائیں گے جب اس پتھر اور چٹان سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکلے، اور وہ آپ کے نبی ہونے کی گواہی دے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، پھر ہم ایمان لائیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے دُعا کی جس سے چٹان پھٹی، اونٹنی نکلی اور اس اونٹنی کے بارے میں اللہ نے فرمایا ''ناقۃ اللہ'' یعنی یہ میری نشانیوں میں سے ایک ہے، جسے اللہ کی اونٹنی کہا گیا ہے، اللہ کی اونٹنی نکلی اور اس نے گواہی بھی دے دی کہ حضرت صالح علیہ السلام اللہ ربّ العزّت کے رسول ہیں، لیکن قوم پھر بھی نہ مانی، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: یہ اونٹنی اللہ کی نشانی ہے، اسے تنگ نہ کرنا، یہ اللہ کی زمین میں چرتی رہے، ایک دن کنویں سے پانی پینے کی باری اس کی ہوگی، اور دوسرے دن تمہاری ہوگی۔ یاد رکھو! اونٹنی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی یا اسے قتل کرنے کے درپے ہوئے، تو سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

''ناقۃ اللہ'' کی توہین اور انجام

قوم نے اونٹنی کو اپنے لیے خطرہ سمجھا، ایک مالدار عورت عنیزہ نے ''قدار بن سالف'' کو اپنی جوان خوبرو بیٹی نکاح میں دینے کا اس شرط پر وعدہ کیا کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کر دیں۔ قدار نے اپنے ساتھ چند بدمعاشوں کو لیا اور اس اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب خبر ہوئی، تو نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں نے تمہیں کہا تھا کہ اونٹنی کو تکلیف نہ دینا، لیکن تم نے اتنی بڑی جسارت کی، اب تین دن تک گھروں میں زندگی کے لطف اٹھا لو، تین دن کے بعد عذاب آجائے گا، تمہیں اپنے کیے کا انجام بد بھگتنا ہوگا، یہ اللہ کا وعدہ ہے اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں۔ قوم نے اسے مذاق سمجھا، بالآخر اللہ کا عذاب آ گیا، رات کے وقت ''ایک ہیبت ناک آواز'' نے ہر اس شخص کو اسی حالت میں ہلاک

کر دیا، جس حالت میں وہ تھا۔ قرآنِ کریم نے اس ہلاکت آفریں آواز کی مختلف اوصاف کے اعتبار سے مختلف تعبیرات ارشاد فرمائیں، چنانچہ کسی مقام پر ''صاعقۃ'' (کڑک دار بجلی) فرمایا، کہیں ''رجفۃ'' (زلزلہ ڈال دینے والی شئے) کہا، بعض جگہ ''طاغیہ'' (دہشت ناک) کا لفظ استعمال کیا اور کہیں ''صیحۃ'' (چیخ) کے لفظ سے تذکرہ کیا۔ ان سب تعبیرات اور الفاظ سے مقصد عذابِ الٰہی کی ہولناکی سمجھانا ہے۔

ایک طرف قومِ ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا اور دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے سچے متبعین کو اپنی حفاظت میں لے کر عذاب سے محفوظ رکھا۔ اس لیے ہمیشہ اللہ سے ڈرو، ٹیکنالوجی پر ناز نہ کرو، بلکہ اللہ رَبّ العزّت کے آگے جھک جاؤ۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

قومِ لُوط کا عبرتناک انجام

سیّدنا لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے شام آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں سدوم کی بستیوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا، یہاں کے لوگ نہایت ہی برے اور غلیظ اعمال میں مبتلا تھے، فسق و فجور کے گرویدہ اور برے چال چلن کے مالک تھے، ڈاکہ زنی اور چوری ان کا معمول تھا، راہ گیروں کی تاک میں رہتے، اگر کوئی مسافر ہاتھ لگ جاتا تو اس کے پاس جو کچھ ہوتا چھین لیتے، ان کے دل جرم کے خوگر تھے، انہوں نے ایسی قباحتوں کا ارتکاب شروع کر دیا تھا، جن کا ان سے پہلے کسی نے سوچا تک نہیں تھا، ہم جنس پرستی کے عادی تھے، عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوانی جذبات کی تسکین کرتے تھے، اور اس برائی میں اس قدر آگے نکل گئے تھے کہ اس برائی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، ہر سو یہی بدمعاشی، ہر طرف یہی گناہ تھا، شیطان نے شہوات کو ان کے دلوں میں اس قدر محبوب اور پسندیدہ بنا دیا تھا کہ زندگی کی ساری تگ و دو کا محور شہوت رانی اور ہوس پرستی ہو کر رہ گئی تھی۔

ایسے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی طرف بھیجا کہ وہ اس قوم کو عبادتِ خداوندی کی طرف دعوت دیں، اور انہیں ان جرائم کے ارتکاب سے روکیں، حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ رَبّ العزّت کے حکم کے مطابق انہیں ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی، اور شرافت و پاکیزگی کی زندگی کی رغبت دلائی، حسنِ خطابت، لطافت اور نرمی کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہو سکتے تھے، ان کو سمجھایا، موعظت و نصیحت کی اور گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج و ثمرات بتا کر عبرت دلائی، مگر ان بدبختوں پر کوئی اثر نہ پڑا، الٹا مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگے کہ ''ان کو اپنے شہر سے نکال دو،

یہ بہت ہی پاک لوگ ہیں"، یعنی حضرت لوط علیہ السلام اوران کے خاندان پر طنز کرتے اوران کا استہزاء کرتے ہوئے کہتے تھے"بڑے پاکباز ہیں، ان کا ہماری بستی میں کیا کام؟"غرض! گناہ سے باز نہ آئے، بلکہ گناہ اور برائی کی اس پرفریب دنیا میں بہت آگے بڑھ گئے، انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو چیلنج کیا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں۔

حضرت لُوط علیہ السلام کی بے بسی اور دُعا

حضرت لوط علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دست سوال دراز کیا کہ خدایا! ان نافرمانوں کے مقابلے میں میری مدد فرما اوران ستم پیشہ لوگوں پر عذاب الیم نازل کر، بغاوت اور فسق وفجور کی انہیں دردناک سزا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا سُن لی اوراس التجا کو قبول فرمالیا۔ ظالموں کی اس بستی میں اپنے فرشتوں کو بھیجا تاکہ وہ ان بدبختوں کو عذاب میں مبتلا کریں، اور انہیں اپنے کیے کی سزا دیں، یہ فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں مسافر سمجھا، اس لیے وہ ان کی خاطر مدارات میں لگ گئے، لیکن انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ تک نہ بڑھایا اور کھانے سے انکار کردیا۔ ابراہیم علیہ السلام پریشان ہوگئے کہ کہیں کوئی دشمن تو نہیں، لیکن فرشتوں نے آپ کو تسلی دی، اور کہا: پریشان نہ ہوں۔ وہ فرشتے آپ کے ساتھ کچھ وقت اور ٹھہرے اور ایک سعادت مند بچے کی انہیں بشارت دی۔

فرشتوں کی آمد اور قوم کی ہوس پرستی کی اِنتہا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوکر یہ فرشتے سدوم پہنچے، اور حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان ہوئے، یہ اپنی شکل وصورت میں حسین وخوبصورت اور عمر میں نوجوان لڑکوں کی شکل وصورت میں تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے کہ اگر میری قوم کو ان مہمانوں کے بارے میں پتہ چل گیا کہ یہ بہت خوبصورت ہیں، تو وہ دوڑے چلے آئیں گے اور میں نہ تو خود انہیں روکنے کی سکت رکھتا ہوں اور نہ ہی میری برادری یہاں ہے جو انہیں اس زیادتی سے باز رکھ سکے۔

ابھی اسی کشمکش میں تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو کہ کافرہ اوراپنی قوم کی ہمنوا تھی، نے قوم کو اطلاع کردی، خبر کیا مشہور ہوئی، سب لوگ فوراً آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، اور مطالبہ کرنے لگے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کردیجیے، آپ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا اور فرمایا: کیا تم میں کوئی بھی سلیم الفطرت انسان نہیں ہے کہ وہ انسانیت اور حق کو سمجھے، نیز فرمایا کہ اگر تم نے اپنی شہوت پوری کرنی ہی ہے تو ان عورتوں سے خلوت کرلو جنہیں اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے، اپنی اس بری عادت سے باز آجاؤ ورنہ سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، لیکن بے وقوف اور فاجر وبدمعاش لوگوں پر اس نصیحت کا کیا اثر ہوتا، انہوں نے آپ کی ایک نہ سنی، اور

آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ اے لوط (علیہ السلام)! آپ جانتے ہیں کہ ہمیں عورتوں سے کوئی سروکار اور رغبت نہیں ہے، ہم جو چاہتے ہیں تو اس سے خوب واقف ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام سخت مضطرب اور پریشان تھے، فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے حزن وملال کو دیکھا تو انہیں تسلی دی، اور انہیں بتایا کہ آپ ہماری ظاہری صورتوں کو دیکھ کر گھبرایئے نہیں، ہم عذاب کے فرشتے ہیں، اور خدا کا قانون ان کے حق میں اٹل ہے، اب عذاب ان کے سروں سے ٹلنے والا نہیں، آپ اور آپ کا خاندان عذاب سے محفوظ رہے گا، مگر آپ کی بیوی کا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا، اسے وہی سزا بھگتنا پڑے گی، جو پوری قوم کا مقدر بن چکی ہے، کیونکہ وہ ان کی ہم خیال ہے۔ لہٰذا آپ اپنے متبعین کو لے کر رات کو ہی یہاں سے نکل جایئے، اور پیچھے مڑ کر ہرگز نہ دیکھیے گا، صبح ہوتے ہی ان پر عذاب آجائے گا۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل وعیال اور متبعین کو لے کر گھر سے نکلے اور سدوم کو چھوڑ کر چل دیے، آپ علیہ السلام کی بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا اور انہی بستی والوں میں رہنے کو ترجیح دی، جب بستی بہت پیچھے رہ گئی اور رات بھی ڈھل گئی اور صبح صادق کا وقت قریب آیا تو عذاب خداوندی کا نزول شروع ہوگیا۔

۱- سب سے پہلے ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا۔

۲- پھر آبادی کو آسمان تک لے جا کر الٹ دیا گیا۔

۳- اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ آبادی ویرانے میں بدل گئی، زمین سطح سمندر سے بہت نیچے چلی گئی، ان کے گھران کی سرکشی اور بے حیائی کے باعث نیست ونابود ہوگئے۔ یقیناً ایسی بدکار قوم اور بدمعاشی کا انجام یہی ہوا کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس قوم پر پانچ قسم کے عذاب آئے:

۱- اندھے ہوگئے۔

۲- زلزلہ آیا۔

۳- فرشتہ ان کی بستیوں کو آسمان تک لے گیا اور زمین پر دے مارا۔

۴- پتھروں کی بارش ہوئی۔

۵- زمین سطح سمندر سے بہت نیچے چلی گئی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ
فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت مدین میں ہوئی تھی، مدین دراصل اس قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے "مدین" کی نسل سے تھا، "مدین" حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ قطورا کے بطن سے پیدا ہوا، اس لیے انہیں بنی قطورا بھی کہا جاتا ہے۔ مدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسماعیل کے پہلو ہی میں حجاز میں آباد ہو گیا تھا، یہی خاندان آگے چل کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا۔ اور جس جگہ یہ قبیلہ آباد تھا اسے بھی مدین کہا جانے لگا، حضرت شعیب علیہ السلام بھی چونکہ اسی نسل اور قبیلہ سے تھے، اس لیے آپ کی بعثت کے بعد یہ "قوم شعیب" کہلائی۔ راجح قول کے مطابق مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ ہے، جو باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے "اصحاب ایکہ" (جنگل والے) کے لقب سے مشہور ہوا۔

اہلِ مدین کے بھیانک جرائم

بہرحال! اہل مدین کا تعلق ایک عرب قوم سے تھا، یہ لوگ ارض معان میں سکونت پذیر تھے، یہ علاقہ اطراف شام میں واقع ہے، یہ لوگ اللہ کی وحدانیت کے منکر تھے، شرک وبت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے۔ پیشے کے لحاظ سے تاجر تھے، اخلاقی لحاظ سے اس قدر گر چکے تھے کہ لوگوں کو ردی چیزیں بیچتے، جب لوگوں سے چیزیں خریدتے تو ڈنڈی مارتے اور چیزیں زیادہ ہتھیا لیتے، اور جب لوگوں کو دینے کی باری آتی تو ناپ تول میں کمی کر دیتے، کم ناپنا اور کم تولنا، کرپشن، بددیانتی اور خیانت کی عادت پڑ چکی تھی، سرمایہ دار خیانت کرتے، غریب چوریاں، ڈکیتیاں کرتے تھے۔ اپنی ان بداعمالیوں میں اس قدر بدمست اور سرشار تھے کہ اپنی بداعمالیوں کو معصیت وگناہ سمجھنے اور ان کا احساس وفکر کرنے کے بجائے، اپنی ان برائیوں اور اعمال بد کو باعث فخر سمجھتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت

اللہ تعالیٰ نے اہل مدین کی ہدایت کے لیے خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا،

آپ نے لوگوں کو اللہ ربّ العزّت کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں سمجھایا کہ وہ کاروبار میں عدل وانصاف سے کام لیں، انہیں خبردار کیا کہ ظلم اور خیانت کا انجام بہت برا ہے، نیز انہیں یہ بھی سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس قدر نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، تم خالی ہاتھ تھے، اس نے تمہاری جھولیاں بھر دیں، تم فقیر تھے، مالک الملک نے تمہیں غنی کر دیا، لہٰذا صرف اسی اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، ناپ تول میں کمی کر کے خیانت نہ کرو، معاملات میں کھوٹ اور کرپشن سے بچو، حق کو قبول کرو اور باطل سے باز آجاؤ، خدا کی زمین میں فتنہ وفساد نہ مچاؤ، اگر تم میں ایمان ویقین کی صداقت موجود ہے، تو سمجھ لو کہ یہی فلاح وکامیابی کی راہ ہے۔ یاد رکھو! اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی پیروی نہ کی، تو تمہیں اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قوم نے آپ کی نصیحت پر کوئی توجہ نہ دی، مذاق اڑانے لگے، حتیٰ کہ ان بدبختوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے ان خداؤں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤاجداد عبادت کیا کرتے تھے، اور کسی ان دیکھے خدا کی عبادت شروع کریں؟ کیا ہم تمہارے کہنے پر خرید وفروخت کے ان طریقوں کو چھوڑ دیں، جن کی وجہ سے ہماری دولت میں فراوانی ہوئی ہے؟ اے شعیب! تم تو بہت عقل مند تھے، تم ہمیں ایسے مشورے دے رہے ہو، ذرا وسعت نظری سے کام لو، ہم تو تمہیں اتنا تنگ نظر نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے رویہ کو دیکھ کر پھر انہیں نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی اور پیار ومحبت کے لہجے میں انہیں بتایا کہ میں کوئی غیر نہیں، میرے اور تمہارے درمیان کئی مضبوط رشتے ہیں، پھر اس راہنمائی پر میں کوئی صلہ اور بدلہ بھی تو نہیں مانگ رہا، میرا مقصد فقط اصلاح اور صراطِ مستقیم کی نشان دہی اور عذابِ الٰہی سے بچانا ہے۔

قوم کی ہٹ دھرمی اور تباہی

آپ علیہ السلام انہیں دن رات سمجھاتے رہے، ہر ممکن کوشش کی کہ قوم راہِ راست پر آجائے، لیکن بدقسمت قوم نے ہمیشہ مذاق اڑایا، حق سے روگرداں رہے، اور دُنیا کمانے میں محو رہے۔ جب ان کی نافرمانی اور سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ ربّ العزّت نے ان پر تین قسم کے عذابات نازل فرمائے۔

۱۔ رجفہ (زلزلہ)۔ ۲۔ صیحہ (چیخ)۔ ۳۔ ظلہ (آگ کی بارش)۔

جب وہ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے، تو اچانک ہولناک زلزلہ آیا، ابھی اس کی ہولناکی ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان سے زبردست چیخ کی آواز آئی اور شعلوں اور شراروں کی بارش برسنے لگی، یہ لوگ مارے خوف کے بھاگنے لگے، لیکن جاتے تو کہاں جاتے، اللہ تعالیٰ کا یہ عذاب جاری رہا، یہاں تک کہ ان سب کا خاتمہ ہو گیا اور سب نیست ونابود ہو گئے۔ صبح دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل کے سرکش اور مغرور آج گھٹنوں کے بل اوندھے جھلسے ہوئے پڑے ہیں۔

پارہ نمبر ۹

یہ پارہ سورۃ الاعراف کے بقیہ حصے اور سورۃ الانفال کے ابتدائی حصے پر مشتمل ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۞ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۞ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۞ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۞ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۞

حضرت شعیب علیہ السلام کی قسم کا رویّہ اور انجام

ان آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے کا بقیہ حصہ ذکر کیا گیا ہے جس کو تفصیل سے گزشتہ سطور میں درج کیا جاچکا ہے، ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی بداعتقادی اور معاشرتی برائیوں کو چھوڑنے کی نصیحت فرمائی اور انہیں اللہ ربّ العزّت اور شریعت کا پیغام سنایا تو بجائے اپنی اصلاح کرنے کے وہ آپ علیہ السلام کی دشمن ہوگئی اور دھمکیاں دیتے ہوئے کہنے لگے کہ اے شعیب! اگر آپ اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم آپ اور آپ کے متبعین کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا یہ کہ تم ہمارے باپ دادا کے دین کو قبول کرلو۔ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی اس دھمکی کو کسی خاطر میں نہ لائے اور ان کے دین میں شمولیت سے صاف انکار فرمادیا، اور اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں دُعا کی کہ اے میرے پروردگار! آپ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادیجیے، بلاشبہ آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی اور زلزلہ کے ذریعہ اس پوری قوم کو ہلاک کردیا۔ بعض آیات میں دیگر عذابات کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا جاچکا، اس لیے تطبیق یہ ہے کہ ان پر مذکورہ بالا تمام عذابات آئے تھے۔

درسِ عبرت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے بطور عبرت درس حاصل کرنے کے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی انہیں اللہ ربّ العزّت نے ایسے نیست ونابود کردیا کہ ان کا نام ونشان تک مٹ گیا، جن مکانات میں وہ آرام وعیش کی زندگی گزارتے تھے وہ عذاب کے بعد ایسے ہوگئے کہ گویا کبھی ان میں کوئی رہا ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

انبیاء کی تکذیب کرنے والے ہمیشہ ہی خسارہ میں رہتے ہیں۔ لہٰذا اس اُمّت کو بھی چاہیے کہ ان قصوں سے عبرت حاصل کریں اور اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو مضبوطی سے تھام لیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ گزشتہ قوموں کی طرح انہیں بھی ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۝

عذابِ خداوندی سے متعلّق خدائی ضابطہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ گزشتہ امتوں میں ہمارا ایک قانون اور ضابطہ رہا ہے کہ ہم ان کی اصلاح کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتے رہے، پھر جن لوگوں نے ان انبیاء علیہم السلام کی اطاعت نہیں کی، ان کو دنیا کی مصائب وتکالیف مثلاً قحط سالی، معاشی تنگی اور بدحالی وغیرہ میں مبتلا کر دیا، اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کریں، کیونکہ انسان کو فطری طور پر مصیبت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے۔ لیکن اگر وہ مصیبت اور تکالیف کے وقت بھی اللہ ربّ العزّت کو یاد نہ کریں تو ہم انہیں مال ودولت اور صحت وسلامتی جیسی نعمتیں دے کر آزماتے ہیں، تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ آیا وہ ان نعمتوں پر باری تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ لیکن عموماً ایسا ہوتا ہے کہ وہ ان نعمتوں پر بھی باری تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ نعمتیں اور تکالیف تو زمانے کا چلن اور دستور ہے، کبھی راحت اور کبھی تکلیف تو آتی رہتی ہے، جب ان دونوں امتحانوں میں وہ ناکام ہو جاتے ہیں تو اللہ ربّ العزّت انہیں پکڑ لیتے ہیں اور ان پر اپنا عذاب نازل فرما دیتے ہیں۔

برکتیں کیسے حاصل کی جا سکتی ہیں؟

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے برکتوں اور راحتوں کے حصول کا نسخہ بیان فرمایا کہ اگر دنیا والے برکتیں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں دو کام کرنے چاہئیں: ۱-ایمان لے آئیں۔ ۲-تقویٰ اختیار کریں۔ جو لوگ یہ دو کام کر لیں ان کے لیے ہم آسمان سے بھی برکتیں نازل فرماتے ہیں اور زمین سے بھی برکتیں عطا فرماتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ عام طور پر لوگ یہ دو کام کرنے کے بجائے ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں، اس لیے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ۝ وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ حَقِیْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ۝ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ۝ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ

یہاں سے اللہ ربّ العزّت نے خیر وشر کے معرکہ کا معروف قصہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اب تک اس سورۂ اعراف میں (حضرت آدمؑ کی تخلیق کے واقعہ کے علاوہ) پانچ انبیاء علیہم السلام کے حالات وقصص بیان ہوئے،، یہ چھٹے نبی ہیں جن کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ قرآنِ کریم میں سب سے زیادہ جس نبی کا تذکرہ اور قصہ اور احوال مذکور ہیں، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کو تفصیل سے بیان کرنے کی وجوہات

اس واقعے کو تفصیلی طور پر ذکر کرنے کی دو وجوہ ہیں:

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے حالات اور امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال ایک جیسے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے حالات اور بنی اسرائیل کے حالات ایک جیسے ہیں، جس طرح دو جوتوں میں ایک جوتا دوسرے کے سائز کا ہوتا ہے، ان دونوں امتوں کے احوال بھی بالکل ایک جیسے ہیں۔ تو چونکہ دونوں کے احوال یکساں ہیں، اس لیے اس اُمت کی راہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کثرت کے ساتھ کیا گیا کہ تم عبرت حاصل کرو، تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو، ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا اور تمہیں بھی اسی طرح ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، جس طرح بنی اسرائیل کو کرنا پڑا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نام لیوا مدینہ منورہ میں کثرت سے موجود تھے، جنہیں ہم یہودی کہتے ہیں، اس لیے بنی اسرائیل کا کثرت سے تذکرہ کرکے انہیں دعوت ایمان دی گئی۔

اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ آٹھ احوال پر مشتمل ہے۔

پہلا حال

فرعون سے مقابلہ

سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور فرعون کی طرف ان کو نبی بنا کر بھیجے جانے کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے کہ ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کی طرف حضرت موسیٰؑ کو نبی بنا کر بھیجا، فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہے، مصر کا ہر بادشاہ فرعون کہلاتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا وہ بہت طاقتور اور ظالم تھا، اپنے آپ کو ''رَبِّ اعلیٰ'' کہلواتا تھا، اور بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم ڈھایا کرتا تھا، اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے پاس نبی بنا کر بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے، اسے اللہ ربّ العزّت کا پیغام سنایا، اور اسے کہا کہ میں پروردگارِ عالم کی جانب سے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھے اللہ ربّ العزّت نے معجزات عطا فرمائے ہیں، اس لیے تم حق کو قبول کرو اور بنی اسرائیل پر ظلم سے باز آؤ اور انہیں میرے ساتھ بھیج دو، تا کہ میں ان کو لے کر اپنے آبائی وطن شام چلا جاؤں اور ہم حضرت ابراہیم اور اسحاق و یعقوب اور یوسف علیہم السلام کے وطن میں جا کر زندگی گزاریں۔

بنی اسرائیل کا اصل مسکن

بنی اسرائیل اصل میں شام کے تھے، کیونکہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے، جو حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں، اور ان کا وطن شام ہے، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دور میں بھائیوں کی وجہ سے مصر پہنچے جس کا تفصیلی ذکر سورۂ یوسف میں آئے گا، پھر انہوں نے اپنے والدین، بھائیوں اور پوری قوم کو مصر بلا لیا، یوں بنی اسرائیل مصر پہنچے، جہاں وقت گزرنے کے ساتھ انہیں غلام بنا لیا گیا اور وہ ایک مظلوم طبقہ بن کر رہ گئے۔

فرعون کا مطالبہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو حق کا راستہ دکھایا اور اسے بنی اسرائیل پر ظلم سے باز رہنے کی تلقین کی تو فرعون نے آپ سے کہا کہ اگر آپ واقعی معجزہ لائے ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مطالبہ کے جواب میں اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی جو اژدھا بن گئی، پھر آپ نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ روشن ہو گیا۔ یہ دونوں معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق ہونے کے واضح دلائل تھے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿١١٠﴾
قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿١١١﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ
قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿١١٤﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَنْ
تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿١١٥﴾ قَالَ أَلْقُوا ۖ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا
بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صَاغِرِينَ ﴿١١٩﴾ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ
الْعَالَمِينَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَكَرْتُمُوهُ فِي
الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿١٢٣﴾ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ

لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۝

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اِلزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو واضح معجزات دیکھنے کے بعد فرعون لاجواب ہو گیا، اور اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اس نے دربار میں موجود وزراء کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگا دیا کہ یہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے یہ سب جادو ہے، جو ہر جادوگر کر سکتا ہے، اور یہ اپنے جادو کے زور پر تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے، اس پر تمام وزراء نے اس کی تائید کی، پھر فرعون نے ان سے مشورہ طلب کیا کہ اب ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ کابینہ نے مشورہ دیا کہ ان کو تھوڑی مہلت دے دیں، اور اس دوران ملک کے اطراف میں اعلانات کروا دیے جائیں اور تمام بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کر لیا جائے، جو جادو کے ذریعہ ان کا مقابلہ کریں۔

فرعون کے دربار میں جادوگروں کی حاضری

چنانچہ فرعونی حکم کے مطابق پورے ملک میں منادی کروا دی گئی، جس کے نتیجے میں ملک کے اطراف سے بہت سے جادوگر فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے، فرعون نے انہیں سارے معاملہ کی خبر دی، تو انہوں نے پوچھا کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آ گئے تو ہمیں اس کی کوئی اُجرت اور انعام بھی ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ ہاں انعام بھی ملے گا اور مزید یہ بھی صلہ ہو گا کہ تم سب ہمارے مقربین اور خاص لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کی جگہ اور وقت کا تعین کرایا گیا، چنانچہ ایک کھلا میدان اور عید کے دن سورج بلند ہونے کے بعد کا وقت اس کام کے لیے تجویز ہوا۔

معرکہ حق و باطل

جب مقررہ دن اور وقت آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگر متعین میدان میں جمع ہوئے، فرعون اور اس کی کابینہ اور مصر کی عوام بھی حق و باطل کا یہ معرکہ دیکھنے کے لیے آئے، مقابلہ کے آغاز میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ پہلے آپ اپنا کمال دکھائیں گے یا ہم پہلے اپنا جادو دکھائیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تم اپنا جادو دکھاؤ، اس پر ان جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں میدان میں ڈالیں اور لوگوں کی نظر بندی کر دی، جس کی وجہ سے ان دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں، حالانکہ در حقیقت وہ اسی طرح لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔ اس موقع پر اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اب آپ اپنا عصا ڈال دیجیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق اپنا عصا میدان میں ڈالا تو وہ گرتے ہی ایک بڑا سانپ بن کر ان تمام سانپوں کو نگلنے لگا جو جادوگروں نے جادو سے ظاہر کیے تھے۔ یوں حق ظاہر اور غالب ہو گیا اور جادوگروں کا سحر اور جھوٹ ثابت ہوا، اور وہ سب ہار کر خوب رسوا ہوئے۔

شکاری خود شکار ہو گئے!

جب جادوگروں نے عصائے موسوی کو اپنی لاٹھیاں اور رسیاں نگلتے ہوئے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں، بلکہ حقیقت اور معجزہ ہے، اور اس معجزہ کو دیکھ کر ان پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ مجبور ہو کر بے اختیار سجدے میں گر گئے، اور فرعون اور اس کے لشکر کے سامنے اعلان کر دیا کہ ہم اس ذات پر ایمان لائے جو تمام جہانوں اور حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کا ربّ ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ فرعون بھی اپنے آپ کو ''ربّ العالمین'' کہتا تھا، تو اس کو بتا دیا کہ ہم تیری خدائی کے قائل نہیں ہیں، بلکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ربّ کے ماننے والے ہیں۔

فرعون کی دھمکی

فرعون نے جب دیکھا کہ جن جادوگروں کو ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لیے جمع کیا تھا، انہوں نے نہ صرف ہار مان لی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی لے آئے، جن کو دیکھ کر ایک بڑی تعداد بھی مسلمان ہو گئی، تو وہ سخت پریشان ہوا، اور غصے کے عالم میں جادوگروں پر یہ الزام عائد کیا کہ تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خفیہ سازش کر کے یہ کام کیا ہے تا کہ اپنے ملک اور ملت کو نقصان پہنچا سکو، اور تم نے میری اجازت کے بغیر اسلام قبول کیا ہے تا کہ ہمارے اقتدار کو ختم کر سکوں اور مصر پر تم غالب آسکو، اس لیے اب تمہیں اپنے اس عمل کا انجام معلوم ہو جائے گا، میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا اور تمہیں نشانِ عبرت بنا دوں گا۔

حکمران، اصلاح کی تحریک کو اِقتدار کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعظ و تبلیغ اور ان کی اصلاحی فکر کو اپنے اقتدار کے خلاف خطرہ قرار دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت کے خلاف اقدامات پر اتر آیا۔ یہی کچھ اب بھی ہو رہا ہے۔ جب بھی کسی ملک میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی بات کرے، اسے سیاسی تحریک قرار دے کر حکمران اپنے لیے خطرہ قرار دیتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فساد اور دہشت گردی کا الزام بھی جڑ دیا تھا، آج بھی دین کا کام کرنے والوں کو فسادی، دہشت گرد اور نہ جانے کیا کیا القاب دے کر ان کے خلاف اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ دینی مدارس کو دہشت گردی کے مراکز اور علمائے کرام کو فسادی اور دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے، یہ سب فرعونی سوچ کا نتیجہ ہے۔

اہلِ ایمان کا جواب

فرعون کی اس دھمکی کا جادوگروں پر کوئی اثر نہ ہوا، کیونکہ اسلام اور ایمان ایسی قوت ہے کہ جب وہ کسی دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر انسان ساری دنیا اور اس کے وسائل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، چنانچہ انہوں نے فرعون کے جواب میں

کہا کہ اگر تو ہمیں قتل بھی کر دے تب بھی ہم اپنے اس دین سے پیچھے نہیں ہٹیں گے، ایک نہ ایک دن تو ہمیں اپنے ربّ کے پاس لوٹ کر ہی جانا ہے، اس لیے تم نے جو کرنا ہے کر گزرو۔ پھر انہوں نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں کامل صبر عطا فرما اور ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دیجیے گا اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمایئے گا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

دوسرا حال

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دہشت گردی کا اِلزام

جب فرعون نے جادوگروں کو سخت سزا دینے کا اعلان کیا تو اس کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا کہ کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ کر ہمارے ملک میں ایسے ہی فساد کرتے رہیں۔ فرعون نے کہا کہ تم فکر مت کرو، ہم ان کے آئندہ پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دیں گے، اور جو لڑکی پیدا ہوگی اسے زندہ چھوڑ دیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی قوم کچھ عرصہ میں مردوں سے خالی ہو کر صرف عورتیں رہ جائیں گی، جو ہماری خدمت گار باندیاں بن کر رہیں گی۔ اور یوں ہم ان پر غالب رہیں گے۔ بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کے لیے یہ ظالمانہ قانون دوسری مرتبہ نافذ کیا گیا، پہلی مرتبہ یہ قانون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے دنوں میں نافذ کیا گیا تھا، دونوں مرتبہ ہی بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو نصیحت

بنی اسرائیل کو جب فرعون کے ان عزائم کا پتہ چلا تو وہ سخت پریشان ہوئے، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رجوع کیا تو آپ علیہ السلام نے انہیں دو چیزوں کی تلقین فرمائی: ۱۔ اللہ ربّ العزّت سے مدد طلب کرو۔ ۲۔ ہمت اور صبر سے کام لو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ان دونوں چیزوں پر عمل کرو گے تو ایک دن ضرور تم ان پر غالب آجاؤ گے، زمین ساری اللہ ربّ العزّت کی ہے، وہ جس کو چاہے اس کا مالک اور وارث بنائے گا، اور یہ بات واضح اور متعین ہے کہ اچھا انجام متقی اور پرہیزگاروں کا ہی ہوتا ہے۔ قوم نے عرض کیا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں اسی طرح ایذاء دی گئی اور ہمیں ستایا گیا، اب آپ کے آنے کے بعد بھی ہمیں ستایا جا رہا ہے اور ہم پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا

کہ فکر مت کرو، اگر تم نے ہماری نصیحت کو مانا اور صبر اور ہمت سے کام لیا، تو وہ وقت دور نہیں جب تمہارا دشمن ہلاک اور برباد ہو جائے گا اور اس ملک پر تمہارا قبضہ اور راج ہوگا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا
لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ۝ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ
الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ
لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۝
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۝ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ
كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۝

تیسرا حال

قومِ فرعون عذابِ الٰہی کی زد میں!

جب فرعون اور اس کی قوم کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں مسلسل تکبر، استہزا، سرکشی، انکار اور ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رہا، تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں یکے بعد دیگرے مختلف عذابوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر دیا، چنانچہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو قحط سالی میں مبتلا کر دیا، بارشیں رک گئیں، پھلوں کی پیداوار کم ہو گئی، تقریباً سات سال تک مسلسل ان پر قحط سالی کا عذاب رہا۔ اس کے باوجود فرعون اور اس کی قوم نے کوئی نصیحت اور عبرت حاصل نہ کی بلکہ وہ کہنے لگے کہ یہ مصیبت اور نحوست حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہے، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ سب اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہے، اس میں کسی نحوست کا کوئی دخل نہیں، یہ سب تمہاری خام خیالی اور جہالت ہے۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم نے تمام معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا آپ کتنی ہی نشانیاں اور معجزات لے کر آجائیں، ہم کبھی آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

قومِ فرعون پر مختلف قسم کے عذاب

جب فرعون کی قوم پر اللہ ربّ العزّت نے قحط سالی مسلط فرمائی اور ان کی زمینوں اور باغوں میں پیداوار بہت کم ہو گئی تو وہ بہت پریشان ہو گئے اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قحط دور ہونے کے لیے دُعا کروائی، اللہ ربّ العزّت نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے قحط دور فرما دیا، اس کے بعد بجائے ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے کے وہ دوبارہ اپنی سرکشی پر اتر آئے، اور نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگے کہ وہ قحط حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے تھا اور اب ہماری وجہ سے قحط دور ہوگیا۔ اس پر اللہ رَبّ العزّت نے ان پر یکے بعد دیگرے پانچ قسم کے عذاب نازل فرمائے، جن میں سے ہر عذاب ایک متعین مدت تک رہا، پھر اللہ رَبّ العزّت اسے ہٹا کر فرعون کی قوم کو مہلت دیتے، پھر جب وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آتے تو ان پر دوسرا عذاب مسلط فرما دیتے۔ وہ عذاب درج ذیل تھے:

۱۔طوفان۔ ۲۔ٹڈی دل۔ ۳۔گھن کا کیڑا۔ ۴۔مینڈک۔ ۵۔خون

پہلا عذاب: طوفان

طوفان سے مراد پانی کا طوفان ہے، اللہ رَبّ العزّت نے ان کے سب گھروں اور زمینوں کو پانی سے بھر دیا، نہ کہیں بیٹھنے اور لیٹنے کی جگہ رہی اور نہ زمین میں کچھ کاشت کرنے کی، گھروں میں اتنا پانی بھر گیا کہ آرام کے لیے کوئی جگہ نہیں بچی، اس صورتحال سے وہ شدید پریشان ہوئے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اپنے پروردگار سے دُعا کیجیے کہ یہ عذاب ہم سے دور فرما دیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے یہ طوفان دور ہوگیا، اس کے بعد وہ اپنی سرکشی کی طرف دوبارہ لوٹ گئے، اور اپنے سارے عہد و پیمان اور وعدے بھول گئے۔

دوسرا عذاب: ٹڈی دَل

تب اللہ تعالیٰ نے ان پر دوسری قسم کا عذاب یعنی ٹڈی دل بھیج دیا۔ مفسرین کے بقول اس قدر ٹڈی کے غول تھے کہ جب پرواز کرتے تو سورج کی روشنی زمین سے رک جاتی۔ یہ خدائی لشکر فرعونیوں کی فصلوں، باغات اور سبزہ کو چاٹ گیا۔ یہ لوگ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منت وساجت اور دفع بلاء کے لیے جھوٹے وعدوں میں مشغول ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے یہ عذاب ٹل گیا۔ لیکن حسب سابق ایمان وآزادی بنی اسرائیل کے پختہ عہد و میثاق سے مکر گئے۔

تیسرا عذاب: کیڑے وغیرہ

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے غلوں پر کیڑے (گھن) جانوروں پر چیچڑیاں اور انسانوں پر جوؤں کو مسلط کروایا، جس کی وجہ سے ان کے غلے بھی متاثر ہوگئے اور ان کے جانور و مویشی اور خود بھی نہایت پریشان ہوئے، چنانچہ ایک بار پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور اپنی اطاعت کے وعدے کرنے لگے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے یہ عذاب دور ہوگیا، تو حسب معمول اپنے عہدوں سے مکر گئے اور اپنی سرکشی کی روش پر ڈٹ گئے۔

چوتھا عذاب: مینڈک

پھر اللہ رَبّ العزّت نے ان پر مینڈکوں کا عذاب مسلط فرما دیا، ان کے گھروں میں اتنی کثرت سے مینڈک پیدا

ہو گئے کہ جہاں بیٹھتے تو ان کے گلے تک مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا، سونے کے لیے لیٹتے تو سارا بدن ان سے دب جاتا، پکتی ہوئی ہنڈیا میں، رکھے ہوئے کھانے اور آٹے وغیرہ میں مینڈک بھر جاتے، اس صورتحال سے پریشان ہو کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آئے اور دوبارہ پختہ وعدوں کے ساتھ معاہدہ کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمائی، جس سے عذاب دور ہو گیا لیکن انہوں نے اپنی روش نہ بدلی اور ایک بار پھر سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔

پانچواں عذاب: خون

اس بار اللہ رَبّ العزّت نے ان پر خون کا عذاب مسلط فرمایا، ان کے ہر کھانے اور پینے کی چیز خون بن گئی، کنویں سے، تالاب سے، جہاں کہیں سے پانی نکالتے وہ خون بن جاتا، کھانے کے لیے بیٹھتے تو کھانے کی چیزیں خون بن جاتیں، اس بار پھر یہ عذاب سے تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور دُعا کی درخواست کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمادی، عذاب ٹل گیا، لیکن انہوں نے اس بار بھی اپنی روش نہ بدلی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت نہ چھوڑی۔

چھٹا عذاب اور باغیوں کا آخری انجام: طاعون

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ان پر طاعون کی وبا مسلط فرمادی، جس میں ان کے ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔

''کرونا'' بھی ''طاعون'' کی طرح ہے!

ان دنوں دنیا بھر میں کرونا وائرس کا عذاب پھیلا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے دنیا بند ہو گئی ہے۔ ہر طرف لاک ڈاؤن ہے، لوگ گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے ہیں، ہزاروں لوگ لقمہ اجل بنتے جا رہے ہیں، یہ بھی ایک طرح کا طاعون ہے، طاعون بھی متعدی مرض ہوتا ہے اور کرونا وائرس بھی متعدی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی قوم میں بے حیائی عام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم میں طاعون اور دیگر متعدی امراض پھیلا دیتے ہیں۔

عجیب اتفاق ہے کہ ہمارے ہاں بھی کرونا کے بعد ٹڈی دل سے فصلوں کی تباہی ہوئی ہے اور بنی اسرائیل میں بھی طاعون اور ٹڈی دل کے عذاب دونوں آئے تھے۔

بہر حال جب ان پر طاعون کا عذاب آیا تو اس وقت پھر ان لوگوں نے فریاد کی، اور دُعا کرنے پر عذاب ہٹ گیا، لیکن پھر بدستور ان لوگوں نے وعدہ خلافی کی اور اپنی سرکشی سے باز نہ آئے، تو بالآخر اللہ رَبّ العزّت نے ان سب کو دریائے قلزم میں غرق فرمادیا، فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت دریائے قلزم کی موجوں کی نذر ہو گیا، اور یوں اللہ رَبّ العزّت نے ان ظالموں کو ان کے انجام سے دوچار فرمایا۔ اور بنی اسرائیل کو ان کے مظالم سے نجات دے کر انہیں ملک شام اور مصر کی بادشاہت عطا فرمادی۔

كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ قَالَ
أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَإِذْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ
الْعَذَابِ ۖ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝

چوتھا حال

بنی اسرائیل کا جاہلانہ مطالبہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کی کامیابی اور فتح کے بعد ان کی جہالت اور ان کی سرکشی کو بیان فرمایا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرعون سے نجات حاصل کرنے اور سمندر پار کر کے بنی اسرائیل جب شام کی سرزمین پر پہنچے تو ایک بستی سے گزر ہوا، جہاں کچھ لوگ مختلف بتوں مثلاً گائے وغیرہ کی عبادت میں مبتلا تھے، بنی اسرائیل کو ان کا طریقہ پسند آنے لگا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ جیسے اس قوم کے مختلف معبود ہیں، آپ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دیجیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے اس جاہلانہ مطالبہ پر سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے، یہ لوگ جن کے طریقہ کو تم نے پسند کیا ان کے اعمال سب ضائع اور برباد جائیں گے، یہ باطل کے پیروکار ہیں، تمہیں ان جیسا بننے کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔ کیا میں اللہ کے علاوہ تمہارے لیے کسی کو معبود بنا دوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دینِ حق دے کر تمام جہان والوں پر برتری اور فضیلت بخشی ہے، تمہیں فرعون کے مظالم سے نجات عطا فرمائی ہے، پھر بھی تم دوسرا خدا چاہتے ہو؟ یہ تو ظلم عظیم ہے، اس سے توبہ کرو۔

وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ
اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۙ قَالَ
رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا
تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ
الْمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ
الشَّاكِرِينَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ
يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ۝

پانچواں حال

دستورِ زندگی کے لیے تورات کا تحفہ

فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل کو چین اور سکون کا سانس لینا نصیب ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب چونکہ ہم امن وسکون کی زندگی گزار رہے ہیں، اس لیے اگر اب ہمیں کوئی کتاب اور شریعت ملے تو ہم بے فکری کے ساتھ اس پر عمل کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی، اللہ ربّ العزّت نے دُعا قبول فرمائی اور آپ پر اپنا کلام نازل کرنے کا وعدہ فرمالیا، لیکن اس کے لیے یہ شرط لگائی گئی کہ تیس راتیں کوہ طور پر اعتکاف اور ذکر میں گزاریں، بعد میں دس راتوں کا مزید اضافہ کردیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق کوہ طور پر جاکر اعتکاف کرنے کا ارادہ فرمالیا، اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب اور جانشین مقرر فرمایا تاکہ وہ آپ کی عدم موجودگی میں قوم کو سنبھالیں اور تمام فرائض سرانجام دیں، اس کے بعد آپ کوہ طور کی جانب گامزن ہوگئے۔

دیدارِ باری تعالیٰ کی خواہش

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پہنچے تو وہاں آپ کو اللہ ربّ العزّت سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، پروردگارِ عالم نے آپ علیہ السلام سے بہت سی لطف وعنایات کی باتیں فرمائیں، اس پر آپ علیہ السلام کے دل میں دیدار باری تعالیٰ کا شوق پیدا ہوا اور آپ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرضی پیش کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ سکوں، اللہ ربّ العزّت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری آنکھیں (اس دنیا میں) میرے جمال کی تاب نہیں لاسکتیں، البتہ آپ کی تسلی کے لیے یہ تجویز ہے کہ آپ اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہیے، ہم اس پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں، اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو آپ بھی دیکھ سکیں گے، پھر اللہ ربّ العزّت نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی تو وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے، جب ہوش میں آئے تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! بے شک آپ کی ذات پاک ہے، اور میں اپنی اس خواہش کے اظہار پر معذرت کرتا ہوں۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی اور انہیں حکم فرمایا کہ اس پر خود بھی عمل کریں اور اپنی قوم کو بھی حکم دیں کہ ان احکام پر عمل پیرا ہوں۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ
سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا
رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا
خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ
اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝
قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

چھٹا حال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں سامری کی چال

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لیے کوہ طور تشریف لے گئے تو چونکہ ابتدائی طور پر اللہ ربّ العزّت نے تیس دن رات کے اعتکاف کا حکم فرمایا تھا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ کہا تھا کہ میں تیس دن بعد لوٹوں گا، پھر وہاں باری تعالیٰ نے دس دن کی مدت مزید بڑھا دی، تو بنی اسرائیل جس کی طبیعت میں ہی جلد بازی تھی، انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں، اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر ان کی قوم کے ایک شخص جس کا نام سامری تھا، نے پوری قوم سے ان کے زیورات حاصل کیے، اور ان زیورات سے ایک بچھڑے کا مجسمہ بنا دیا، اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی جو اس نے پہلے سے جمع کر رکھی تھی، اور اس مٹی میں باری تعالیٰ نے زندگی کی خاصیت رکھی تھی، وہ اس نے اس مجسمہ میں ڈال دی، جس سے اس مجسمہ میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے اور اس کے اندر سے گائے کی سی آواز نکلنے لگی۔

جب بنی اسرائیل نے یہ حیرت انگیز چیز دیکھی تو وہ بہت حیران ہوئے، سامری کہنے لگا کہ دراصل یہی تمہارا خدا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہو گئی ہے، اور وہ بھول کر کوہ طور چلے گئے ہیں، قوم نے اس کی بات مان لی اور اس بچھڑے کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت میں لگ گئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا، لیکن قوم نے ان کی ایک نہ سنی اور گائے کی پرستش میں لگی رہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلال

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر کوہ طور سے واپس آئے اور قوم کو بچھڑے کی پرستش میں مبتلا دیکھا تو آپ کو بے حد دکھ ہوا اور غصہ میں آ کر پہلے اپنی قوم کو ڈانٹا کہ تم نے نہایت گھٹیا حرکت کی ہے اور اپنے پروردگار کا حکم اور اس کی کتاب آنے سے جلد بازی کی، اور گمراہی اختیار کر لی۔ اس کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور تورات کی تختیاں ایک طرف رکھ کر ان کے سر کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے کہ تم نے ان کو بت پرستی اور شرک سے کیوں نہ روکا، حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں نے ان کو بہت روکا، لیکن انہوں نے میری بات کا کوئی اثر نہ لیا، بلکہ یہ تو مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے، میرا عذر قبول فرمالیں، اور میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کریں جس سے میرے دشمن خوش ہوں۔ اس وضاحت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ دور ہوا اور انہوں نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے میرے پروردگار! آپ مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دیجیے، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما دیجیے، آپ سب رحمت کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ساتواں حال

بنی اسرائیل کی بدگمانی اور ہلاکت

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے تورات کی تختیاں پیش کیں تو قوم نے کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، ممکن ہے کہ آپ اپنی طرف سے لکھ لائے ہوں، ہم تو اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہم خود اللہ ربّ العزّت سے نہ سن لیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے دُعا کی تو اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ اس قوم کے منتخب آدمیوں کو آپ کوہ طور پر لے آئیں تو ہم ان کو بھی اپنا کلام سنا دیں گے جس سے ان کو یقین آ جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور کوہ طور پر لے گئے، وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، مگر بجائے تسلیم کرنے اور ایمان لانے کے کہنے لگے کہ ہم کیسے یقین کرلیں کہ آواز اللہ ربّ العزّت کی ہے یا کسی اور کی، ہم تو تب یقین کریں گے جب اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرلیں، اس پر اللہ ربّ العزّت کا غضب نازل ہوا اور اچانک زلزلہ آیا اور اوپر سے بجلی گری، جس سے یہ سب ہلاک ہو گئے۔

بنی اسرائیل کی دوبارہ زندگی

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس صورتحال سے سخت پریشان ہوئے کہ اب اپنی قوم کو جا کر کیا جواب دیں گے؟ وہ تو یہ الزام لگائیں گے کہ میں نے ان کو کہیں لے جا کر قتل کروا دیا ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے میرے پروردگار! میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کی آزمائش ہے جس کے ذریعہ آپ بعض لوگوں کو گمراہ کردیتے ہیں اور بعض کو ہدایت پر قائم رکھتے ہیں، اور میں جانتا ہوں کہ آپ کا مقصد ان کو ہلاک کرنا نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ مقصد ہوتا تو اس سے پہلے بہت سے واقعات تھے جن میں یہ ہلاک کیے جا سکتے تھے اور آپ چاہتے تو مجھے بھی ان کے ساتھ ہلاک فرما دیتے، لیکن آپ نے یہ نہیں چاہا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ہم سب کو چند بے وقوفوں کی وجہ سے ہلاک کردیں۔ اے میرے ربّ آپ ہمارے دستگیر ہیں، ہمیں معاف فرما دیجیے اور ہم پر اپنا رحم و کرم فرمائیے، آپ سب سے زیادہ معاف کرنے والے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے آپ علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی اور وہ سب لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ

اے موسیٰ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، میرا غضب اور عذاب صرف اسی پر ہوتا ہے جو سزا کے مستحق ہوتے ہیں اور جن پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہوں، جبکہ میری رحمت عام ہے، گنہگار اور متقین سب کو پہنچ رہی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی اوصاف

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صفات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی ہیں۔ ''اُمّی'' اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، اُمّی ہونا بظاہر تو عیب سمجھا جاتا ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم ومعارف اور آپ کے کمالات کے ساتھ آپ کا اُمّی ہونا آپ کے لیے بڑی خوبی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی واضح دلیل ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی اسی طرح موجود ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیکی کا حکم دیں گے۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بری باتوں سے روکیں گے۔

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ چیزوں کو حلال کریں گے۔

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گندی چیزوں کو حرام کریں گے۔

۷۔ اہل کتاب کی خود ساختہ پابندیوں اور ان مشکل احکام سے ان کو آزاد کرائیں گے جو ان پر بطور سزا لازم کر دیے گئے تھے۔ مثلاً کپڑا ناپاک ہو جائے تو پانی سے دھونا ان کے لیے کافی نہیں تھا بلکہ نجاست والی جگہ کو کاٹنا ضروری تھا، مالِ غنیمت ان کے لیے حلال نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ آتی تھی اور اس کو جلا دیتی تھی۔

''کامیابی'' اِتباعِ رسول میں ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، آپ کی تعظیم کریں، آپ کی مدد ونصرت کریں اور قرآنِ کریم کی اتباع کریں، وہ لوگ حقیقی طور پر کامیاب ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور عالمگیر نبی ہیں

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوّت کی عمومیت کو بیان فرمایا کہ آپ تمام انسانیت کے لیے نبی بن کر تشریف لائے، آپ عالمگیر رسول اور نبی ہیں، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باری تعالیٰ نے حکم دیا کہ میرے نبی! آپ اعلان فرما دیجیے کہ میں تم سب انسانوں کی جانب اس اللہ ربّ العزّت کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کے قبضے میں آسمان و زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندگی اور موت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، سو اگر تم ہدایت چاہتے ہو تو اس پاک پروردگار اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، یہی حقیقی کامیابی کا راستہ ہے۔

اہل علم نے اس آیت کو ختمِ نبوّت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ چونکہ اس آیت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سب زمانوں اور سب لوگوں کے لیے ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

آٹھواں حال

بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار اور اِنعاماتِ خداوندی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل پر اپنے چند احسانات اور ان کی نالائقی اور سرکشی کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کو قوم عمالقہ سے جہاد کا حکم دیا تو انہوں نے اس سے صاف انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اور آپ کا ربّ جا کر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں، اس پر اللہ ربّ العزّت نے انہیں بطور سزا کے عرصۂ دراز تک میدان تیہ میں سرگرداں رکھا، لیکن اس عرصہ میں بھی ان پر اپنے انعامات اور احسانات میں کوئی کمی نہیں آنے دی، چنانچہ جب انہیں بشری ضروریات یعنی کھانے، پینے اور چھت وغیرہ کی ضرورت پیش آئی تو اللہ رب العزت نے غیر عادی طریقے سے ان کی ضروریات کی تکمیل فرمائی۔

پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ پتھر پر اپنا عصا ماریں، انہوں نے ایسا کیا تو پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، ہر قبیلہ کو ایک ایک چشمہ سپرد کر دیا گیا۔ کھانے کے لیے آسمان سے من و سلویٰ کا نزول ہوا اور چھت کے لیے بادلوں کا مسلسل سایہ کر دیا گیا، اور انہیں کہہ دیا گیا کہ خدا کا عطا کردہ پاکیزہ رزق استعمال کرو، لیکن انہوں نے نافرمانیوں کے ذریعہ اپنے ساتھ زیادتی اور ظلم کا سامان پیدا کیا۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ
سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ
مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ
بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝

''اَصحابِ سبت'' کا واقعہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اصحابِ سبت کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بحرِ قلزم کے کنارے پر ایک بستی تھی، اس بستی کے لوگوں اور یہودیوں کو یہ حکم تھا کہ ہفتے کے دن اللہ کا ذکر اور عبادت کریں، نیز ہفتے کے دِن شکار کرنا ممنوع قرار دیا گیا، لیکن ان کا امتحان یوں ہوا کہ ہفتہ کے دِن مچھلیاں دریا کے بالکل اوپر سطح پر آجاتیں جبکہ باقی دِنوں میں کوئی مچھلی ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتی، اس صورتحال سے وہ پریشان ہوئے، کچھ عرصہ تو اس حکم پر عمل کرتے رہے، پھر انہوں نے حیلے اختیار کرنا شروع کر دیے، اس طرح کہ انہوں نے سمندر کے کنارے بڑے بڑے حوض بنائے اور انہیں نالیوں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا، ہفتے کے دن جب مچھلیاں کثرت سے سطحِ آب پر نمودار ہوتیں تو سمندر کا پانی نالیوں کے ذریعے ان حوضوں میں چھوڑ دیتے،، جس کے ساتھ بہت سی مچھلیاں بھی بہہ کر حوضوں میں جمع ہو جاتیں، اس کے بعد حوض کے دہانے پر بند لگا دیتے تا کہ مچھلیاں واپس سمندر میں نہ چلی جائیں، پھر جب اگلا دن اتوار آتا تو ان مچھلیوں کو بہ آسانی حوضوں سے پکڑ لیتے۔

تین گروہ

جب ان لوگوں نے یہ مکّاری اور حیلہ شروع کیا تو بنی اسرائیل تین حصوں میں بٹ گئے:

۱۔ ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے یہ حیلہ عملی طور پر اختیار کیا اور باری تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالا۔

۲۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے ان حیلہ کرنے والوں کو اس کام سے روکا اور احکامِ خداوندی کی پاسداری کی تلقین کی۔

۳۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو ان حیلہ کرنے والوں کی حرکت کو دل سے برا تو سمجھتے، مگر زبان سے ان کی اصلاح، اور ان کو اس برے عمل سے روکنے کا فریضہ سرانجام نہ دیتے تھے۔

تینوں گروہوں کا انجام

جب یہ حیلہ کرنے والے لوگ اپنی مکاریوں سے باز نہ آئے اور مسلسل اللہ ربّ العزّت کے حکم کی خلاف ورزی

کرتے رہے تو اللہ رَبُّ العزّت نے پہلے گروہ کو جو اصل مجرم تھے سخت عذاب میں جکڑ لیا، اور وہ عذاب یہ تھا کہ ان سب کی شکلیں بدل کر انہیں بندر بنا دیا۔ اور جو لوگ ان کو اس فعل بد سے روکتے تھے اور اس مکاری و حیلہ جوئی سے باز رہنے کی تلقین کرتے تھے، انہیں اللہ رَبُّ العزّت نے عذاب سے بچا لیا۔ البتہ تیسرے گروہ سے متعلق قرآن میں کوئی صراحت نہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی محفوظ رہے، البتہ ان کا عمل قابلِ تقلید نہیں، عزیمت یہ ہے کہ آخر تک اصلاح کی کوشش جاری رکھی جائے۔

غلط فہمی کا اِزالہ

اس آیت میں اللہ رَبُّ العزّت نے حیلہ سازوں کی سزا یہ بیان فرمائی کہ انہیں بندر بنا دیا گیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ان کی طبیعت مسخ کی گئی تھی، حقیقتاً انہیں بندر نہیں بنایا گیا تھا، جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، قرآن کے الفاظ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حقیقتاً بندر بنا دیا گیا تھا، اس میں کسی تاویل یا تحریف کی ضرورت نہیں ہے۔ مقام حیرت ہے کہ اگر ڈارون کا نظریہ اپنانے والا کوئی شخص کہے کہ بندر ترقی کر کے انسان بن گیا، تو اسے دنیا مان لیتی ہے، لیکن جب پروردگارِ عالم اپنے کلام میں ارشاد فرمائیں کہ انسان تنزلی کر کے بندر بن گیا تو نام نہاد دانشور تاویل کرنے لگتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

''عہدِ اَلست'' کی تحقیق

ان آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے اس عظیم الشان عہد و پیمان کو بیان فرمایا ہے جو پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں سے اس وقت لیا تھا جب وہ اس جہان میں آئے بھی نہ تھے، اس عہد کو ''عہدِ اَلست'' کہا جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد اللہ رَبُّ العزّت نے ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا فرمائی، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی، اور ان تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سامنے پھیلا دیا، انہیں اپنی معرفت اور پہچان کروائی، ان کی فطرت میں توحید کا عقیدہ رکھا، تا کہ جب بھی وہ دنیا میں آئیں تو ان کے اندر اللہ کی معرفت اور توحید و حق شناسی کا مادہ اور صلاحیت پہلے سے موجود ہو، پھر ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں، اور اقرار کرتے ہیں، اللہ رَبُّ العزّت نے فرمایا: یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا ہے کہ تم قیامت کے دن یہ عذر نہ کرو کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں تھا، یا تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے باپ دادا مشرک تھے اور ہم چونکہ ان کے بعد آئے اور انہیں بت پرستی کرتے ہوئے پایا، اس لیے ہم نے بھی لاعلمی میں وہی اختیار کر لیا جو ہمارے بڑے کیا کرتے

تھے۔ ان بے وزن اعذار کو روکنے کے لیے اللہ ربّ العزّت نے عالمِ ارواح میں تمام انسانوں سے یہ عہد لیا، تا کہ ان کے دلوں میں ایمان کی ایسی بنیاد قائم ہو جائے کہ اگر وہ ذرا بھی غور و فکر سے کام لیں تو اللہ ربّ العزّت کی ربوبیت کے اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔

سوال:- ظاہر ہے کہ اس دنیا میں آنے کے بعد یہ عہد تو کسی کو یاد بھی نہیں رہا تو پھر اس عہد کا کیا فائدہ ہوا؟

جواب:- یاد رہنا ضروری نہیں، اثر کا موجود ہونا کافی ہے۔ بہت ساری باتیں انسان سیکھتا اور پڑھتا ہے، جن کی تفصیلات وہ بھول جاتا ہے، مگر اس کی استعداد باقی رہتی ہے، جو پڑھنے اور سیکھنے کی دلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پہچان انسان کی فطرت میں موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ مشکل وقت میں انسان اللہ ربّ العزّت کو ہی پکارتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے لاشعور میں اللہ ربّ العزّت کا تصور موجود ہے، پھر جب پروردگارِ عالم کے سچے کلام میں اس کی خبر دی گئی، مخبرِ صادق خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی اطلاع دی، تو اس خبر کی سچائی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ بایں ہمہ بعض قدسی نفوس کو یہ عہد یاد بھی رہا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے یہ عہد یاد ہے، اسی طرح حضرت ذُوالنون مصریؒ بھی فرماتے تھے کہ مجھے یہ عہد اچھی طرح یاد ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝ سَاۗءَ مَثَلَا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ۝

”بے عمل عالم“، ”بدعمل مُرشد“ کا انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کے ایک بڑے عالم اور مشہور مقتدا کا واقعہ بیان فرمایا ہے جو اپنے علم و معرفت کے باوجود گمراہی کی اتاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا، قرآنِ کریم میں اس شخص کا نام مذکور نہیں ہے، مفسرین کرامؒ نے اس آیت کے ذیل میں متعدد ایسے لوگوں کے واقعات بیان فرمائے ہیں جو اپنے علم و معرفت کے باوجود گمراہی کی تاریکی میں ڈوب گئے، ان میں سے زیادہ مشہور اور قابلِ اعتماد واقعہ بلعم بن باعوراء کا ہے، جو ملکِ شام میں بیت المقدس کے قریب کنعان کا رہنے والا تھا، اللہ ربّ العزّت نے اسے آیاتِ الٰہی کا علم عطا فرمایا تھا، اور درویش، صاحبِ کرامت، مستجاب الدعوات اور اسمِ اعظم جاننے والا شخص تھا۔

اس کا واقعہ یوں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو قومِ جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا اور جبارین نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لشکر لے کر پہنچنے ہی والے ہیں تو وہ سب جمع ہو کر بلعم بن باعوراء کے پاس آئے اور کہا کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددُعا کر دیجیے اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وقت کے نبی ہیں، ان کے

ساتھ اللہ رب العزت کے فرشتے ہیں، میں ان کے خلاف بددُعا کیسے کرسکتا ہوں، اگر میں نے ایسا کیا تو میرا دین اور دنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے۔ان لوگوں نے بہت اصرار کیا اور ایک بڑی رقم اور سونا چاندی وغیرہ پیش کیا، اس پر اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ یہ رشوت قبول کرلیں اور ان کا کام کردیں، اس وقت بیوی کی رضاجوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بددُعا کرنا شروع کردی۔

خاصانِ خدا کی مخالفت کا نتیجہ

اس وقت قدرتِ الٰہیہ کا عجیب کرشمہ ظاہر ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددُعا کے لیے جو بھی کلمات منہ سے نکالنا چاہتا، وہ اپنی قوم جبارین کے لیے نکلتے، اس پر وہ لوگ چلا اٹھے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ تم تو ہمارے ہی خلاف بددُعا کر رہے ہو، اس نے کہا کہ میرے بس میں کچھ نہیں ہے، یہ سب میرے اختیار سے باہر ہے، اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اسے یہ سزا دی کہ اس کی زبان باہر نکل کر سینے پر لٹک گئی۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میری تو دنیا اور آخرت تباہ ہوگئی، اب میری دُعا کسی کام کی نہیں، البتہ میں تمھیں ایک چال بتاتا ہوں جس کے ذریعہ تم بنی اسرائیل پر غالب آسکتے ہو۔ وہ یہ کہ اپنی حسین لڑکیوں کو بنا سنوار کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور انہیں یہ تاکید کردو کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو اپنی جانب آنے سے نہ روکیں، اگر ان میں سے کسی ایک بھی بدکاری کرلی تو وہ کامیاب نہیں ہوسکیں گے اور تم غالب آجاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بنی اسرائیل کے ایک سردار کو ایک عورت بھا گئی، اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لایا اور کہنے لگا: یہ مجھ پر حرام ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خیمہ میں لے جا کر زنا کیا، اس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب مسلط ہوا، جس سے ایک روز میں ستر ہزار اسرائیلی مر گئے، یہاں تک کہ ایک شخص نے اس جوڑے کو جس نے بدکاری کا ارتکاب کیا تھا، قتل کر کے سولی پر ٹانک دیا اور اللہ رَبّ العزّت سے دُعا کی کہ ہم نے آپ کے نافرمان کا یہ حشر کیا، آپ ہمیں معاف فرما دیجیے، اس پر طاعون ختم ہوگیا۔ (معارف القرآن)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان کو اس شخص کے بارے میں بتائیں جسے ہم نے اپنی آیات کا علم دیا تھا، پھر وہ اس علم سے پیچھے ہٹ گیا اور شیطان کے چنگل میں آکر گمراہی کی راہ اختیار کرلی، سو اس کی مثال کتے کی سی ہے، اس پر وزن رکھو تو بھی ہانپتا ہے اور نہ رکھو تو بھی، اور یہی مثال ان سب لوگوں کی ہے جو اللہ رَبّ العزّت کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

جانوروں سے بدتر لوگ

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جنات اور انسانوں میں سے جو لوگ اپنے دل و دماغ، آنکھ اور

کان کا صحیح استعمال کر کے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ان صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھا کر ایمان سے محروم رہتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے جہنّم کو بھر دیا ہے۔ یہ لوگ عقل و دماغ کو دین کے لیے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے دیوانوں کی طرح ہیں، آیات الٰہی کو صحیح نہ سننے کی وجہ سے بہروں کی طرح ہیں، بصیرت سے محروم ہونے کی وجہ سے درحقیقت اندھے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے نزدیک یہ لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

”قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور!“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک شبہ کا جواب دیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ جو لوگ کافر ہیں ان کے پاس دولت، ٹیکنالوجی، اسباب اور وسائل زیادہ ہیں، تعیش و آرام کے ذرائع وافر ہیں، جبکہ اس کے برعکس مسلمان جو حق پر ہیں، دنیوی مال و اسباب سے محروم کیوں ہیں؟

بقول علامہ اقبالؒ:

یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بے چارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور

اللہ ربّ العزت نے جواب دیا کہ جو لوگ ہماری آیات جھٹلاتے ہیں، انہیں اچانک اور دفعۃً ہلاک نہ کرنے کی وجہ محض ہماری رحمت اور حکمت ہے، یہ دنیا اور اس کی آسائشیں درحقیقت ان کے لیے ڈھیل ہیں، اس لیے ان کی ظاہری دولت یا مقام و مرتبہ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے، کیونکہ باری تعالیٰ انہیں آہستہ آہستہ تدریجاً پکڑتے ہیں جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور ایک وقت آتا ہے کہ پروردگارِ عالم انہیں ان کے انجام سے دوچار کر دیتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

قیامت برحق ہے

اسلامی تعلیمات کا تمام تر دارومدار تین بنیادی عقائد پر ہے:

۱۔ توحید۔　　۲۔ رسالت۔　　۳۔ آخرت۔

مکی سورتوں میں خاص طور پر عقائد پر زور دیا جاتا ہے، لیکن پیغمبر جب دیکھتا ہے کہ اس کی قوم سنجیدگی سے اللہ کے دین کی دعوت پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں تو پھر وہ کبھی انہیں اس انجام سے ڈراتا ہے، جس انجام سے قوم عاد وثمود جیسی معذب قومیں دوچار ہوئیں اور کبھی قیامت کی ہولنا کیوں کوان کے سامنے ذکر کرتا ہے، مقصود ان سب باتوں سے یہ ہوتا ہے کہ ان کے مخاطب اپنی زندگی کے طرز پر غور کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی قیامت اور آخرت پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے اور بار بار لوگوں کو اس سے ڈراتے تھے۔

مشرکینِ مکہ بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت کی بار بار یاددہانی کے نتیجہ میں اپنے انجام کے بارے میں فکر مند ہوتے، انہوں نے اسے بھی ایک مذاق بنالیا۔ کہنے لگے: جس قیامت کے آنے کا آپ بار بار تذکرہ کرتے ہیں اگر اس کا آنا ایسا ہی یقینی ہے تو معلوم تو ہونا چاہیے کہ وہ کب آئے گی اور یہ سوالات تحقیق کے لیے نہیں بلکہ تمسخر اڑانے کے لیے کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار عالم کے حکم سے نہایت سنجیدگی سے اس کا جواب دیا کہ قیامت کے آنے کے وقت کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے، اس کا علم تو صرف میرے رَبّ کے پاس ہے، میں تو تمہیں اس کے آنے کی یقینی خبر دے رہا ہوں اور یہ یقین تمہارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ قیامت یقیناً آئے گی، تمہارا کام اس کے وقت کا کھوج لگانا نہیں، بلکہ اس کی تیاری کرنا ہے، لیکن وہ بار بار آپ سے وقت ہی کے بارے میں استفسار کرتے تھے اور اس طرح پلٹ پلٹ کر پوچھتے تھے، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے سوا کوئی کام نہیں کہ وہ قیامت کی ہی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ اس لیے دو دفعہ اس بات کو دہرایا گیا کہ تم اصل حقیقت کو جاننے اور میری حیثیت پہچاننے کی کوشش کرو۔

اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ تمہارے لیے جواب وہی کا ایک دن مقرر کر دیا گیا ہے، وہ جب بھی آئے تمہیں اس سے یقیناً سابقہ پڑے گا اور میرا فرض یہ ہے کہ میں تمہیں ان صداقتوں سے آگاہ کروں، جنہیں اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے اور اپنے قول وعمل سے تمہارے اندر یقین کی قوت پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ تم قیامت کے وقت کی کھوج کرید میں لگے ہوئے ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ جب آئے گی تو اس کا آنا اس قدر اچانک ہوگا کہ کوئی اپنے آپ کو بچانے کی تدبیر نہ کر سکے گا۔

”عالم الغیب“ اور ”مختارِ کُل“ صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے!

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا گیا کہ علم غیب یعنی تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا علم محیط صرف اللہ جل شانہٗ کی مخصوص صفت ہے، اس میں کسی مخلوق کو شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے، اسی طرح ہر نفع نقصان کا مالک ہونا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت خاص ہے، اس میں کسی کو شریک ٹھہرانا بھی نامناسب ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، دوسروں کے نفع نقصان کا تو کیا ہی ذکر ہے۔ میں عالم الغیب بھی نہیں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لیے ضروری ہو، اگر مجھے علم

غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز ضرور حاصل کر لیتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے نہ چوکتا، اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا، حالانکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفیں اور مضرتیں ایسی ہیں، جن سے آپ نے بچنے کا ارادہ کیا، مگر وہ مضرت وتکلیف پہنچ گئی۔

الحاصل! انبیاء نہ قادر مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب، بلکہ ان کو علم وقدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے، جتنا من جانب اللہ ان کو عطا کیا جائے، ہاں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے، وہ ساری مخلوق سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، خصوصاً ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا، یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنا علم دیا گیا تھا، وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا، اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں، جن کی سچائی کا ہر عام وخاص نے مشاہدہ کیا، اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا، مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہا جاتا، بلکہ انباء الغیب کہا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اولادِ آدم کی ناشکری

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کاملہ کے ایک نمونے کو ذکر فرما کر توحید کو ثابت فرمایا اور اسی ضمن میں انسانون کی ناشکری اور شرک کی مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ ابتداء میں حضرت آدم واماں حوا علیہا السلام کا ذکر فرما کر پھر ان کی ذریت کا ذکر فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت ہی کی شان ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو ایک آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا اور انہی سے ان کی اہلیہ حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، جس کا مقصد یہ تھا کہ انہیں اپنی رفیقہ حیات کے ذریعہ سکون حاصل ہو۔

باری تعالیٰ کی اس قدرت کاملہ کے نمونے کے اظہار کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد اللہ ربّ العزّت کی شکر گزار ہوتی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتی، لیکن غافل انسانوں نے اس کے برعکس یہ طرز عمل اپنایا کہ جب نر و مادہ کے باہمی اختلاط سے حمل قرار پاتا ہے، تو شروع شروع میں جب تک حمل کا بوجھ زیادہ نہیں ہوتا، عورت

چلتی پھرتی رہتی ہے، پھر جب پیٹ بھاری ہونا شروع ہوجاتا ہے تو میاں بیوی کو فکر لاحق ہونا شروع ہوتی ہے اور اسی فکر کے عالم میں وہ اللہ رَبّ العزّت سے دُعائیں کرنے لگتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں صحیح سالم بچّہ عنایت فرمایئے، ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ مگر جب تمنا برآتی ہے اور اللہ رَبّ العزّت انہیں صحیح سالم اور تندرست بچّہ عطا فرمادیتے ہیں تو بجائے شکر کرنے کے شرک میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ بچّہ فلاں بت، مورتی، پیر و مرشد، ولی یا بزرگ نے دیا ہے، کبھی اس بچّے کی پیدائش پر ان کے نام کی نذر و نیاز دینے لگ جاتے ہیں، بچّے کو ان کے پاس یا ان کے مزار پر لے جا کر اس کا ماتھا ٹیکتے ہیں، اور کبھی بچّے کا نام رکھنے میں مشرکانہ انداز اختیار کرتے ہیں مثلاً: ''پیراں دتہ، نبی بخش، ولی بخش'' وغیرہ نام رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ سب جاہلانہ اور مشرکانہ طریقے ہیں، جن سے مکمل طور پر اجتناب کرنا لازم ہے۔

شرک کی مذمت

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے شرک کی مذمت بیان فرمائی کہ تم جن کو اللہ رَبّ العزّت کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ان کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنی پیدائش میں بھی دوسروں کے محتاج ہیں، چہ جائیکہ وہ کسی اور کو پیدا کریں، اسی طرح اگر ان پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ خود اپنا دفاع تک نہیں کرسکتے، دوسروں کی کیا خاک مدد کریں گے۔ وہ تمہاری پکار تک نہیں سن سکتے اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو اس پر عمل نہیں کرسکتے۔ تو ایسے کمزور اور عاجز کو معبود ماننا اور پروردگارِ عالم کا شریک ٹھہرانا کہاں کی دانشمندی ہے؟

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝

اَخلاقِ کریمانہ

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین حکم دیے جو ہر داعی کے لیے واجب الاتباع ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عفو و درگزر کو عادت بنالیں، لوگ ناشائستہ حرکت کریں تو ان کو معاف کردیں، لوگ بداخلاقی سے پیش آئیں تو آپ ان کا جواب اخلاق سے دیں۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نادانوں کی نادانی اور جہالت کی طرف دھیان نہ دیں، ان کی جہالت آمیز حرکتوں پر ان سے نہ الجھیں، انہیں نرمی سے حق بات بتائیں لیکن اگر وہ الجھنا چاہیں تو آپ ان سے کنارہ کش ہوجائیں۔

ان تین احکام کو ذکر کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی وقت بشری تقاضے سے کسی کی نامعقول حرکت پر غصہ آجائے اور شیطان اثر انداز ہونے کی کوشش کرے تو فوراً اللہ رَبّ العزّت کی پناہ میں آجائیں، اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ۝

آدابِ قرآن

اس سورت کی ابتدا میں بھی باری تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی عظمت کو بیان فرمایا تھا، اور اب اس کے اختتام میں بھی قرآنِ کریم کے آداب کو بیان فرما کر اس کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

گویا قرآنِ کریم ان لوگوں کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے، جو قرآنِ کریم کے ادب واحترام کو پہچانیں، اور اس پر عمل کریں۔ اور قرآنِ کریم کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جب قرآنِ کریم پڑھا جائے، تو سننے والے توجہ سے کان لگا کر سنیں، اور خاموش رہیں، کیونکہ قرآنِ کریم کی رحمت سے فائدہ حاصل کرنا مذکورہ آداب بجالانے پر موقوف ہے، اگر کوئی ان آداب کی خلاف ورزی کر کے قرآن کی بے ادبی کا مرتکب ہوا، تو وہ رحمت کے بجائے قہر وغضب کا مستحق ہوگا۔

فاتحہ خلف الامام

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝" اصل میں نماز کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے، اُمّت کے سب سے بڑے مفسر حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس آیتِ کریمہ کو نماز کے متعلق قرار دیا، یعنی جب نماز میں امام قرآنِ کریم پڑھے تو خوب توجہ سے سنا جائے اور کان لگائے جائیں، کئی احادیث مبارکہ میں بھی یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے، اس لیے امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورتِ فاتحہ یا کوئی اور سورت نہیں پڑھنی چاہیے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

دُنیا کے بگاڑ کا سبب

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے انسان کو غفلت سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے غفلت سے بچاؤ کے طریقے بھی بیان فرمائے ہیں۔ کیونکہ دنیا کے بگاڑ کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان اس بات سے غافل ہو جاتا ہے کہ اللہ میرا رَبّ ہے اور میں اس کا بندہ ہوں، اس غفلت سے وہ نتائج پیدا ہونا شروع ہوتے ہیں، جس سے ظلم کا دروازہ کھلتا ہے اور حقوق وفرائض کی پامالی وجود میں آتی ہے اور انسان بڑھتے بڑھتے گمراہی کی تمام منزلوں سے گزر جاتا ہے۔

حل اور علاج

اس غفلت کو دور کرنے اور انسان کی اصلاح کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت سے اس کا تعلق

جوڑ دیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان قرآنِ کریم سے اپنا تعلق پیدا کرے، اسے غور سے سنے، سمجھے، اور غفلت سے نکلنے کے لیے اللہ کی یاد کو اپنا وظیفہ بنالے، ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان واقعی انسان بن جائے گا اور اس کا سفر اس کی حقیقی منزل کی طرف شروع ہو جائے گا۔

''ذِکر اللہ'' کے آداب

چنانچہ سورت کے آخر میں ذکر کے آداب بیان فرمائے گئے ہیں:

۱- پہلا ادب ذکر کے طریقے سے متعلّق ہے، اس بارے میں مذکورہ آیت سے ذکر اللہ کے تین طریقے حاصل ہوئے:

''ذِکر اللہ'' کرنے کے تین طریقے

۱...... بغیر زبان کی حرکت کے صرف دل میں اللہ ربّ العزّت کی ذات وصفات کا دھیان اور خیال رکھے، جس کو ذکرِ قلبی کہا جاتا ہے۔

۲...... دوسرا یہ کہ دل میں دھیان رکھنے کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی ذکر کیا جائے، مگر آواز بلند نہ ہو، جس کو دوسرے آدمی سن سکیں۔

۳...... تیسرا طریقہ ذکر جہری کا ہے کہ استحضار قلب اور دھیان کے ساتھ زبان کی حرکت بھی ہو اور آواز بھی قدرے بلند ہو۔ مگر اس تیسرے طریقہ کے لیے ادب یہ ہے کہ آواز زیادہ بلند نہ کرے، بلکہ اعتدال کے ساتھ متوسط حد تک رہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کی ایک اور آیت ''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا'' (الإسراء:۱۱۰) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی قرات میں نہ زیادہ جہر کیا کریں اور نہ بالکل اخفا، بلکہ جہر اور اخفا کے درمیان کی کیفیت رکھا کریں۔

''ذِکر'' کا افضل طریقہ

سب سے افضل اور بہتر صورت یہی ہے کہ جو ذکر کر رہا ہے، اس کے مفہوم کو سمجھ کر دل میں بھی اس کا پورا استحضار اور دھیان ہو اور زبان سے بھی ادا کرے، کیونکہ اس صورت میں قلب کے ساتھ زبان بھی ذکر میں شریک ہو جاتی ہے۔

بلند آواز سے ''ذِکر'' کرنے کی شرائط

البتہ آواز سے تلاوت وذکر میں چند شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱- اس میں نام ونمود اور ریا کا اندیشہ نہ ہو۔

۲- آواز سے دوسرے لوگوں کو حرج یا تکلیف نہ ہو۔

لہٰذا جہاں نام ونمود اور ریا کا یا دوسرے لوگوں کے کام یا آرام میں خلل کا اندیشہ ہو، تو آہستہ ہی تلاوت وذکر کرنا افضل ہے۔

''ذِکر'' جہری افضل ہے یا سِرّی؟

ذکر جہری اور ذکر سری میں سے کون سا افضل ہے، اس میں علمائے کرام کی آراء مختلف ہیں، راجح قول یہ ہے کہ مختلف اشخاص اور حالات کے اعتبار سے حکم مختلف ہو جاتا ہے، بعض لوگوں کے لیے جہر بہتر ہوتا ہے اور بعض کے لیے اخفاء، نیز بعض اوقات جہر بہتر ہوتا ہے اور بعض وقت آہستہ آواز میں ذکر کرنا بہتر ہوتا ہے۔

''ذِکر'' کے دیگر آداب

ذکر کا ایک ادب ذکر کیا جا چکا۔ ذکر کا دوسرا ادب یہ ہے کہ:

۲......عاجزی اور تضرّع کے ساتھ ذِکر کیا جائے۔

۳......ذِکر کا تیسرا ادب یہ ہے کہ ذِکر و تلاوت کے وقت انسان پر خشیت طاری ہو۔

مقرّبینِ پروردگار کا حال

سورت کی آخری آیت میں لوگوں کی عبرت و نصیحت کے لیے مقربین بارگاہِ الٰہی کا ایک مخصوص حال بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، بلکہ اپنے آپ کو عاجز اور محتاج سمجھ کر ہمیشہ اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ہر وقت تسبیح و تہلیل کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے رہتے ہیں۔

''سجدۂ تلاوت'' کا حکم

قرآنِ کریم میں کل چودہ ایسی آیات ہیں جنہیں ''آیاتِ سجدہ'' کہا جاتا ہے، اور ان کا حکم یہ ہے کہ جو شخص ان آیات کو پڑھے یا سنے وہ سجدہ کرے۔ سورۂ اعراف کی آخری آیت چونکہ قرآنِ کریم کی پہلی آیتِ سجدہ ہے، لہٰذا یہاں سجدہ کرنا لازم ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ کریم کی حقانیت کو بیان فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہانگ دہل تبلیغ دین کرنے اور اس سلسلہ میں کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لانے کا حکم فرمایا ہے۔

۲۔سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان فرما کر شیطان کی دشمنی کو واضح کیا گیا ہے اور انسانوں کو اس سے خبردار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۳۔سورت میں اہل ایمان کو لباس سے متعلّق ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ کُفّار کی فحش رسومات کی تردید کی گئی ہے۔

۴۔سورت میں جنتیوں اور جہنمیوں کا باہمی مکالمہ اور اصحاب الاعراف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۵۔سورت میں چھ انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔

۶-سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نورانی صفات بیان کی گئی ہیں۔

۷-سورت میں عہد الست کو بیان کیا گیا ہے۔

۸-بے عمل عالم اور بد عمل مرشد کا انجام بیان کرنے کے لیے بنی اسرائیل کے ایک معروف عالم و پیر کا واقعہ بیان فرمایا۔

۹-کفار کے شبہات کے جوابات ذکر کیے گئے، خاص طور پر قیامت سے متعلق ان کے سوالات کے جواب بیان کیے گئے ہیں۔

۱۰-سورت میں قرآنِ کریم اور ذکر باری تعالیٰ کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔

تلک عشرۃ کاملۃ

تمت سورۃ الاعراف بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاَنْفَال

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں آٹھویں (۸) نمبر پر جبکہ نزول کے اعتبار سے اٹھاسی (۸۸) نمبر پر ہے، دس (۱۰) رکوع اور پچھتر (۷۵) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے دونام ہیں:

۱- **انفال:** نفل کی جمع ہے، اس کا معنی ہے غنیمت کا مال، اس سورت کی پہلی آیت میں انفال یعنی مالِ غنیمت کے اَحکام کے بارے میں مسلمانوں کے سوال اور اس کے جواب کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورۂ انفال" رکھا گیا۔

۲- **القتال:** اس سورت میں جنگ اور قتال کے احکام ذکر کیے گئے ہیں، اسی لیے اس سورت کو "سورۂ قتال" بھی کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں متعدد رسولوں اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے تھے، اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع مدد ونصرت کے مادی، دنیوی اور روحانی قوانین وضوابط کو بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱- سورت میں معرکۂ جنگ اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت راہِ فرار اختیار کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔

۲- اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے۔

۳- سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دل کی زندگی اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے قائم ہے۔

۴- سورت میں قومی اور ملّی رازوں کو فاش کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۵- تقویٰ کے ثمرات وفوائد بیان کیے گئے ہیں۔

۶- نصرت باری تعالیٰ کے اسباب بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

غزوۂ بدر کے مختصر احوال

چونکہ اس سورت میں غزوۂ بدر کے حالات وواقعات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کو سمجھنے کے لیے مختصراً غزوۂ بدر کے حالات سمجھنا ضروری ہے۔

مکہ مکرمہ کے تیرہ سال مسلمانوں نے مظلومیت کی زندگی گزاری، اس وقت تک جہاد کی اجازت نہیں ملی تھی، جب کفّار کے مظالم حد سے زیادہ ہوگئے تو اللہ ربّ العزّت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کو ہجرت کی اجازت عطا فرمادی، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، مدینہ پہنچنے کے بعد باقاعدہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوششیں فرمائیں، اسی دوران اللہ ربّ العزّت نے جہاد کی اجازت بھی مرحمت فرمادی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکمت وبصیرت سے اس موقع پر نہایت دوراندیشانہ فیصلے فرمائے، آپ نے مدینہ کے قرب وجوار کے قبائل کے ساتھ گفت وشنید شروع کی، تاکہ انہیں حلیف یا کم از کم غیر جانبدار بنادیا جائے، وہ جنگوں میں مسلمانوں کا ساتھ دیں یا کم از کم دشمن کا ساتھ نہ دیں، اور غیر جانبدار رہیں، اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ۔ جو آپ کے سخت حریف اور دشمن تھے، اور انہیں اپنی دولت پر ناز تھا۔ کو معاشی طور پر کمزور کرنے کے لیے قریش کے گزرنے والے تجارتی قافلوں پر حملوں کے لیے چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے، جنہیں اہل مغازی نے غزوۂ بواط اور غزوۂ ذوالعشیرہ سے تعبیر کیا ہے، جن کا صحیح بخاری میں بھی ذکر ہے۔

ابتدائے رمضان المبارک سن دو ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان مکہ سے تجارت کا جو بڑا

قافلہ لے کر شام گئے تھے، اب وہ قافلہ واپس آ رہا ہے۔ اس قافلے کا مقصد محض تجارت نہیں تھا، بلکہ درحقیقت مسلمانوں پر حملہ کرنے اوران کا استیصال کرنے کا قریش نے جو فیصلہ کیا تھا، اس کے لیے مصارف جنگ پورا کرنے کی تدبیر تھی۔ اس قافلے میں تقریباً پچاس ہزار دینار (کئی ملین روپے) کا مال تجارت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے خدشات کو محسوس کرتے ہوئے، ان کے خلاف اقدام کرنے کا فیصلہ فرمایا، تا کہ معاشی طور پر ان کی کمر ٹوٹ جائے، اور مسلمان معاشی طور پر مضبوط ہو جائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ اس قافلہ پر حملے کے لیے نکلے، جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی، چونکہ یہ باقاعدہ کوئی مہم نہیں تھی اور نہ ہی جنگ کا اعلان ہوا تھا، اس لیے سامان حرب کی تیاری کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔

دوسری طرف جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی محتاط تھے، وہ مختلف ذرائع سے اردگرد کی خبریں معلوم کرنے کی جستجو کر رہا تھا، انہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے فوراً اپنا ایک آدمی مکہ بھیج دیا، جس نے مکہ پہنچتے ہی عرب کے قدیم دستور کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے، اس کی ناک چیر دی، کجاوے کو الٹ کر رکھ دیا، اپنی قمیص آگے پیچھے سے پھاڑ کر چلانا شروع کر دیا، اے قریش کے لوگو! اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو، تمہارا مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے آدمی لے کر ان کے درپے ہو گیا ہے، مجھے امید نہیں کہ تم اسے حاصل کر سکو گے، مدد! مدد!

مکہ میں خبر پہنچتے ہی ہلچل مچ گئی، ابوجہل نے فوراً لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کیا، ایک ہزار کا لشکر جن میں چھ سو زرہ پوش تھے، اکٹھا ہو کر فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ادھر جناب ابوسفیان نے غیر معروف راستہ اختیار کیا اور خطرے کی زد سے نکل گئے، سرداران قریش کو پیغام بھیجا، کہ اب تمہارے آگے جانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ قافلہ بخیریت مکہ پہنچنے والا ہے، لیکن قریش کے طاغوت اکبر ابوجہل نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور نہایت کبر و غرور سے کہا: جب تک ہم بدر میں جا کر تین دن رہ کر، شراب پی کر، پکنک نہیں منالیں گے، واپس نہیں جائیں گے، چنانچہ وہ اپنے لشکر سمیت بدر کے میدان میں آ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ابوجہل کے لشکر کا پتہ چلا، تو چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی خاص تیاری کے تشریف لائے تھے، مسلمانوں کے مکمل لشکر میں ستر اونٹ، صرف دو گھوڑے، آٹھ تلواریں اور چھ زرہیں تھیں، جبکہ مشرکین کے لشکر میں دو سو گھوڑے، ایک ہزار اونٹ، دو سو زرہیں اور تلواریں تھیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو صحابہؓ نے جاں نثاری کا مظاہرہ کیا، اور عرض کیا کہ آپ ہمیں جو کہیں گے ہم کریں گے، مہاجرین اور انصار نے اپنے جذبات کا پُرجوش اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر پہنچے۔ اس سے آگے کے احوال وقتاً فوقتاً سورت میں ذکر کیے جائیں گے۔

سورت کا شانِ نزول

بدر میں جنگ ہوئی، تو اس میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، کفار کے ستر بڑے بڑے سردار قتل ہوئے، ابوجہل مارا گیا، عتبہ و شیبہ مارا گیا، اور ستر کافر گرفتار ہو گئے، اور بہت ساری غنیمت بھی ملی۔ مال غنیمت کی تقسیم میں

مسلمانوں میں کچھ اختلاف ہوگیا۔ ہوا یوں کہ جنگ کے اختتام پر جب دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ رہا تھا تو مسلمان لشکر کے تین حصے ہوگئے:

۱۔ کچھ لوگوں نے دشمن کی شکست کے بعد دشمن کا تعاقب کیا، تاکہ دشمن واپس نہ آسکے۔

۲۔ کچھ لوگ کفّار کا چھوڑا ہوا مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔

۳۔ کچھ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پہرہ دیتے رہے، کہ کسی طرف چھپا ہوا دشمن آپ پر حملہ نہ کردے۔

جب جنگ ختم ہوئی، سارے اکٹھے ہوئے، تو غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا کہ یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے، اس لیے اس میں ہمارے سوا کسی کا حصہ نہیں، جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے، انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو، کیونکہ ہم ہی نے دشمن کو پسپا کیا اور تمہیں موقع فراہم کیا کہ تم بے فکر ہو کر مالِ غنیمت جمع کرلو۔ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرے داری میں مصروف تھے، انہوں نے کہا ہم چاہتے تو ہم بھی مالِ غنیمت جمع کرنے میں تمہارے ساتھ شریک ہوتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت جو جہاد کا سب سے اہم کام تھا، ہم اس میں مشغول رہے، اس لیے ہمارا بھی حق بنتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری۔ (معارف القرآن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ
اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

”مالِ غنیمت“ کا اِستحقاق

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صحابہ کرام کے اسی مالِ غنیمت کے بارے میں ہوئے اختلاف کو ذکر فرما کر اس کا جواب بیان فرمایا۔ ارشاد باری ہے کہ اے نبی! یہ آپ سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے اور سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، اللہ کی مدد سے اور اللہ کے نبی کی دُعاؤں سے تمہیں جنگ میں فتح نصیب ہوئی ہے، اس لیے جو بھی غنیمت ملی ہے اسے صرف اللہ ربّ العزّت کا فضل و احسان اور اس کے نبی کی برکت گردانو، اور ان اختلافات سے بچو، کیونکہ حقیقی مؤمن دنیا کی ان فانی چیزوں پر جھگڑا نہیں کیا کرتے۔

یہاں مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق کچھ نہیں فرمایا گیا، اس کی وضاحت آگے چل کر، یعنی دسویں پارے کے آغاز میں فرمائی گئی، یہاں مقصود چونکہ سوچ اور تصورات کی اصلاح ہے، اس لیے بات کو یہیں تک محدود رکھا گیا، البتہ چونکہ مسلمانوں کا مالِ غنیمت پر اختلاف کرنا اور پھر دلوں کا اس سے متاثر ہونا، مسلمانوں کی شان کے لائق نہیں اس لیے ایسی

ہدایات دینا ضروری تھا، جس سے آئندہ اس قسم کے اختلافات پیدا نہ ہونے پائیں، اور اگر پیدا ہو تو اس کے برے اثرات دلوں تک نہ پہنچیں۔

تین ہدایات

چنانچہ تین ہدایات عطا فرمائی گئیں:

۱۔**تقویٰ**: پہلی ہدایت تقویٰ اختیار کرنے کی فرمائی گئی۔ تقویٰ دل کی خاص کیفیت کا نام ہے، جس میں نیکی کی طرف میلان اور برائی سے نفرت بڑھ جاتی ہے، اس سے ایک مومن کے دلی احساسات اتنے مصفّٰی ہو جاتے ہیں کہ اللہ کی رضا کی طلب اس کی زندگی بن جاتی ہے، اور اللہ کی نافرمانی اسے موت محسوس ہونے لگتی ہے۔

۲۔**باہمی تعلقات کی درستگی اور معاملات کی صفائی**: مسلمان چونکہ آخری امت ہیں، اس لیے پوری دنیا کی اصلاح کا فریضہ مسلم امہ کو سپرد کیا گیا ہے، جو بلاشبہ ایک مشکل کام ہے، اس راہ پر قدم قدم پر مشکلات سے واسطہ پڑنے کا اندیشہ ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اس امت کے افراد میں باہمی محبت و مودت ہو، کیونکہ اگر اس امت کے افراد میں باہمی محبت و مودت نہیں ہوگی اور آپس کے تعلقات میں اخلاص اور گہرائی نہیں ہوگی تو یہ دشمن کے مقابلے میں کبھی سیسہ پلائی دیوار نہیں بن سکتے۔ اس لیے پہلے ہی معرکے میں باہمی تعلقات میں ہلکی سی خراش دیکھ کر پروردگار نے اس کے مستقل ازالے کے لیے یہ ہدایت نازل فرمائی کہ باہم تعلقات درست کرو۔

۳۔**اطاعت خدا اور رسول**: زندگی کے تمام معاملات میں خوش اسلوبی، بندوں کے اللہ سے تعلقات میں گہرائی اور خوش اسلوبی، صرف ایک ہی صورت سے پیدا ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے، اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے، کہ زندگی کا کوئی معاملہ ہو، عبادت سے متعلق ہو یا معاملات سے متعلق، جنگ کے بارے میں ہو یا مالِ غنیمت سے متعلق، تمہیں اللہ ورسول سے ہی صحیح راہنمائی ملے گی، اس لیے ہر دم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دم بھرتے رہو۔

حقیقی مومنین کی صفات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سچے مومنین کی پانچ صفات کو بیان فرمایا:

۱۔**خشیت باری تعالیٰ**: مومنین کے سامنے جب اللہ کا نام آتا ہے، تو ان کے دل دہل اٹھتے ہیں، دلوں میں کپکپی طاری ہو جاتی ہے، اللہ کی کبریائی، اس کی قدرتوں کی عظمت، اس کی جلالت قدر کا تصور کر کے دل پگھلنے لگتا ہے، کبھی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، کبھی دل کے احساسات آہوں کی صورت میں ڈھل جاتے ہیں۔ جب بھی کوئی معاملہ ان کے سامنے آتا ہے، تو وہ فوراً سوچنے لگتے ہیں کہ اس سے متعلق ہمارے اللہ کا حکم کیا ہے؟

۲۔**ایمان میں ترقی**: مومنین کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جائیں، تو وہ ان آیات کو سن کر لپکتے ہوئے

ان کی طرف بڑھتے ہیں، اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا پیغام ہمارے نام آیا ہے، جس کے نتیجے میں ان کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

۳۔**اللہ پر توکل**: مومنین اپنے ربّ پر مکمل بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔

۴۔**نماز کی حفاظت**: مومنین نمازوں کی مکمل پاسداری کرتے ہیں اور انہیں بروقت صحیح طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

۵۔**انفاق فی سبیل اللہ**: مومنین اپنے مال کے ذریعے اللہ کے بندوں پر احسان کرتے ہیں، اپنا مال غریبوں پر خرچ کرکے اللہ کے سامنے سرخرو ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

حقیقی مومنین کے لیے انعامِ خداوندی

جو لوگ ان صفات سے متصف ہیں، یہی درحقیقت پکے مومن ہیں، ان کے لیے تین قسم کے انعامات ہیں:

۱۔درجاتِ عالیہ۔

۲۔مغفرت۔

۳۔عمدہ رزق۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

جہادی تربیت

پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ بعض مسلمانوں کو بدر کے موقع پر جہاد کے لیے اقدام ناپسند تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ سے نکلتے ہوئے صرف ایک لشکر پر حملے کا ارادہ تھا، نہ جنگ کا ارادہ تھا نہ کوئی تیاری، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فرمان کے ذریعے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا تو ناپسند کرنے والے بھی ساتھ ہوگئے، ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد کے لیے نکلنا، درحقیقت اللہ تعالیٰ کا نکالنا تھا، جو آپ کی ذات سے ظاہر ہوا، اور یہ جہاد کے لیے آپ کو نکالنا تربیت کے تقاضے سے تھا، کیونکہ اس کے ذریعہ مظلوم ومقہور مسلمانوں کے لیے فتح یابی اور مغرور وظالم کفار کے لیے عذاب کا مظاہرہ کرنا تھا۔

مسلمانوں کی خواہش کے برعکس فیصلہ خداوندی اور اس کے ثمرات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ بدر سے متعلق فرمایا کہ اللہ کا تم سے وعدہ تھا کہ دو جماعتوں (ابوسفیان کا

قافلہ اور ابوجہل کا لشکر) میں سے ایک جماعت پر فتح دوں گا، اللہ رَبّ العزّت اگرچہ علیم وخبیر ذات ہیں، لیکن اس کے باوجود کسی ایک جماعت کی تعیین اس لیے نہ کی تاکہ تمہارا امتحان ہو کہ آسان کام کو پسند کرتے ہو یا مشکل کو۔ اور تم میں سے بعض یہ چاہتے تھے کہ ابوجہل کی لڑنے والی، جنگجو جماعت سے مقابلہ نہ ہو، تجارتی قافلے پر قبضہ ہو جائے، لیکن اللہ چاہتے تھے کہ اسلام کا اصل مقصد حاصل ہو یعنی حق ثابت ہو جائے، کُفر کی جڑ کٹ جائے، ظاہر ہے کہ یہ کام اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ مسلح فوج سے مقابلہ اور اس پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ اور غلبہ ہو۔ چنانچہ اس جنگ کے ذریعہ اسلام کی شاندار فتح ہوئی اور کُفر پر کاری ضرب پڑ گئی۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝١١ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝١٢ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝١٣ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝١٤

سب منگتے، رَبّ داتا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب دیکھا کہ ہماری تعداد صرف تین سو تیرہ اور وہ بھی اکثر غیر مسلح ہیں، جبکہ مقابلہ پر تقریباً ایک ہزار کا مسلح لشکر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ رَبّ العزّت کی بارگاہ میں دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور مسلسل آہ وزاری کے ساتھ دُعا میں مصروف رہے یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے دُعا قبول فرمالی اور مدد و نصرت کا وعدہ فرمالیا، اسی بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے، جب تم اپنے رَبّ سے مدد طلب کر رہے تھے، اور اللہ سے گڑگڑا کر دُعا کر رہے تھے اے اللہ! ہماری مدد فرما تو اللہ رَبّ العزّت نے تمہاری دُعا کو قبول فرمالیا اور فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں جو یکے بعد دیگرے قطار کی شکل میں آئیں گے اور اس جنگ میں تمہاری مدد کریں گے۔

”بدر“ میں فرشتوں کا نزول

غزوۂ بدر میں اللہ رَبّ العزّت نے فرشتوں کی جو جماعت مدد کے لیے بھیجی تھی، ان کی تعداد اس آیت میں ایک ہزار جبکہ سورۂ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی طور پر ایک ہزار فرشتے بھیجے گئے تھے، پھر مسلمانوں کو خبر ملی کہ مشرکین کو کمک ملنے والی ہے، جس سے مسلمانوں کے دلوں میں اضطراب پیدا ہوا، اس پر

اللہ رَبّ العزّت نے تین ہزار فرشتوں کی کمک مسلمانوں کو عطا فرمائی، اور پانچ ہزار فرشتوں کا وعدہ اس صورت میں تھا کہ اگر مشرکین نے یکبارگی حملہ کیا تو اللہ رَبّ العزّت پانچ ہزار فرشتے نازل فرمائیں گے۔

''بدر'' میں اللہ کی مدد و نصرت کا عجیب واقعہ

مسلمان جب بدر میں پہنچے تو دیکھا کہ کافروں کا لشکر پہلے ہی آ کر ایک ایسے مقام پر پڑاؤ ڈال چکا ہے جو اونچائی پر ہے اور پانی کے قریب ہے، چنانچہ مسلمانوں کو وادی کے نچلے حصے میں جگہ ملی جو بالکل ریتلی زمین تھی، اس میں پاؤں دھنس رہے تھے، پینے اور وضو کرنے کے لیے پانی دستیاب نہیں تھا، اس صورتحال سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت پریشان ہوئے، اسی حالت میں اللہ رَبّ العزّت کی جانب سے پہلی مدد یہ ہوئی کہ اللہ نے بارش برسادی، جس کی وجہ سے کچی اور ریتیلی زمین جم گئی، اور مسلمانوں نے پانی کے تالاب بنا کر پانی جمع کر لیا، گرد بھی ختم ہو گئی اور صحابہ کرام نے غسل بھی کر لیا، سب صحابہ تازہ دم ہو گئے۔ پھر اللہ رَبّ العزّت نے سب پر نیند مسلط فرمادی، جس سے ان کی ساری تھکاوٹ دور ہو گئی، اور مسلمان جم کر میدان جنگ میں لڑے۔

''بدر'' میں فرشتوں کی ذمہ داری

جب اللہ رَبّ العزّت نے بدر میں مسلمانوں کی مدد و نصرت کے لیے فرشتے نازل فرمائے تو انہیں خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، ان کے دلوں کو مضبوط کرو، میں کفّار کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا اور ان پر مسلمانوں کی دھاک بٹھادوں گا، سو تم ان کی گردنوں اور ان کے پوروں پر مارو۔ یہ کفّار کے کفر اور اللہ رَبّ العزّت اور اس کے رسول کی مخالفت کی سزا ہے، اور آخرت میں بھی انہیں جہنّم کی آگ کا ایندھن بننا پڑے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا
مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ
تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً
حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ
الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْــــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ
اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

میدانِ جہاد سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے!

پہلی دو آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے جہاد کا ایک قانون بیان فرمایا ہے کہ جب اہل ایمان کی کافروں سے مڈبھیڑ اور لڑائی ہو تو ثابت قدمی اختیار کرنی چاہیے اور جم کر مقابلہ کرنا چاہیے، اور بزدلی یا موت کے ڈر سے میدان جنگ سے ہرگز

نہیں بھاگنا چاہیے، کیونکہ میدان جنگ سے بھاگنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہے، جو بھی شخص یا فوج میدان جنگ سے راہِ فرار اختیار کرے گی وہ اللہ ربّ العزّت کے غضب کی سزاوار ہوگی۔ البتہ دو صورتوں میں استثناء ہے:

۱۔ ایسی پسپائی جو کسی جنگی چال چلنے کے لیے یا پینترا بدلنے کے لیے ہو اس کی اجازت ہے۔

۲۔ اپنے موجودہ لشکر کی کمزوری کا احساس کر کے اس لیے وقتی طور پر پیچھے ہٹیں تاکہ مجاہدین کی مزید کمک حاصل کر کے پھر حملہ آور ہوں۔

ان دو صورتوں کے علاوہ کسی بھی صورت میں میدان جنگ چھوڑ کر جانا جائز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تیرے تمام ساتھی قتل ہو جائیں تب بھی میدان جنگ سے نہ بھاگنا۔

”بدر“ میں معجزاتِ نبوی کا ظہور

اس جنگی قانون کو بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے پھر غزوۂ بدر کا تذکرہ فرمایا اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ اس غزوہ میں اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کے باوجود اپنی فتح کو اپنا ذاتی کارنامہ نہ سمجھیں، بلکہ اس ذاتِ پاک کا شکر ادا کریں، جس کی مدد و نصرت سے انہیں یہ فتح حاصل ہوئی۔ اسی غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ظاہر ہوا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مکہ کے مشرکین کا بڑا لشکر اپنی کثرت اور قوت پر فخر کرتا ہوا متکبرانہ انداز میں سامنے آ رہا ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ یا اللہ! یہ تیرے جھٹلانے والے قریش فخر و تکبّر کرتے ہوئے آ رہے ہیں آپ نے فتح کا جو وعدہ مجھ سے فرمایا ہے اس کو جلد پورا فرما، اللہ ربّ العزّت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نازل فرمایا، انہوں نے آ کر عرض کیا کہ آپ ایک مٹھی خاک لے کر دشمن کے لشکر کی طرف پھینک دیں، آپ نے ایسا ہی کیا، اور ایک یا تین مٹھی بھر کر ان کی جانب پھینک دی، قدرت خداوندی نے اس مٹھی کو معجزانہ طور پر اس طرح پھیلا دیا کہ مخالف لشکر کا کوئی آدمی باقی نہ رہا جس کی آنکھوں میں اور چہرے پر یہ دھول اور کنکریاں نہ پہنچی ہوں، جس کا اثر یہ ہوا کہ پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ (معارف القرآن)

ابوجہل کی دُعا

قریش مکہ جب مسلمانوں کے استیصال کے لیے مکہ سے نکل رہے تھے، تو لشکر کے سب سے زیادہ فتنہ پرور آدمی ابوجہل نے بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر دُعا کی تھی، اے اللہ! دونوں لشکروں میں سے جو اعلیٰ و افضل اور ہدایت پر ہے، اسے فتح عطا فرما دیجیے، اور جو قرابتوں کو توڑنے والا اور قطع رحمی کرنے والا ہے، اسے آپ کچل دیجیے، جب جنگ ختم ہوئی اور نتیجہ سامنے آیا اور کُفّار کے بڑے بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے، ستر افراد قید ہوئے تو اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ”تم نے ہم سے فیصلہ مانگا تھا، ہم نے فیصلہ دے دیا“، جو قرابتوں کو توڑنے والے تھے وہ ہار گئے، جو اللہ کی ماننے

والے اور ہدایت پر تھے وہ کامیاب ہو گئے۔ اس لیے تمہیں اب اپنی دُعا کے مطابق اس فیصلے کو قبول کر لینا چاہیے اور میرے نبی کے ہاتھ پر ایمان لے آنا چاہیے، یہی تمہارے لیے بہتر ہے، لیکن اگر تم اپنی سرکشی سے اب بھی باز نہیں آتے اور خدائی فیصلہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہو تو پھر یاد رکھو! تمہاری سرکشی تمہیں لے ڈوبے گی، اگر تم اپنی سابقہ روش کی طرف لوٹو گے، تو ہم بھی اپنی سنت کی طرف لوٹیں گے، اور تمہارا سر کچل دیں گے، تمہاری قوت اور کثرت تمہارے کسی کام نہیں آئے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو چند ہدایات فرمائی ہیں جو عمومی زندگی میں بھی نہایت اہمیت کی حامل ہیں اور حالت جنگ میں ان کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔

۱۔ پہلی ہدایت یہ فرمائی کہ مسلمان اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازم پکڑیں، شریعت کے کسی بھی حکم سے سرمو انحراف نہ کریں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات سن کر دل سے ان کی تصدیق کریں اور ان پر عمل کریں، گویا دل و جان سے احکام شریعت کی اطاعت میں مصروف رہیں۔ کفّار و منافقین کی طرح صرف زبانی دعووں پر اکتفاء نہ کریں۔ کیونکہ ایسے کفّار اور منافقین جو حق بات کو غور و فکر کے ساتھ نہیں سنتے اور اسے قبول نہیں کرتے، اللہ ربّ العزّت کے نزدیک جانوروں اور چوپایوں سے بھی بدتر ہیں۔

۲۔ دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کسی کام کے لیے بلائیں (خصوصاً ایمان و جہاد کے لیے) تو فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہو اور آپ کی بات مانو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو بھی حکم دیتے ہیں اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ سب احکام تمہارے ہی فائدہ کے لیے دیے جاتے ہیں۔ یہ احکام تمہارے دلوں کی حیات اور تمہارے ایمان کی روحانی زندگی کا ذریعہ ہیں۔

۳۔ تیسری ہدایت یہ دی گئی کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو، اور نہ ہی اپنی امانتوں میں کوئی خیانت کرو۔ یہ ہدایت اگرچہ عام ہے، لیکن اس کا نزول ایک خاص واقعہ کے لیے ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ تھا، جس نے مشرکین کے بہکاوے میں آکر مسلمانوں سے معاہدہ توڑ ڈالا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے اس شرط پر مصالحت ہوئی کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ فریقین کے لیے قبول ہوگا۔ انہوں نے کہا مشورہ کے لیے ہمارے پاس حضرت ابولبابہ کو بھیجو، یہ تشریف لے گئے۔ چونکہ ان کے مال اور بچے انہیں کے قبیلہ میں رہتے تھے تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کا کیا مشورہ ہے؟ تو انہوں نے گردن پر ہاتھ پھیرا کہ تم قتل کر دیے جاؤ گے، مال و اولاد کی محبت میں یہ کام کر تو گزرے، مگر فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے تو اللہ کے نبی کے راز کی خیانت کر دی، تو چپکے سے وہاں سے آئے اور اپنے آپ کو مسجدِ نبوی میں ایک ستون سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اسی طرح بندھا رہوں گا، اس حالت پر کئی دن گزر گئے، کھانے پینے کے قریب نہ جاتے تھے، جس کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی، تقریباً سات دن کے بعد اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کی توبہ قبول فرمالی۔ بعض حضرات نے ان کو خوشخبری سنائی اور کھولنا چاہا مگر انہوں نے کہا کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مجھے نہ کھولیں گے، میں یہاں سے نہیں ہلوں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز کے لیے تشریف لائے تو اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھول دیا۔ (معارف القرآن)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

”تقویٰ“ کے ثمرات

پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے تقویٰ کے ثمرات بیان کرتے ہوئے اہلِ ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اے اہلِ ایمان اگر تم اللہ ربّ العزّت کی اطاعت و محبت کو سب چیزوں پر مقدم رکھو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ ربّ العزّت تمہیں تین چیزیں عطا فرمائیں گے:

۱۔ اللہ ربّ العزّت تمہاری مدد و نصرت فرمائیں گے، (آیت میں اس کے لیے لفظ ”فرقان“ استعمال کیا گیا ہے، جس کا معنی دو چیزوں میں فرق کرنے کا ہے، چونکہ اللہ ربّ العزّت کی مدد سے اہلِ حق، اہلِ باطل پر غالب ہوتے ہیں جس سے حق و باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے، اس لیے اسے بھی فرقان کہہ دیا جاتا ہے)۔

۲-اللہ ربّ العزّت تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے۔

۳-اللہ ربّ العزّت تمہاری مغفرت فرمادیں گے۔

مشرکین کا بھیانک منصوبہ اور اس کی ناکامی

تقویٰ کے ثمرات بیان کرنے کے اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے اور آپ کو قتل کرنے کے لیے مشرکین کے ایک بھیانک منصوبے کا ذکر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے وقت مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے سے ہٹانے اور اسلامی دعوت کو فنا کرنے کے لیے ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا، سب قبائل کے سردار دارالندوہ میں جمع ہوئے، اور مشورہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) راستے سے ہٹانے کے لیے کیا لائحہ عمل طے کیا جائے؟ کسی نے کہا کہ آپ کو جلاوطن کردیا جائے، کسی نے گرفتاری کا مشورہ دیا، ابوجہل نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ عرب کے تمام قبائل میں سے ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی لیا جائے، وہ سب مل کر یکبارگی آپ پر حملہ کر کے قتل کردیں، چونکہ قاتلین تمام قبائل عرب میں سے ہوں گے تو بنو ہاشم سب سے لڑ نہیں سکیں گے اور وہ چاروناچار دیت پر رضامند ہو جائیں گے، جو سب قبائل مل کر ادا کردیں گے۔ اس منصوبے میں شیطان بھی ایک نجدی شیخ کی صورت میں موجود رہا، اس نے بھی ابوجہل کی بات کی تائید کی، چنانچہ سب نے اسی رائے پر عمل کرنے پر رضامندی ظاہر کردی۔

اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے منصوبے سے آگاہ فرمادیا اور حکم فرمادیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں بلکہ مکہ سے ہجرت فرما جائیں، ادھر مشورہ کے مطابق شام ہی سے قریشی نوجوانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کرلیا، جب رات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلا دیا، اور ایک مٹھی میں مٹی بھر کر باہر تشریف لائے، اور وہ مٹی ان محاصرہ کرنے والوں کے سروں پر ڈال دی، اللہ ربّ العزّت نے ان کی نظروں پر پردہ ڈال دیا، جس سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر رات ہی رات غارِ ثور میں چلے گئے، تین راتیں غارِ ثور میں رہنے کے بعد ہجرت فرما کر مدینہ میں آگئے۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو یاد کیجیے جب کفّار آپ کے بارے میں مختلف تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کریں، قتل کریں یا جلاوطن کردیں، اور دوسری طرف اللہ ربّ العزّت اپنی تدبیر فرمارہے تھے، اور یقیناً اللہ ربّ العزّت سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں، جو ساری تدبیروں پر غالب آجاتی ہے۔

وجودِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اِستغفار عذاب سے مانع ہیں!

مشرکین مکہ کا سردار ابوجہل اپنی قوم کو کفر پر جمے رہنے کے لیے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کرتا کہ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہی (دین اسلام) حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے، اسی طرح جب

ابوجہل بدر کے لیے مکہ سے نکل رہا تھا، اس وقت بھی اس نے یہی دُعا کی، اللہ ربّ العزّت نے اس کا جواب دیتے ہوئے اپنی ایک سنّت اور قانون کو بیان فرمایا، کہ اجتماعی عذاب نہ آنے کے دو اسباب ہیں:

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ میں موجودگی عذاب سے مانع ہے، کیونکہ باری تعالیٰ کا دستور ہے کہ جب تک اللہ کا رسول اپنی قوم میں موجود ہوتا ہے، اس وقت تک باری تعالیٰ عذاب نازل نہیں فرماتے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم استغفار کرتی رہے اور اللہ ربّ العزّت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہے تب تک ان پر عذاب نازل نہیں ہوتا، اور مکہ مکرمہ میں بہت سے کمزور مسلمان جو ہجرت نہیں کر سکے تھے اور مکہ میں رہ گئے تھے وہ استغفار کیا کرتے تھے، نیز مشرکین مکہ بھی مشرک اور کافر ہونے کے باوجود اپنے طواف وغیرہ میں ''غفرانک، غفرانک'' کہا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ استغفار اگرچہ آخرت میں کسی کام نہ آئے گا، مگر دنیا میں اس کا یہ نفع ان کو مل گیا کہ دنیا میں عذاب سے بچ گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے نیک عمل کو ضائع نہیں کرتے، کفار ومشرکین اگر کوئی نیک عمل کرتے ہیں، تو اس کا بدلہ ان کو اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

کفّار باز آجائیں تو معافی مل سکتی ہے!

ان آیات میں میں اللہ تعالیٰ نے کفّار ومشرکین کے تمام ترکرتوتوں کے باوجود اپنے پیارے رسول کی زبان سے یہ اعلان کروایا کہ اگر یہ لوگ اپنے رویے کو بدل لیں، اسلام کی مخالفت سے باز آجائیں، اللہ کے گھر کو جس طرح اللہ والوں پر ممنوع قرار دے رکھا ہے، اس سے توبہ کرلیں، اور اسلام کی آغوش میں آجائیں، تو اب تک جتنے بڑے بڑے جرائم کر چکے ہیں، اس کے بارے میں ان سے بالکل نہیں پوچھا جائے گا، ان کی چھوٹی بڑی غلطیاں معاف کر دی جائیں گی، لیکن اگر انہوں نے اللہ کی دعوت استغفار کو قبول نہ کیا، کفر سے نکل کر اسلام کی آغوش میں نہ آئے، اپنے اندھے پن پر اصرار جاری رکھا، تو پھر یاد رکھو! اس سے پہلے لوگوں کے ساتھ اللہ کی جو سنت رہی ہے، وہ گزر چکی ہے، اللہ کے جس قانون عدل سے سابقہ امتیں دوچار ہو چکی ہیں، ان کی تاریخ تمہارے سامنے ہے، تم قوم عاد، قوم ثمود، مدین اور قوم لوط وغیرہ کے کھنڈرات سے تجارتی اسفار میں گزرتے رہتے ہو، ان کے تمام علاقے اللہ کے عذاب کی منہ بولتی تصویر ہیں، جس بدترین صورتحال سے وہ قومیں دوچار ہوئی تھیں، اسی صورتحال سے تم بھی دوچار ہو سکتے ہو۔

اگر کفّار باز نہ آئیں

پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر یہ کفریہ طاقتیں اپنا رویہ بدلنے کو تیار نہیں تو ان سے اس وقت تک جہاد کرو، جب تک

کہ کفر و شرک اور ان مظالم کا مکمل سدِباب نہ ہو جائے جو کفّار کی طرف سے مسلمانوں پر ہوا کرتی تھیں، اور اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے۔ اس جہاد و قتال کے نتیجے میں اگر یہ کفّار اپنے ظلم و جور سے باز آ جائیں تو اللہ ربّ العزّت ان کے اعمال سے واقف ہے وہ ان کے اعمال کے مطابق ان سے معاملہ فرمائیں گے، اور اگر کفّار اپنی روش سے باز نہ آئیں اور اپنی ضد و عناد پر قائم رہیں تو مسلمانوں کے لیے وہی حکم ہے جو پہلے ذکر ہوا کہ ان سے جہاد اور قتال جاری رکھے، اور اس بات کا قطعی خوف نہ کریں کہ ہمارے پاس لشکر یا سامان حرب کم ہے، اس لیے ہم مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت تمہارا مولیٰ اور کارساز ہے، اور اس سے بہتر نہ کوئی مولیٰ ہے اور نہ کوئی سازگار و مددگار۔ جس نے اللہ ربّ العزّت کا دامن پکڑ لیا، دنیا و آخرت کی سب سے بڑی قوت اس کے ہاتھ میں آگئی۔ بقول شخصے:

کیا غم ہے اگر ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

پارہ نمبر ۱۰

یہ پارہ سورۂ انفال کے بقیہ حصے اور سورۂ توبہ کے اکثر حصہ پر مشتمل ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

”مالِ غنیمت“ کے اَحکام

سورت کے آغاز میں یہ بات گزر چکی ہے کہ غزوۂ بدر میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے دوران صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اختلاف ہو گیا تھا، جس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ سورت نازل فرما کر ابتداء انہیں یہ تربیت دی کہ دنیا کی عارضی مال و متاع کے بارے میں اختلاف کرنے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور تقویٰ اختیار کرنا بہتر ہے، اب اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے مالِ غنیمت کے مصارف اور اس کے احکام بیان فرما دیے ہیں، تاکہ آئندہ کے لیے کسی اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔

”غنیمت“ کیا ہے؟

غنیمت دراصل اس مال کو کہتے ہیں، جو کفّار کے ساتھ باقاعدہ جہاد اور لڑائی کے نتیجے میں مسلمانوں کو حاصل ہو، اور اگر کوئی مال غیر مسلموں سے بغیر جنگ اور لڑائی کے حاصل ہو جائے تو اسے مالِ فئی کہتے ہیں۔ یہاں مالِ غنیمت کا ذکر ہے، جبکہ مالِ فئی کے احکام سورۂ حشر میں ذکر کیے گئے ہیں۔

گزشتہ اقوام پر مال غنیمت کا استعمال حرام تھا، آسمان سے آگ آتی تھی جو مال غنیمت کو جلا کر راکھ کر دیا کرتی تھی، اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت حلال فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ" میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں۔ (صحیح بخاری:۴۳۸)

تقسیمِ غنیمت کے اُصول

تقسیم غنیمت کا اصول بیان کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ غنیمت کے مال کے پانچ حصے کیے جائیں گے، اس میں سے ۱/۵ حصہ اللہ ربّ العزّت کے لیے، (ذات باری تعالیٰ کا ذکر تبرک اور برکت کے طور پر ہے، نیز اس میں بھی اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مال غنیمت درحقیقت اللہ ربّ العزّت کی ہی ملکیت ہے، اور اسی کے حکم سے مندرجہ ذیل مصارف میں اس کو خرچ کیا جائے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے اخراجات اور ذاتی مصارف کے لیے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریبی رشتہ داروں کے لیے، یتیموں کے لیے، مساکین کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے، یعنی کُل مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان مذکورہ مصارف میں خرچ ہوگا، اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ اور گھڑسوار کے لیے دو حصے ہوں گے، ایک حصہ اس کا اور ایک اس کے گھوڑے کا ہوگا۔

موجودہ دور میں خمس کا حکم

جمہور ائمہ کے نزدیک مال غنیمت کے خمس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ رکھا گیا تھا وہ آپ کے منصب نبوّت ورسالت کی بنا پر تھا، آپ کی وفات کے بعد یہ حصہ خود بخود ختم ہوگیا کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔

جہاں تک تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا، تو وہ اگر غریب اور فقراء ہوں تو ان کا حق خمس میں دیگر مصارف یعنی یتیم، مسکین اور مسافر سے مقدم ہے، کیونکہ ان کی امداد زکوٰۃ وصدقات سے نہیں ہوسکتی، جبکہ یتیم ومسکین وغیرہ کی امداد زکوٰۃ وصدقات وغیرہ سے بھی کی جاسکتی ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں میں سے جو مالدار اور غنی ہوں، ان کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان کا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ختم ہوگیا، اب انہیں مال غنیمت کے خمس سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ امام شافعیؒ سے بھی یہی قول منقول ہے۔ (معارف القرآن)

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

غزوۂ بدر میں کامیابی کے اَسباب اور نصرتِ باری تعالیٰ کے نمونے

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب بیان کرتے ہوئے اپنی مدد ونصرت کے نمونے بیان فرمائے، جن کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح یقینی بن سکی۔ وگرنہ بادی النظر اور اسباب کی دنیا کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں اور کفّار کے لشکر میں کوئی تناسب ہی نہیں تھا، مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ جبکہ دشمن فوج تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں تھی، مسلمان فوج بے سروسامان جبکہ کفّار کا لشکر آلات جنگ وسامان حرب سے لیس تھا، مسلمان جنگ میں جس مقام پر موجود تھے وہ جنگی نقطۂ نظر سے بالکل غیر موزوں جگہ تھی، زمین ریتلی تھی، پانی دستیاب نہیں تھا، جبکہ کفّار کا لشکر جس جگہ پر فروکش تھا وہ زمین مضبوط تھی اور پانی پر ان کا قبضہ تھا، ان سب پہلوؤں کو دیکھا جائے تو یہ جنگ بظاہر یکطرفہ (one sided) دکھائی دیتی تھی، اسی وجہ سے اللہ رَبّ العزّت نے ان آیات میں فرمایا کہ اگر دنیا کی عام جنگوں کی طرح یہ جنگ بھی تیاری سے لڑی جاتی تو یہ جنگ کبھی ہوتی ہی نہیں۔ لیکن اللہ رَبّ العزّت کی یہ مرضی تھی کہ اس مٹھی بھر لشکر سے کفریہ طاقت کو عبرتناک انجام سے دوچار کرائے، تاکہ دشمن پر اسلام کی دھاک بیٹھ سکے اور دنیا میں اسلام کو غلبہ نصیب ہو اور حق اور باطل کھل کر ہر ایک کے سامنے آسکے، اس لیے یہ جنگ ہوئی اور اللہ رَبّ العزّت نے اس میں اپنے دین والوں کی مدد ونصرت فرمائی جس کی وجہ سے انہوں نے اس غزوہ میں دشمن کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

میدان جنگ کا نقشہ بیان کرتے ہوئے اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان میدان جنگ کے اس جانب تھے جو مدینہ منورہ کو قریب تھا، اور کافران کے بالکل سامنے اس جانب تھے جو مدینہ سے دور تھا، جبکہ ابوسفیان کا قافلہ جس کی وجہ سے اس جہاد کی نوبت آئی وہ بھی کفّار کے لشکر کے قریب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر سے دور سمندر کے کنارے چل رہا تھا۔ مسلمان جس جگہ موجود تھے وہ چونکہ ریتلی زمین تھی، جس میں چلنا بھی مشکل تھا اور پانی بھی دور تھا (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا) پھر اللہ رَبّ العزّت نے بارش برسائی، جس سے وہ ریتلی زمین سخت ہوگئی، مسلمانوں نے پانی کو اپنے پاس ذخیرہ بھی کرلیا، جس سے ان کے حوصلے بلند ہوگئے اور وہ بالکل تازہ دم ہو کر جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔

اس کے علاوہ اس غزوہ میں اللہ رَبّ العزّت نے ایک اور معجزہ اور کرشمہ ظاہر فرمایا، اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو کفّار کی تعداد بہت کم کر کے دکھائی گئی تاکہ مسلمانوں میں اختلاف اور کمزوری نہ پیدا ہو، اور یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ان کی تعداد بہت کم دکھائی گئی، آپ نے سب مسلمانوں کو بتادیا جس سے ان کے حوصلے بلند ہوگئے، اور دوسری مرتبہ عین میدان جنگ میں جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو مسلمانوں کو کفّار کی تعداد بہت کم دکھائی گئی۔

اسی طرح کفّار کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم کر کے دکھائی گئی، جس کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ مشرکین کے دلوں پر مسلمانوں کا رُعب پہلے ہی نہ چھا جائے جس کی وجہ سے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ اور یہ سب اس لیے ہوا کہ

اللہ رَبّ العزّت کا جو فیصلہ ہے وہ پایۂ تکمیل تک پہنچے، اور مسلمان بے سروسامانی کے باوجود فتح یاب ہوجائیں تاکہ اسلام کی حقانیت سب پر واضح ہوجائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

جہاد میں فتح ونصرت کے قوانین اور قرآنی ہدایات

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں کامیابی اور مدد و نصرت کے حصول کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں۔ جو ذیل میں درج ہیں:

۱۔**ثابت قدمی**: پہلا اصول یہ ہے کہ جب جنگ کی نوبت آئے اور دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو ہمت اور حوصلہ سے کام لے کر ثابت قدم رہا جائے۔

۲۔**ذکر اللہ**: دوسرا اصول یہ ہے کہ جنگ کی تیاری کے دنوں میں اور اسی طرح یا میدان جنگ کے لمحات میں مجاہد کا دل اللہ رَبّ العزّت سے ایک لحظہ بھی غافل نہ ہو اور اس کی زبان پروردگار عالم کے ذکر سے تر رہے۔ اللہ رَبّ العزّت کا ذکر مؤمن کا اصل ہتھیار اور قوت ہے، اس لیے جنگ کے پرخطر میدان میں بھی ذکر باری تعالیٰ کا مکمل اہتمام کرنا چاہیے تاکہ اس کی برکت سے کامیابی نصیب ہو۔

۳۔**اطاعت خدا اور رسول**: جہاد میں کامیابی اور اللہ رَبّ العزّت کی مدد و نصرت حاصل کرنے کا تیسرا اصول یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت اور اس کے رسول کی ہر حال میں اطاعت کی جائے، احکامِ شریعت کی پابندی کی جائے، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت کی مدد و نصرت اس کی اطاعت کے ذریعہ ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

۴۔**باہمی اختلاف اور جھگڑے سے پرہیز**: چوتھا اصول یہ ہے کہ باہمی اختلاف اور لڑائی جھگڑے سے مکمل اجتناب کیا جائے، یک جان اور باہم اتفاق واتحاد کے ساتھ رہا جائے، کیونکہ لڑائی جھگڑے انسان کا رعب ختم کرنے کا باعث بنتے ہیں اور ان جھگڑوں سے وہ فریق دشمن کی نظر میں کمزور ہوجاتا ہے۔

۵۔**صبر**: پانچواں اصول یہ ہے کہ دشمن سے مقابلے کے وقت اگر مشکل وقت آجائے تو اس پر صبر کیا جائے، صبر سے اللہ رَبّ العزّت کی معیت نصیب ہوتی ہے، اور جسے اللہ رَبّ العزّت کی معیت اور اس کا ساتھ نصیب ہوجائے اسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔

۶۔**فخر وغرور اور تکبر سے اجتناب**: چھٹا اصول یہ ہے کہ اپنی قوت اور کثرت پر ناز اور غرور سے مکمل اجتناب کیا

جائے، اور نہ ہی ریاء اور دکھاوے کے پیشِ نظر کوئی کام کیا جائے، بلکہ ہر کام میں صدقِ دل اور اخلاص کو پیشِ نظر رکھا جائے، اس سے اللہ ربّ العزّت کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝

عہد شکنی کرنے والوں کے بارے میں حکم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کُفّار کی مذمت کرنے کے بعد ان یہودیوں کا تذکرہ فرمایا جو عہد شکنی کے مرتکب ہوئے تھے اور ان کی سزا بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک کافر اس کی تمام مخلوقات میں سے سب سے زیادہ بدترین ہیں، یہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں، کیونکہ انہوں نے اللہ ربّ العزّت کے عطا کردہ شعور سے کام نہ لیا اور ایمان نہ لائے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ میں موجود یہودیوں کا تذکرہ فرمایا، مدینہ میں یہود کے تین بڑے قبائل (بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع) آباد تھے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر یہ لوگ مرعوب تو ہوئے، لیکن ساتھ ہی حسد کی آگ میں جلنے لگے، جس کی وجہ سے اسلام کی دشمنی ان کے دلوں میں پنپتی رہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مسلمانوں کے دونوں گروہوں (مہاجرین و انصار) کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔ اس کے بعد یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا، جس کا سب سے اہم جزء یہ تھا کہ باہمی اختلاف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سب کے لیے واجب التعمیل ہوگا، اور دوسرا اہم جزء یہ تھا کہ مدینہ کے یہود مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کی کوئی مدد نہیں کریں گے، لیکن ان یہودیوں نے عہد شکنی کی، اور غزوۂ بدر کے وقت مشرکینِ مکہ کو اسلحہ اور سامانِ جنگ فراہم کیے، پھر غزوۂ اُحد کے بعد ان کا سردار خود سفر کر کے مکہ مکرّمہ پہنچا، اور ان کے ساتھ ساز باز کر کے انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا، اس آیت میں ان کی اس بار بار کی عہد شکنی کو ذکر فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا قلع قمع کرنے کا حکم فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ جو لوگ آپ سے عہد کر کے پھر اس معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں اور انہیں آخرت کا کوئی ڈر ہی نہیں، ایسے لوگ اگر کسی جنگ میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قابو میں آجائیں تو ان کو ایسی سخت دردناک سزا دیں جو دوسروں کے لیے عبرت بن ہو جائے۔

اسی طرح اگر کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد اس قوم کی طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو تو آپ ان سے کیا گیا معاہدہ ختم کر سکتے ہیں، لیکن باقاعدہ طور پر معاہدہ ختم کرنے سے پہلے ان کے خلاف کوئی اقدام اٹھانا درست نہیں، بلکہ صحیح

صورت یہ ہے کہ ان کو اطمینان اور فرصت کی حالت میں آگاہ کر دیا جائے کہ تمہاری بد دیانتی ہم پر ظاہر ہو چکی ہے، اس لیے ہم وہ معاہدہ ختم کرتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

کُفّار سے مقابلے کی بھرپور تیاری کرو

ان آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ان کُفّار کا تذکرہ فرمایا جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے، اس لیے بچ گئے یا شریک ہونے کے بعد بھاگ نکلے، اس لیے جان بچ گئی، ان لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ یوں نہ سمجھیں کہ ہم بچ نکلے، کیونکہ غزوۂ بدر کُفّار کے لیے ایک عذابِ الٰہی تھا، اور اس کی پکڑ سے بچنا کسی کے بس میں نہیں۔

اس کے بعد دفاعِ اسلام اور کُفّار سے مقابلے کے لیے تیاری کا حکم فرمایا کہ جہاد میں اللہ پر توکّل کرنے کے ساتھ ظاہری اسباب بھی اختیار کرو اور جتنا ممکن ہو جنگ کی تیاری کرو، ہر قسم کی طاقت اور قوت اختیار کرو، ہر دور اور زمانے کے مطابق نت نیا اور جدید اسلحہ، سواریاں، اور اس کے علاوہ ہر وہ چیز جس کے زور پر جنگ جیتی جا سکتی ہے، جیسے آج کے دور میں میڈیا کی طاقت ہے، اسی طرح ٹینک، راکٹ، میزائل، ہیلی کاپٹر، جنگی جہاز، بحری جہاز، آبدوزیں، بم، اور ایٹم بم وغیرہ دورِ حاضر میں جنگ کی ضرورت ہیں، اس لیے ان کی تیاری مسلمانوں کے دینی فرائض میں شامل ہے اور ان میں کوتاہی جرم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں ہمیشہ اس تیاری کا اہتمام فرمایا، حالانکہ آپ اللہ کے نبی تھے، فرشتے آپ کے ہمرکاب رہتے تھے۔ آپ کی دُعاؤں سے اللہ کی تائید و نصرت میسّر ہوتی تھی، بایں ہمہ اپنی استطاعت کے مطابق نئے نئے آلات کی فراہمی کی بھی کوشش فرماتے تھے۔

جنگی تیاری کا مقصد

مسلمانوں کو جنگی تیاری کا حکم دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اس کا مقصد اور مصلحت بھی بیان فرما دی کہ اس تیاری سے مقصد محض قتل و قتال نہیں، بلکہ دشمن اور کُفّار و مشرکین کو زیر کرنا اور انہیں مرعوب رکھنا بھی ہے، اور یہ مقصد جس طرح جنگی آلات سے حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح زبان و قلم اور میڈیا کے ذریعہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، اس لیے ہر طرح کی تیاری سے مسلم اُمہ کو ہر وقت لیس رہنا چاہیے۔

مالی جہاد

جنگی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کی بھی ترغیب دی، کیونکہ جنگ میں جس طرح فوج اور اسلحہ اپنا کردار ادا کرتے ہیں، اسی طرح مال کا بھی اپنا ایک کردار ہے، فوج اخراجات پورے کیے بغیر تیار نہیں ہو سکتی، اسلحہ کی تیاری یا خریداری سراسر مالی قوت پر منحصر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اپنی جانوں کے ساتھ ساتھ اپنے مال خرچ کرنے کا بھی حکم فرمایا، البتہ ساتھ ہی ایک مژدہ بھی سنایا کہ اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ ہم اگر راہ خدا میں مال خرچ کریں گے تو اپنا پیٹ کیسے پالیں گے، تو یہ جان لو کہ تم جو کچھ اللہ کے راستے میں دو گے، وہ پورے کا پورا تمہیں لوٹا دیا جائے گا، بلکہ تمہارے خرچ کردہ مال سے زیادہ ہی تمہیں دنیا اور آخرت میں دیا جائے گا۔

کفار سے صلح

جسمانی اور مالی جہاد کا حکم دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے صلح سے متعلق احکام بیان فرمائے ہیں کہ اگر کہیں ایسا موقع آئے کہ غیر مسلم مسلمانوں کو صلح کی پیش کش کریں تو مسلمانوں کو بھی صلح کر لینی چاہیے، کیونکہ جہاد سے مقصد خون ریزی قطعاً نہیں ہے، اسلام خون ریزی کو پسند نہیں کرتا، خون ریزی تو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے مجبوراً اختیار کی جاتی ہے، جہاد کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اگر بغیر جنگ اور بغیر خون ریزی وقتل و غارت گری کے اعلاء کلمۃ اللہ ہو جائے تو جنگ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صلح کر لینی چاہیے۔

باقی اگر صلح کی صورت میں یہ خدشہ دل میں پیدا ہوا کہ یہ لوگ صلح کر کے ہمیں دھوکا دیں گے، تو اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت آپ کا اور مسلمانوں کا کارساز ہے، وہی ان کو دھوکے کا انجام دکھائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۞ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞

جہاد کی ترغیب اور "ایک دو کے تناسب" سے جنگ کا حکم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے جہاد کی ترغیب اور ایک اہم جنگی قانون بیان فرمایا ہے کہ اے نبی! آپ ان مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجیے، انہیں قتال پر ابھاریے، انہیں اللہ ربّ العزّت کے وعدے یاد دلا کر ہر طرح کے دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کیجیے، ان میں کوٹ کوٹ کر جہاد کا جذبہ بھر دیجیے، تاکہ جب بھی جہاد کا موقع اور حکم ہو، ان میں سے کوئی پیچھے نہ ہٹے، بلکہ آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار اور پر عزم ہو۔

اس کے بعد یہ جنگی قانون بیان فرمایا کہ اہل ایمان کو کس حد تک اپنے حریف اور دشمن کے مقابلے پر جمنا فرض اور اس سے ہٹنا گناہ ہے، کیونکہ گزشتہ سطور میں یہ ذکر کیا جاچکا کہ میدان جہاد سے فرار کبیرہ گناہ اور ناجائز ہے، لیکن بسا اوقات دشمن کے لشکر کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے، (اگرچہ یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ ربّ العزّت کی مدد مسلمانوں کے ساتھ ہوتی ہے جس کی برکت سے ان کے چھوٹے لشکر بھی دشمنوں کے بڑے لشکروں کو شکست دے دیتے ہیں) تو کیا ایسی صورت میں بھی میدان میں ڈٹے رہنا ضروری ہے یا اس صورت میں کوئی اور حکمت عملی اختیار کی جاسکتی ہے، اس بارے میں پہلے یہ حکم فرمایا کہ اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے والے ہوں تو وہ دو سو دشمنوں پر غالب آجائیں گے، اور اگر ایسے سو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو ایک ہزار کے لشکر پر غالب آجائیں گے، اس میں ایک تو اس بات کی خوشخبری سنائی گئی کہ اگر مسلمانوں کا لشکر تعداد میں کم بھی ہو لیکن ثابت قدم رہے تو اللہ ربّ العزّت انہیں فتح نصیب فرمائیں گے، لیکن اسی میں اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا بڑے لشکر کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کا مقابلہ کرنا لازم ہے۔

ایک عرصہ تک یہ حکم رہا، لیکن اس حکم کی وجہ سے دشواری پیدا ہونے لگی، کیونکہ خود سے دس گنا بڑے لشکر سے جنگ کرنا بلاشبہ ایک نہایت دشوار حکم ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانی کمزوریوں کا لحاظ کرتے ہوئے کچھ عرصہ بعد اس حکم کو منسوخ فرما کر دوسرا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اب تمہاری ذمہ داریوں میں کمی فرمادی ہے، اب ہم تمہیں حکم دیتے ہیں، اگر تمہاری تعداد ایک سو ہوگی تو اسے دو سو کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا ہوگا، اگر تم ایک ہزار ہو تو تمہیں دو ہزار سے بے ساختہ ٹکرانا ہوگا، یعنی اپنے سے دوگنا بڑے لشکر کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں، اگر مخالف لشکر مسلمانوں کے لشکر کے دوگنا سے بھی زیادہ ہو تو پھر مسلمانوں کو کوئی دوسری حکمت عملی اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ یہی آخری حکم اور معیار ہے۔

اس حکم سے یہ سبق ملا کہ حق و باطل کی کشمکش یا قوموں کے تصادم میں خوف زدگی ہمیشہ تباہی کی طرف لے جاتی ہے، ایسی احتیاط جو بزدلی کو بھی شرما دے، وہ تاریخ کا حلیہ بگاڑ دیتی ہے، عزت کی زندگی کا راستہ خطرات سے گزرتا ہے، آزادی اور سرفرازی کے نخلستان اس سرزمین پر لہلہاتے ہیں، جو شہیدوں کے خون سے سیراب ہوتی ہے، جو قوم حب دنیا میں مبتلا ہو کر یا موت سے ڈر کر خون دینے میں کوتاہی کرتی ہے، وہ پھر ندامت کے آنسوؤں سے اپنی تاریخ لکھتی ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٩﴾

بدر کے قیدیوں کا معاملہ

غزوۂ بدر میں ستر مشرکین گرفتار ہوئے، اللہ ربّ العزّت نے ان قیدیوں سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو

اختیار دیے تھے، ایک یہ کہ ان قیدیوں کو قتل کر کے دشمن کی شوکت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں، اور دوسرا یہ کہ ان سے فدیہ (کچھ مال) لے کر انہیں چھوڑ دیں، لیکن اس صورت میں یہ بھی اشارہ فرمایا کہ اگر آپ دوسری صورت اختیار کریں گے تو اگلے سال مسلمانوں کے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے جتنے قیدی مال لے کر چھوڑے جائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا۔ بعض صحابہ کرامؓ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل تھے، نے کہا کہ ان سے فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض یا سب آئندہ کسی وقت اسلام قبول کر لیں، اور اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ مسلمانوں چونکہ اس وقت تنگدستی کا شکار تھے تو ان کی تنگ دستی بھی دور ہو جائے گی، اور رہا آئندہ سال ستر مسلمانوں کی شہادت کا معاملہ تو وہ مسلمانوں کے لیے سعادت ہے، اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ جبکہ دوسری طرف بعض صحابہ جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل تھے، نے اس رائے سے اختلاف کیا، اور ان سب قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا، بلکہ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہر قیدی کو اس کے قریبی رشتہ دار کے حوالے کیا جائے اور وہ اپنے ہاتھ سے اس کا سر قلم کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے تھے، اس لیے آپ کی طبیعت پر رحمت وشفقت کا غلبہ تھا، اور یہ بھی امید تھی کہ شاید یہ لوگ آئندہ مسلمان ہو جائیں، اس لیے آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ اور اس جماعت کی رائے پر عمل کیا جو فدیہ لینے کے حق میں تھے، اور ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا، جبکہ اللہ ربّ العزّت کی منشا وہ تھی جو حضرت فاروق اعظمؓ نے کہا تھا۔

اس پر عتاب آمیز وحی نازل ہوئی کہ اے مسلمانو! تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑنے کا مشورہ دیا وہ مناسب نہ تھا، کیونکہ کسی بھی نبی کی شایانِ شان یہ بات نہیں کہ اس کے قیدی باقی رہیں، جب تک کہ دشمن کی شوکت کو خاک میں نہ ملا دے، کیونکہ جہاد کا مقصد فساد کا خاتمہ کرنا ہے، اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب کفّار کی شوکت ٹوٹ جائے، اس سے پہلے دشمن کے قیدیوں کو زندہ چھوڑ دینا مناسب نہیں۔

اور ساتھ یہ تنبیہ فرمائی کہ اگر اللہ ربّ العزّت پہلے سے لکھ نہ چکے ہوتے تو اس فیصلہ پر تمہیں سزا دی جاتی، لیکن چونکہ اللہ ربّ العزّت نے پہلے ہی طے فرما دیا تھا کہ اس امت کے لیے مالِ غنیمت حلال کیا جائے گا، اس لیے مسلمانوں کی اس خطا پر عذاب نازل نہیں کیا گیا، لہٰذا اب تم وہ غنیمت استعمال کر سکتے ہو جو تمہیں غزوۂ بدر سے حاصل ہوئی ہے، وہ تمہارے لیے حلال اور طیب ہے۔

بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عذابِ الٰہی بالکل سامنے آ چکا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے روک دیا، اگر عذاب آ جاتا تو سوائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے کوئی اس سے نہ بچتا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ

مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ
مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

مسلمان ہونے والے قیدیوں کے فدیے کے بارے میں حکم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کے قیدیوں سے فدیہ طلب کیا، تو کچھ قیدیوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں، جن میں حضرت عباسؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی شامل تھے، ان لوگوں کا معاملہ زیرِ غور تھا کہ ان سے فدیہ لیا جائے، یا ویسے ہی چھوڑ دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان قیدیوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے دلوں میں واقعی ایمان ہے تو ابھی فدیہ دے دو، اللہ تمہیں اس سے بہتر اور زیادہ رزق دے گا اور تمہیں معاف بھی کر دے گا۔

چنانچہ حضرت عباسؓ سے یہ کہا گیا کہ اپنا فدیہ ادا کرو، تو انہوں نے عرض کیا کہ جو کچھ سونا میرے پاس تھا مسلمانوں نے میری گرفتاری کے وقت مجھ سے لے لیا، فدیہ کی رقم اس سے کاٹ لی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہ مال کُفر کی مدد کے لیے لائے تھے، آپ کی گرفتاری کے ساتھ ہی وہ مال بھی مالِ غنیمت بن گیا، اب وہ مال مسلمانوں کا ہے، آپ کا اس پر کوئی حق نہیں، مزید یہ فرمایا کہ اپنے گرفتار بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی دو، کہنے لگے: اگر آپ اتنا مالی بار مجھ پر ڈالیں گے تو مجھے واپس جا کر قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی، کیونکہ میں اس کے بعد بالکل فقیر ہو جاؤں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ سے چلتے وقت جو مال اپنی بیوی ام الفضل کو دیا تھا وہ مال بھی تو آپ کا ہے، حضرت عباسؓ نے حیران ہو کر کہا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیونکہ وہ مال تو میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا، کوئی تیسرا آدمی دیکھنے والا نہ تھا، آپ نے فرمایا: مجھے میرے ربّ نے تفصیل بتائی ہے، یہ واقعہ ان کے قبول اسلام کا ذریعہ بن گیا۔

اس طرح ان مسلمان ہونے والے قیدیوں سے متعلق یہ کھٹک لوگوں کے دل میں تھی کہ شاید یہ لوگ مکہ پہنچ کر اسلام سے پھر جائیں اور ہمیں نقصان پہنچائیں، اس پر اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت کا ارادہ کر لیں تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ انہیں پر اس کا وبال پڑے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ
اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۗ لَهُمْ

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ہجرت کے اَحکام اور چار قسم کے مسلمان

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت سے متعلق چند احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسلمانوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

۱- وہ مسلمان جو آپ پر ہجرت سے پہلے ایمان لائے، پھر انہوں نے ہجرت کی، مال وجان سے جہاد کیا، صحابہ میں ان کا درجہ سب سے اونچا ہے۔

۲- وہ مسلمان جن کو ہجرت کی ضرورت تو پیش نہیں آئی لیکن انہوں نے مہاجرین کو پناہ دی، انہیں انصار کہا جاتا ہے، اگرچہ مہاجرین کی طرح انہیں دین کے لیے آزمائشوں سے نہیں گزرنا پڑا، لیکن انہوں نے اپنی پوری دنیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دی اور ایثار وقربانی کی ایسی نظیر پیش کی کہ تاریخ انسانیت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ان دونوں فریقوں کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ انصار ومہاجر ایک دوسرے کے ولی اور دوست ہیں، دشمنوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کے لیے جان نثار کرنے والے ہیں۔

۳- جو لوگ ایمان تو لائے لیکن بلا عذر ہجرت نہیں کی، ان سے مسلمانوں کا دوستانہ تعلق نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ اسلام کی تائید وتقویت میں کوئی کردار ادا نہیں کررہے، البتہ اگر وہ ہجرت کرجائیں، تو ان کا حکم عام مسلمانوں کی طرح ہوگا۔

۴- جو لوگ ایمان تو لائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہیں کی، بلکہ بعد میں ہجرت کی اور جہاد میں شریک ہوئے ”وہ بھی تم لوگوں ہی میں ہیں“ یعنی وہ بھی مذکورہ بالا پہلی شق میں داخل ہوجائیں گے اگرچہ ان کا درجہ مہاجرین اولین سے کم ہے۔

شبہ کا اِزالہ

ان آیات میں کئی جگہ اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کے لیے اپنے وطن اور عزیز واقارب کو چھوڑا، اور جنہوں نے ان کو رہنے کے لیے جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہ دونوں فریق ایک دوسرے کے ولی اور دوست ہیں، اس دوستی اور ولایت کے لفظ سے شبہ ہوسکتا تھا کہ رشتۂ ایمان کی بنا پر یہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے آخری آیت میں یہ فرما کر وضاحت فرمادی کہ ”وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ“ یعنی میراث کی بنیاد صرف خاندانی رشتہ ہے، خاندانی رشتے داری کی بنیاد پر لوگوں کو ایک دوسرے سے میراث ملے گی، جس کی تفصیل کتاب اللہ میں موجود ہے۔

فائدہ ۱:- واضح رہے کہ "**اُولُوا الْاَرْحَامِ**" میں وہ تمام رشتے دار شامل ہیں، جنھیں درجہ بہ درجہ ترکہ ملے گا، اس سے "ذوی الارحام" کی فقہی اصطلاح مرادنہیں، یہ اصطلاح بعد میں مقرر کی گئی۔

فائدہ ۲:- ابتدائے اسلام میں مواخات اسلامی کی بنا پر انصار و مہاجر مسلمان ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رشتہ داروں کی وراثت کا حکم آ گیا۔ اخوت اسلامی کی بنا پر میراث کا جو نظام قائم کیا گیا تھا، وہ ایک عبوری نظام تھا، اگر ہمیشہ اسی کو باقی رکھا جاتا تو بڑی دشواری پیش آتی۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے ایک اختلاف کو حل فرمایا، اور تقویٰ و باہمی اتحاد و اتفاق کا حکم فرمایا۔

۲- سورت میں غزوۂ بدر کے تفصیلی احوال ذکر کیے گئے ہیں، اور اس ضمن میں اللہ ربّ العزّت کی مدد و نصرت کے متعدد نمونے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۳- سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات کا بیان ہے۔

۴- سورت میں کفارِ مکہ کے اعتراضات و شبہات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

۵- مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقۂ کار اور اس کے مصارف بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۶- دشمنوں سے قتال کے لیے ہر دم تیار رہنے اور اس کے لیے آلات وغیرہ کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔

۷- مہاجرین و انصار کی فضائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۸- جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی ہے۔

۹- غزوۂ بدر میں قید ہونے والے قیدیوں سے متعلق احکام دیے گئے ہیں۔

۱۰- وراثت کا شرعی قانون اور اصل بیان کیا گیا ہے۔

تلك عشرة كاملة

تمت سورة الانفال بعون الله سبحانه وتعالى

الحمد لله رب العالمين


نقوش قرآن
نقوش اسلام
نقوش علم
مکتبہ رشیدیہ